

منصب نبوت

اور

اس کے عالی مقام حاملین

www.KitaboSunnat.com

جس میں بنی نوع انسان اور تمدن انسانی پر نبوت کے احسانات، انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن و مزاج اور طریقہ فکر، نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں، نیز نبوتِ محمدی کے لافانی کارناموں اور تم نبوت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے دور رس، عمیق اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

(جلا حقوق کجی ناشر محفوظ)

باردوم

262

اب 9-م

۶۱۹۷۸-۱۳۹۸ھ

www.KitaboSunnat.com

کتابت
طباعت
صفحات
قیمت

باہتمام

۱۵۳۵

محمد غیاث الدین ندوی

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

منصب نبوت

اور

اس کے عالی مقام حاکم

www.KitaboSunnat.com

عربی "النبوة والانبیاء فی ضوء القرآن"

۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۵ء	(لکھنؤ، جدہ، قاہرہ، دمشق، ویرتو)	پچھ ایڈیشن	
۱۹۷۵ء	(لکھنؤ و قاہرہ)	دو ایڈیشن	" النبی الخاتم "
۱۹۷۵ء	(لکھنؤ)	پہلا ایڈیشن	اردو
۱۹۷۵ء	(کراچی)	دوسرا ایڈیشن	"
۱۹۷۸ء	(لکھنؤ)	تیسرا ایڈیشن	"
۱۹۷۶ء	"	پہلا ایڈیشن	انگریزی

المكتبة الرحمانية

۹۹-... جے ماڈل ٹاؤن - لاہور

نمبر... 05971

فہرست

صفحہ	عنوان
۷	مقدمہ مؤلف
۱۳	پہلا خطبہ۔ نبوت، انسانیت کو اس کی ضرورت اور تمدن پر اس کا احسان
۱۳	مقام کی معذونیت
۱۴	جامعہ کی پہلی ذمہ داری
۱۵	زمانہ کو اس موضوع کی ضرورت
۱۶	نبوت اور انبیاء قرآن کی روشنی میں
۱۷	شوق انگیز اور محبوب موضوع
۱۹	برگزیدہ مخلوق اور انسانیت کے کامل نمونے
۲۲	قدرتی سوال
۲۵	کوہ صفایہ
۲۷	نبوت کی حکیمانہ تمثیل
۳۰	ہدایت کا واحد ذریعہ
۳۴	فلسفہ یونانی کی ناکامی کا راز
۳۷	عہد اسلامی کے فلسفہ کی لغزش
۳۸	انبیاء کے کرام کا امتیاز
۳۹	انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام
۴۰	انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل
۴۳	رسول کی بعثت کے بعد انکار کی گنجائش نہیں
۴۳	اسلامی ممالک کے لئے عظیم خطرہ
۴۴	علماء و محققین اور انبیاء کرام کا فرق ایک تمثیل میں

۴۶	مثالی شہر میں انبیاء کا خاص فریضہ
۴۷	مقدس ترین فریضہ
۴۹	انسانیت کی ضرورت اور تمدن کے ارتقاء کا بنیادی سبب
۵۲	دوسرا خطبہ - انبیاء و کرام کی امتیازی خصوصیات، مزاج و منہاج
۵۲	مقام نبوت کو سمجھنے پر خود ساختہ اصطلاحات کا ظلم
۵۳	قرآن کے مخلصانہ و عمیق مطالعہ کی ضرورت
۵۵	انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا بنیادی فرق
۶۰	انبیاء کی دعوت میں حکمت و تعمیر
۶۴	دعوت انبیاء کا سب سے اہم رکن
۷۲	ازل سے تا امروز
۷۳	قرآنی اصطلاحات صحابہ کی نظر میں
۷۵	دینی دعوت و تحریک کا بنیادی رکن کیا ہونا چاہئے۔
۷۶	نوجوان داعیوں اور انشا پد اذوں سے
۸۲	دعوت انبیاء میں عقیدہ آخرت کا اہتمام
۸۴	نصیحت اور موعظت کا اصل محرک
۸۶	عقیدہ آخرت کا اثر انبیاء کے متبعین پر
۸۸	اعمال کی غایت، آخرت میں سزا یا جزا
۹۰	انبیاء اور ان کے متبعین کی سیرتوں میں آخرت کا مقام
۹۲	نبوی اور اصلاحی دعوتوں کا فرق
۹۲	ایمان بالغیب کا مطالبہ
۹۶	ایمان بالغیب اور ایمان بالظاہر
۱۰۳	تکلفات سے پرہیز اور فطرت سلیمہ پر اعتماد
۱۰۹	تیسرا خطبہ - ہدایت کے امام اور انسانیت کے قائد
۱۰۹	خود ساختہ رہنماؤں کا انسانیت کے ساتھ مذاق
۱۱۰	غلطیوں سے پاک انبیاء کی ضرورت

۱۱۱	امانت داری اور اخلاص
۱۱۲	امت کے لئے تحفظ اور ضمانت
۱۱۵	عصمت انبیاء کی حقیقت
۱۱۷	انبیاء اطاعت کے حقدار ہوتے ہیں
۱۱۸	لطف و عنایت کے سزاوار
۱۱۹	بعض عادات و اطوار کی فضیلت کا راز، اور شعائر اللہ کی حقیقت
۱۲۱	انبیاء ایک خاص تہذیب و طرز حیات کے بانی
۱۲۲	ابراہیمی محمدی تہذیب
۱۲۳	اس تہذیب کی خصوصیات و امتیازات
۱۲۵	انبیاء کی اطاعت و تقلید پر قرآن کا زور
۱۲۶	انبیاء کا احترام اور ان سے محبت
۱۲۸	جذبہ محبت کی تاثیر اور طاعت رسول میں صحابہ کی فنائیت کا راز
۱۳۰	عالم اسلامی میں محبت کے فقدان کا نتیجہ اور زندگی پر اس کا اثر
۱۳۱	نبی کی اطاعت و محبت ہی میں قوم کی فلاح ہے
۱۳۱	عالم اسلام اور ممالک عربیہ کے حوادث اور اسباب
۱۳۳	چوتھا خطبہ - ارادہ الہی اور اسباب مادی
۱۳۳	مادی اسباب کے سلسلے میں انبیاء اور ان کے مخالفین کا فرق
۱۳۴	متعین و مقصود و موضوع
۱۳۶	تجربہ اور اللہ کی رحمت کی ترغیب
۱۳۷	تمام انبیاء کے ساتھ اللہ کا طریقہ
۱۴۰	ہدایت کے لئے سب سے بڑا چیلنج اور اسباب کی خدائی کے خلاف سب سے بڑی بغاوت
۱۴۴	حضرت موسیٰ کا واقعہ تنگ اور محدود مادی ذہنیت کے لئے چیلنج
۱۴۶	قصر یوسف اور معروف طریقوں سے اس کی دوری
۱۴۸	قصر یوسف اور سیرت نبوی میں مماثلت
۱۴۸	رسول اللہ کو مدد غیبی اور عظیم مستقبل کی بشارت

۱۵۰	انبیاء کی کامیابی امت کی کامیابی
۱۵۱	داعیوں اور مومن و مصالح کام کرنے والوں کے لئے قوت و اعتماد کا سرچشمہ
۱۵۳	انبیاء کی دعوت پر ایمان یا پھر ہلاکت و تباہی
۱۵۴	انفرادی اور قومی مصالح کی کوئی قیمت نہیں
۱۵۵	ایک پھیلا ہوا غلط خیال
۱۵۶	ایمان و اطاعت، مومن کا ہتھیار اور کامیابی کی کنجی
۱۵۷	امت مسلمہ کا مستقبل انبیاء کی سیرت سے وابستہ
۱۵۹	پانچواں خطبہ - رسالت محمدی کی عظمت
۱۵۹	عصر جاہلی کا المیہ
۱۶۰	علم صحیح کا فقدان
۱۶۰	قوی ارادہ خیر کی کمی
۱۶۱	حق کی حامی و ناصر جماعت کا فقدان
۱۶۱	ایک آفتاب تازہ کی ضرورت
۱۶۲	فلسفہ اور شرک کی ایمان کو کمزور اور انسان کو گمراہ کرنے کے لئے سازش
۱۶۴	جاہلی ماحول میں تبدیلی بنی کی لائی ہوئی عالمگیر دعوت ایمانی ہی سے ممکن ہے۔
۱۶۶	دائمی اصلاح و جدوجہد والی قوم کی ضرورت
۱۶۷	بعثت محمدی کی انقلابی تاثیر
۱۶۸	ایک نئی دنیا کا ظہور
۱۶۹	عصر جاہلی کی تصویر
۱۷۱	نیا عالمی رجحان
۱۷۲	امت محمدی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ عظیم ہے
۱۷۵	چھٹا خطبہ - نبوت محمدی کا کارنامہ
۱۷۵	انسان کا اہمیت
۱۷۶	انسانی فطرت کے اسرار و عجائبات
۱۷۷	انسان ہر پہانہ سے بلند ہے

۱۷۸	نبوت محمدیہ کا کارنامہ
۱۷۹	واقعہ جو خیال و تصور سے زیادہ دلکش ہے
۱۸۰	فرد صالح مختلف پہلوؤں اور زندگی کے میدانوں میں
۱۸۱	بنیادیں جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوا
۱۸۲	آزمائشوں اور تجربہ کے وقت فرد صالح کی کامیابی
۱۸۲	حکمرانوں کا زہد اور ان کی سادگی
۱۸۵	انسانیت کا مثالی نمونہ
۱۸۷	پہلا اسلامی معاشرہ
۱۸۸	رسالت محمدیہ کا اثر بعد کی نسلوں پر
۱۹۰	عالمگیر اور ابدی درس گاہ محمدی کے بعض تلامذہ اور ان کے اخلاق و زندگی کے چند نمونے
۱۹۶	اس دینی و مبارک مدرسہ کی ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں کارگزاری
۱۹۹	ساتواں خطبہ — ختم نبوت (۱)
۲۰۰	دین کی تکمیل اور امت کی نیابتِ انبیاء
۲۰۱	محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت کے خاتمہ اور ان کے بعد کے منقطع ہو جانے کا اعلان
۲۰۵	وہ صفات جو دائمی نبی اور آخری رسول ہی کے ہو سکتے ہیں
۲۰۸	محمد رسول اللہ کی سیرت و حیات قیامت تک کے انسانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ واسوہ
۲۱۳	اور اس کے لئے غلطی انتظامات
۲۱۵	سیرت نبوی اور انبیاء سابقین کے تذکروں کا تقابلی مطالعہ
۲۱۷	محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کا مضبوط دائمی رشتہ
۲۱۷	بعثت محمدی کے وہ خصائص جو نبی نبوت کے متحمل نہیں
۲۲۰	تمام اقوام و امم کے لئے رسالت محمدی کی عمومیت اور اصلاح و تبدیلی سے بے نیازی
۲۲۷	پہلے آسمانی صحیفے اور قرآن، علم و تاریخ کی میزان میں
۲۲۳	کسی نے نبی کی آمد سے متعلق قرآن خاموش ہے
۲۲۴	ختم نبوت کے بارے میں صریح و صحیح اور متواتر احادیث
۲۲۷	صحائے کرام اور ملت اسلامیہ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر اجماع اور دعویٰ نبوت سے ان کی نفرت

۲۵۱	آٹھواں خطبہ — ختم نبوت (۲)
۲۵۱	ختم نبوت انسانیت کے لئے عزت و رحمت ہے
۲۵۵	اگلے مذاہب میں مدعیان نبوت کی کثرت، عقیدہ کی سلامتی اور دین کی وحدت کے لئے خطرہ شدہ
۲۶۲	ختم نبوت دین کامل کا لازمی نتیجہ ہے
۲۶۴	دین اسلام کی زندگی و تازگی اور اس کی مردم خیزی کی صلاحیت
۲۶۶	تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکوں کا تسلسل اور اس کا راز
۲۶۸	احساس ذمہ داری اور باطل کا مقابلہ کرنے کے عزم و قوت پر عقیدہ نبوت کا اثر
۲۷۰	”ختم نبوت“ ملت اسلامیہ کے لئے اللہ کی رحمت اور احسان و عنایت ہے
۲۷۲	ختم نبوت فکری انارکی سے نجات
۲۷۲	عقیدہ ختم نبوت کا تمدن پر احسان
۲۷۴	مدعیان نبوت کا فتنہ اعظیم
۲۷۴	دنیا میں مکالمات و محادثات الہی اور رویت باری کا فتنہ
۲۷۸	اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں اجتماعی الہام اور جماعتی ہدایت
۲۸۲	مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی
۲۸۵	اسلام کے بدترین دشمن

مقدمہ مؤلف

الحمد لله وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰ، اما بعد! شعبان ۱۳۸۲ھ (دسمبر ۱۹۶۲ء) کی کوئی تاریخ تھی کہ مدینہ یونیورسٹی (جامعہ اسلامیہ) کے وائس چانسلر فضیلت مآب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا مارلا جس میں انھوں نے مجھے یہاں استاذ (VISITING PROFESSOR) کی حیثیت سے دعوت دی تھی کہ وہاں عالم اسلامی کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے طلبہ کے سامنے کچھ مقالات پڑھوں، میں نے شکریہ کے ساتھ اس کریمانہ دعوت کو قبول کیا، مجھے مسلم نوجوانوں کے ایسے منتخب مجمع سے خطاب کرنے کا یہ خداداد زریں موقع غنیمت بلکہ نعمت معلوم ہوا، میرے پیش نظریہ مقصد تھا کہ اس مقدس شہر میں نبی نسل کے صاف ذہنوں میں صامخ اقدار کا بیج بٹھایا جائے، یہ ذہن کی تعمیر اور سیرت کی تشکیل کی ایک حقیر کوشش تھی، جو ایک زیر بار احسان اور گزندگار راستی اپنے سب سے بڑے محسن اور محبوب کے شہر میں کرنے جا رہا تھا، اور یہ وہ حقیر نذرانہ تھا، جو وہ اس موقع پر پیش کر سکتا تھا۔

میں نے اپنے محاضرات (خطبات) کے لئے نبوت اور انبیاء، قرآن کی روشنی میں، کا موضوع منتخب کیا، یہ موضوع دفعۃً اور اتفاقاً نہیں اختیار کیا گیا تھا، بلکہ اس کا خیال میرے دل میں عرصہ سے کروٹیں لے رہا تھا، میرا مستحکم عقیدہ ہے کہ یہ ان اہم مباحث اور تحقیقات میں ہے، جن کی نئی نسل کو خاص طور پر ضرورت ہے، میرا یقین ہے کہ ملت کے اس رہنما اور سربراہ طبقہ کی

لے حال چانسلر مدینہ یونیورسٹی، و صددرابطہ عالم اسلامی کہ مکرر۔

(جو ملت کی فکری، علمی اور سیاسی قیادت کر رہا ہے) موجودہ بے راہ روی، اسلام کی صحیح روح سے بے آشنائی، غلامی کے مخالف مادی اقدار کی غلامی، مصنوعی طریقوں اور مغربی طرز فکر سے وابستگی اور اس کے اثر سے اسلام کی ایک نئی تعبیر اور دین کی ایک نئی تفہیم کو دنیا کے سامنے پیش کرنا، ہنہاج و مزاج نبوت کے نا آشنا اور اس کی اصل قدر و قیمت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اس طبقہ کو معلوم نہیں کہ زندگی، تہذیب و تمدن اور عقل انسانی پر نبوت کے احسانات کیا ہیں، اس نے دنیا کو کیا عطا کیا، اور اس سے نئی نسل نئے تمدن کا رشتہ منقطع ہو جانے سے زندگی اور انسانی معاشرہ کس غلط راستے پر چڑ گیا ہے، اور وہ تباہی کے کس عین و مہینہ بابر کی طرف رواں دواں ہے۔

یہ مبارک دعوت ایک مبارک سمت کی تھی، لہذا اس نے داغ کھن نازہ کر دیئے، طبیعت پر جو عرصہ سے افسردگی اور جمود کا شکار تھی ایک ہمیز کا کام دیا، موضوع کی اہمیت اور مقام کی محبوبیت، مصروفیت کے تمام حیلوں بہانوں پر غالب آئی، اگر یہ نسبت گرامی نہ ہوتی تو یہ کام کسی دوسرے وقت پڑل جاتا جیسا کہ بہت سے ضروری کام، قومی تقاضوں اور ضرورتوں کی بنا پر ملتوی ہوتے رہتے ہیں، مجھے یقین تھا کہ اسلام موضوع سے متعلق کچھ کہنے کی بہترین جگہ مدینہ منورہ ہی ہو سکتا ہے، جہاں انسانی ہدایت کے لئے وحی و نبوت کے ذریعہ آسمان کا زمین آخری بار رابطہ قائم ہوا تھا۔

میں نے ان خطبات کا اکثر حصہ رمضان ۱۳۸۲ھ (جنوری ۱۹۶۳ء) میں اپنے چھوٹے سے گاؤں میں لکھا جہاں کوئی کتاب خانہ اور لائبریری دور دور موجود نہیں، چنانچہ میں نے ان خطبات کی تحریر و ترتیب میں قرائی مجید کو بنیاد بنایا، جس سے مسلمانوں کا کوئی گھراؤ و قریہ خالی نہیں اور رمضان المبارک جس میں یہ مبارک سلسلہ شروع کیا گیا تھا، اس کا موسم بہار و جشن نزول ہے اور اس زمانہ میں پوری فضا اس سے معمور و منور ہوتی ہے، البتہ کبھی کبھی بعض ناخدا سے کالینے کیلئے یا کسی خیال کی وضاحت اور کسی قول کی تائید کی خاطر مدوۃ العلماء و کھنؤ کے وسیع کتب خانہ سے کتابیں طلب... کر لیا کرتا تھا، اس طرح چھ خطبات تیار ہو گئے، جو الگ الگ عنوان کے تحت لکھے گئے

لے دائرہ شاہ علم الشہ رلئے بریلی، جو عام طور پر ترمیم کے نام سے مشہور ہے۔

اور جن میں بعد کو بہت معمولی اضافہ کیا گیا، مدینہ منورہ شوال ۱۳۸۲ھ (فروری ۱۹۶۳ء) حاضری ہوئی اور خطبات کا سلسلہ ذوالقعدہ ۱۳۸۲ھ (اپریل ۱۹۶۳ء) میں شروع ہوا خطبات ہفتہ میں دوبار کی ترتیب جامعہ اسلامیہ کے لکچر ہال میں شام کی نماز کے بعد پڑھ جاتے تھے خطبات کی تمہید تقریر اساذ عطیہ محمد سالم (مدیر تعلیمات جامعہ مدینہ) کی ہوتی اور آخر میں شیخ عبدالحزب بن باز، خطبہ پر تبصرہ اور انہار خیال فرماتے، خطبات کے سننے والوں میں طلبہ کے علاوہ مدینہ منورہ کے معززین، اہل علم اور جامعہ کے اساتذہ کی ایک خاصی تعداد ہوتی تھی۔

اب یہی خطبات کتابی شکل میں شائع ہو رہے ہیں جنہیں ہم کوئی نئی تحقیق یا علم و نظر کی کوئی نئی دریافت تو نہیں کہتے لیکن ان میں فکر و خیال کے لئے روشی اور ذہن و شعور کی بیداری کا سامان ضرور ہے، اس کو ایک زیادہ پرمغز کتاب اور ایک محققانہ بحث کا ابتدائی خاکہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

خطبات کی زبان ادبی اور ہلکی پھلکی رکھی گئی ہے، اور علم کلام و عقائد کے ثقیل اسلوب سے پرہیز کیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ کتاب کچھ ایسے اشارات و حقائق پر مشتمل ہے جو گہرے غور و فکر کو دعوت اور موجودہ مسلم معاشرہ میں جو ایک عبوری مرحلے سے گزر رہا ہے، اور اقدار و افکار کی تند و تیز کشمکش سے دوچار ہے، غور و فکر کا پیغام دیتے ہیں۔

اس کتاب کے عربی میں چھ ایڈیشن علی الترتیب لکھنؤ، قاہرہ، جده، اور دمشق سے شائع ہوئے اردو میں پہلی بار اس کا آزاد ترجمہ ترمیم و اضافہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، مصنف کے ذہن و فکر میں جوئے گوشے اور بحث و نظر کے جوئے پہلو سامنے آئے، یا جس اجمال کی تفصیل، یا جن اشارات کی توضیح اس نے ضروری سمجھی، ترجمہ پر نظر ثانی کرتے وقت ان سے پورا فائدہ اٹھایا، ترجمہ پر (جو اس کے دو عزیز رفیقوں کا کیا ہوا ہے) اس نے مصنف ہونے کے حق و عمر و تجربہ کے فرق سے کام لیتے ہوئے آزادانہ تصرف کیا، اور ہندوستان کے ممتاز ترین عارفین و محققین کی تحقیقات

لے حال نائب رئیس القضاۃ مدینہ منورہ۔

اور ان کی تصنیفات کے اقتباسات کا اضافہ کیا، جو عربی محاضرات میں شامل نہیں کئے جاسکے جس سے ترجمہ نے ایک مستقل کتاب کی شکل اختیار کر لی، اور اس کو اب ترجمہ کے بجائے تصنیف کہنا زیادہ صحیح ہوگا، اس طرح کتاب کا یہ نقش ثانی، تدریجاً نقش اول سے زیادہ مفید اور مکمل بن گیا۔

خطبات کا یہ سلسلہ ”بتجری کا کارنامہ“ کے عنوان سے آخری خطبہ پر ختم ہو جاتا تھا، موضوع کا مزاج اور وقت کی ضرورت تقاضا کرتی تھی کہ خطبات کے اس سلسلہ کا اختتام ”ختم نبوت“ کی بحث، اس کی ضرورت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے عقلی و نقلی ثبوت پر ہو، جو صحیح معنی میں اس سلسلہ کا ”مسکلت الختام“ اور اس گفتگو میں حروف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن مصنف کچھ تو وقت کی کمی اور کچھ اس احساس کی بنا پر کہ یہ موضوع زیادہ تفصیل سے بحث و نظر کا طالب ہے، اور اس کے لئے زیادہ فرصت درکار ہے، ایسے موضوع کو کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھنا، اس کو تشنہ اور ناتمام چھوڑنے سے زیادہ مناسب معلوم ہوا، اب اس میں صاف خدا کی حکمت نظر آتی ہے، کہ اس موضوع پر اس وقت قلم اٹھایا گیا، جب قادیانیت کے مسئلے نے (جس کی روح ”ختم نبوت“ کا انکار ہے) ایک بار ۱۹۷۴ء کے وسط میں ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، پھر ستمبر ۱۹۷۴ء میں حکومت پاکستان کے عقیدہ ”ختم نبوت“ کے انکار کی بنیاد ہی پر قادیانی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے اعلان نے ایک بار پھر اس سوال اور جستجو کو زندہ اور نازہ کر دیا کہ عقیدہ ”ختم نبوت“ کی اسلام کے عقائد و شریعت میں اتنی اہمیت کیوں ہے، کہ اس کی بنا پر ایک ایسی جماعت کو جو نہ صرف اسلام، بلکہ خدمت اسلام کی بھی مدعی ہے، خارج از اسلام قرار دیا جائے؟ ان واقعات اور ماحول نے ذہن اور اس کی ساری توانائیاں کو اس مسئلہ پر اس طرح مرکوز کر دیا، اور اس سوال کا مدلل طریقہ پر جواب دینے کو اس طرح قوائے فکریہ

اور قلب و دماغ پر طاری و مستولی کر دیا، کہ مصنف ایک طویل عرصہ تک کوئی دوسرا علمی و تحقیقی کام نہیں کر سکا، اس مطالعہ اور غور و فکر کے نتیجہ میں وہ مضمون تیار ہوا، جو اس سلسلہ کی آخری کڑی اور اس کتاب کا اختتامی مضمون ہے، اور جس پر صریح معنی میں کتاب کی تکمیل ہوتی ہے، ان دو آخری مضامین کو کتاب سے ہم رنگ بنانے کے لئے خطبہ ہی کی زبان اور اس کا عنوان اختیار کیا گیا ہے، ورنہ یہ اصلاً مقالہ کی شکل میں تھے۔

مصنف عزیز گرامی مولوی نور عظیم صاحب ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے ان خطبات کے ترجمہ کا آغاز کیا، جو ابتداء مضامین کی شکل میں ”الہدیٰ“ دیکھنے کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے افسوس ہے کہ وہ اپنی تعلیمی و تحریری مشغولیتوں کی وجہ سے اس سلسلہ کی تکمیل نہ کر سکے، فاضل عزیز مولوی شمس تبریز خاں رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، اردو داں طبقہ کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کی اہمیت و افادیت کو محسوس کیا اور مجھ سے اس کے ترجمہ کی تکمیل کی اجازت لی، مجھے اس میں بہت شبہ تھا کہ اس کتاب کی تاثیر و طاقت اردو میں ترجمہ ہونے کے بعد بھی قائم رہے گی، لیکن ان دونوں عزیزوں نے اس میں قابل تعریف حد تک کامیابی حاصل کی۔ اب یہ کتاب اس امید و دعا کے ساتھ برصغیر ہندوپاک کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے کہ وہ اس کو پڑھ کر اپنے پورے فکر اور اپنی کوششوں کا جائزہ لیں گے، اپنے پورے فکر و عمل کو اس مزاج و منہاج سے اگر مطابق نہیں تو قریب تر کرنے کی کوشش کریں گے، جس کو انبیاء کرامؑ اور ان کے سرگروہ اور خاتم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت حاصل ہے، اور خدا کے یہاں صرف وہی طریقہ مقبول اور حقیقی کامیابی کا ضامن ہے۔

ابوالحسن علی

دارالشاہ علم الشریعہ
۳ اپریل ۱۹۵۹ء

www.KitaboSunnat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

پہلا خطبہ

نبوت، انسانیت کو اسکی ضرورت اور تمدن پر اسکا احسان

مقام کی موزونیت

حضرات! اس جگہ جہاں اس وقت ہم آپ جس ہیں، موزوں ترین گفتگو، انسانیت کو نبوت کی ضرورت اور تمدن پر اس کے احسان سے متعلق ہو سکتی ہے، جس میں ان برگزیدہ نبیوں کا ذکر جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا اعزاز بخشا، اور ان کی عند اللہ مقبولیت، ان کا مرتبہ و مقام، مخلوق پر عظیم احسان، اور زندگی پر ان کے عمیق اثر کا تذکرہ ہو، اور پھر امام المسلمین، خاتم النبیین کا ذکر خیر ہو، جن کو اللہ تعالیٰ نے آخری رسالت اور ابدی و عالمی شریعت، اور محفوظ و زندہ کتاب عطا کی، ممتاز کیا، اور جنہیں دائمی قیادت و امامت، ابدی و عالمی شریعت، اور محفوظ و زندہ کتاب عطا کی اور ساری انسانیت کی سعادت و نجات (طبقاتی اور زبانی اختلاف کے باوجود) ان پر ایمان اور ان کی اتباع پر موقوف کر دی گئی اور جن کی ہجرت اور آخری قیام گاہ کے لئے اس پاکیزہ شہر کو انتخاب کیا گیا، جہاں وحی و رسالت کے سلسلے سے آسمان کا زمین سے آخری بار اتصال ہوا۔

چنانچہ جس شخص کو یہاں کچھ فرصت گفتگو ملے اور جسے یہ اعزاز عطا ہو، اس کو اپنی اس عظیم اور

نازک ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہیے کہ وہ کس مقام سے خطاب کر رہا ہے کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس مقام محدود کے تقاضوں سے صرف نظر کر کے اپنی گفتگو کے لئے کسی اور موضوع کا انتخاب کرے؟ یہ ایمان اور شعور حسن و احسان کا بھی تقاضا ہے، عرب شاعر نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

وَمَا نَزَلْنَا مُنْذِرًا لِلنَّاسِ
أَجَدًا لَنَا طِيبُ الْمَكَانِ وَحُسْنُهُ
أَيْنَقَا وَبِتَانَا مِنَ النَّوْرِ حَالِيَا
مُنَى، فَمَقْتِنَا، فَكُنْتَ الْأَمَانِيَا

(اور جب ہم ایک فضیلت سے شاداب اور خوش منظر مقام اور کلیوں سے آراستہ باغ میں تھے تو مقام کے حسن و پاکیزگی نے ہمارے دل میں کچھ تمنائیں بیدار کر دیں، ہماری ان تمنائوں کی جان تھیں)

جامعہ کی پہلی ذمہ داری

عالم اسلام میں کسی بھی درس گاہ کی خواہ وہ مدینۃ الرسول علیہ السلام علیہ وسلم ہی میں کیوں نہ قائم ہو، یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ نعمت نبوت کے سمجھنے کی طرف توجہ کرے جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت نہیں اتاری، اور اس نعمت کی قدر اور شکر کے ساتھ اس کے سرگرم حامیوں اور داعیوں میں ہو، اور وہ زندگی کی رزم گاہ میں جہاں جاہلیت، ارتداد اور انقلاب کے پرچم ہر طرف لہرا رہے ہیں، وہ نوائے محمدی اور خیرہ مصطفوی کے سایہ میں آجائے، اور زندگی کے ہر محاذ پر خواہ وہ فکری و اعتقادی ہو، یا عملی و انتظامی، اخلاقی و اجتماعی ہو یا تمدنی و سیاسی، اسلام کی سر بلندی کے لئے اپنے کو وقف کر دے۔

کسی بھی اسلامی دانش گاہ کے فارغین و متوسلین کا دائمی شعار اور ان کا سب سے گرانقدر مقصد نبوت اور اس کے طریقہ کار کا ہر فکر و فلسفہ، مذہب و مسلک، فکر کے ہر ڈھنگ، زندگی کے

ہر رنگ اور انسانیت و تمدن کے ہر آہنگ پر ترجیح دینا اور اسے برتر سمجھنا چاہئے۔

یہ بنیادی ذمہ داری ان تمام علمی مطالبات اور مشغولیات سے زیادہ اہم اور مقدم ہے، جن کی طرف مسلم دانشگاہیں اور جامعات توجہ کرتی ہیں اور جن امتیازات و خصوصیات کا وہ دم بھرتی ہیں، کیونکہ اگر کوئی نہ ختم ہونے والی اور حقیقی فیصلہ کن جنگ ہے تو وہ نبوت و جاہلیت کی جنگ ہے، وہ جاہلیت جس کی نمائندگی مغرب کر رہا ہے، اور وہ اسلام (دین حق) جس کا علمبردار تنہا مسلمان رہ گیا ہے، اس جنگ کے سوا تمام جنگیں نقلی اور خانہ جنگیاں ہیں، جن میں ایک ہی خاندان کے لوگ کسی معمولی سا چیز پر لڑ پڑتے ہیں یا جیسے بچے اپنی کم عقلی سے جھگڑ بیٹھتے ہیں، لیکن فکر و نظر کی دائمی جنگ جاہلیت و نبوت کے درمیان ہی ہے۔

ان پہلوؤں سے بھی یہاں کی موقر مجلسوں کا آغاز (جس کا آج پہلا دن ہے) اسی گفتگو سے ہونا چاہئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر، اسلام کا گہوارہ، ایمان کا مرجع، وحی کا مہبط و مادی اور نبوت کے طویل سفر اور عظیم تاریخ کی آخری منزل ہے

زمانہ کو اس موضوع کی ضرورت

آج ہر علمی ادارہ، ہر بڑی دانشگاہ، یورپ کی یونیورسٹیوں، علمی انجمنوں، اقوام متحدہ، اور اس کے عالمی ثقافتی ادارہ یونسکو، اور ہر جگہ اس موضوع کی ضرورت ہے، اس لئے کہ خوش بخشی اور امن و خوش عیشی کی تمام سہولتوں کے باوجود انسانیت کی قسمتی اور موجودہ تمدن کی تیرہ سختی، یہ ہے کہ اس کے سربراہ نبوت و انبیاء کی تعلیمات کے باغی ہیں، اور زندگی و تمدن کی داغ بیل غیر نبوی خطوط پر ڈال رہے ہیں، اور اس اعزاز خداوندی سے بے نیازی و بے پروائی برت رہے ہیں، جو نبی مآلی کو عطا ہوا تھا، اور زبان حال و قال سے گذشتہ جاہلی قوموں کے اس متکبرانہ قول کو دہرا رہے ہیں، جو

قرآن مجید نے نقل کیا ہے "اَبَسْتُمْ مِمَّهَذَا وَنَسَا" (کیا ہمارے ہی جیسے انسان ہم کو ہدایت دینے چلے ہیں) ایک امی ہمیں علم سکھائے گا، ایک فقیر بے نوا ہمیں خوشحال کرے گا، اور ایک با دینین ہمیں مہذب بنائے گا۔

لیکن جب قسمتی سے یا ناسازگار حالات کے سبب اگر ہم یہ باتیں یورپ، امریکہ اور ایشیا کی پرشکوہ یونیورسٹیوں میں نہیں کر سکتے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہم مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی میں اسے موضوع بحث نہ بنائیں اور کیوں نہ ہو، یہ مدینہ منورہ ہی تھا، جو ہمیشہ معنوی اور اگر انقدر قدر کی تخم بیزی کی زمین اور وہ مبارک خطہ رہا ہے، جو ان کے حق میں ہمیشہ زرخیز ثابت ہوا ہے، اور جو اس فرمانِ خداوندی کا صحیح مصداق ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتًا
یا ذٰنِ رَبِّہٖ
اور (دیکھو) اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے
اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے۔
یہاں جو بات کہی گئی ہے، پوری دنیا میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی ہے۔

نبوت اور انبیاء و قرآن کی روشنی میں

متکلمین کی روح سے معافی چاہتے ہوئے میں کہوں گا کہ علم کلام و کتب عقائد کی نظر نبوت و انبیاء کے بارے میں کوتاہ اور محدود تھی، اس نے نبوت کو ایک طرح سے ایسا جامد و محدود عقیدہ سمجھا جس کا عقائد کے محدود دائرہ کے علاوہ زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن علم کلام کی مجبوری اس کا محدود علمی دائرہ، ایک مخصوص تعلیمی ضرورت بھی تھی، اس لئے ہمیں نبوت و انبیاء کو قرآن کی روشنی میں اور قرآن کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔

مَرَّاطِمْتَقِيمٌ ۝ وَابْنَاكَ فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً طُحْنًا فِي الْآخِرَةِ لَمَنِ الصَّالِحِينَ
ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
خَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

سیدھی راہ پر چلایا تھا، اور ہم نے ان کو دنیا میں
بھی خوبی دی تھی، اور وہ آخرت میں بھی نیک
لوگوں میں ہوں گے، پھر ہم نے تمہاری طرف وحی
بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک
طرف کے ہو رہے تھے، اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو ملاحظہ فرمائیں۔

وَبَلَدٍ مَّجْنُونًا ابْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ
تَوَفَّعَ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأَانٍ رَبِّكَ حَكِيمٌ
عَلِيمٌ ۚ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۚ وَمِن
ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَ
يُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ وَذَكَرْنَا نُوحِيًّا وَعِيسَىٰ
وَأِلْيَاسَ ۚ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۚ وَإِسْمَاعِيلَ
وَالْيَسَعَ وَيُوسُفَ وَيُوحَنَّا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا
عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ۚ وَمِنَ آبَاءِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَأَرْحَمُوهُمْ ۚ إِنَّ جَنَّتِيَّاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ
إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ

اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی
قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی ہم جس کے چاہتے ہیں
درجے بلند کر دیتے ہیں، بے شک تمہارا پروردگار دانا
اور خبردار ہے، اور ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب
بخشے اور سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی
ہدایت دی تھی، اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور
سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون
کو بھی، اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے
ہیں اور ذکر کیا اور عیسیٰ اور ایسا کو بھی، یہ
سب کو کار تھے، اور اسماعیل اور الیسع اور یونس
اور یوحنا کو بھی، اور ان سب کو جہاں کے لوگوں پر
فضیلت بخشی تھی۔ اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا

يَهْدِي بِهِم مَنِ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ
 أَشْرَكُوا لَحِطَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
 أُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّيْنَاهُمْ بِالْكِتَابِ
 وَالْحُكْمِ وَالنُّبُوَّةِ فَإِنْ يَكْفُرْ مِنْهَا
 هُوَ لَكُمْ فَقَدْ وَكَلْنَاهَا قَوْمًا لَيْسُوا
 بِهَا بِكَافِرِينَ ۝

اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی اور ان کو
 برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا،
 یہ خدا کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے
 جسے چاہے پلائے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو
 جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتا یہ وہ لوگ
 تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت
 عطا... فرمایا تھی، اگر یہ کفار ان باتوں سے
 انکار کریں تو ہم نے ان پر ایمان لانے کے لئے ایسے
 لوگ مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے
 والے نہیں۔

برگزیدہ مخلوق اور انسانیت کے کامل نمونے

قرآن کبھی انبیاء کا ذکر اور اصطفاء و اجتباء (برگزیدگی) اور محبت و رضا کے الفاظ سے کرتا
 ہے، اور کبھی بہترین تعریفوں اور عقلی، اخلاقی اور عملی صلاحیتوں کا انھیں حامل قرار دیتا ہے، یہ
 سب ظاہر کرتی ہیں کہ انبیاء خلصہ مخلوقات اور انسانیت کے کامل نمونے اور خدا کی پیامبری اور
 دعوت دین کے لحاظ سے سب سے زیادہ باصلاحیت اور باہمت افراد ہوتے ہیں۔

أَلَلَّهِ أَعْلَمُ حَيْثُ يُجْعَلُ رِسَالَتُهُ ۝
 محل ہے اور وہ اپنی پیغمبری کے عنایت فرمائے۔

حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدًا مِنَّا قَبْلُ وَقَلِّبْنَا بِمِصْرَافٍ ۚ
اور ہم نے ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی
اور ہم ان کے حال سے واقف تھے۔

اور ارشاد ہوتا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ مِيثَاقًا
اور خدا نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنالیا تھا۔

اور ارشاد ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامًا عَلَى
اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیمؑ کا ذکر خیر باقی
إِبْرَاهِيمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ
چھوڑ دیا کہ ابراہیمؑ پر سلام ہو نیکو کاروں کو ہم
إِنَّا مِن عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ
ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، وہ ہمارے مومن بندوں
میں سے تھے۔

اور حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں فرمایا گیا۔

إِنَّا إِبْرَاهِيمَ حَلِيمًا ۚ
بے شک ابراہیمؑ بڑے تحمل والے نرم دل اور بخشنے
کرنے والے تھے۔

اور حضرت اسماعیلؑ کے لئے ارشاد ہوا۔

وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۚ
اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ تھے

اور حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ میں فرمایا گیا۔

وَأَمَّا طَعْنُكَ لِنَفْسِي ۚ
اور میں نے تم کو اپنے کام کے لئے بنایا ہے۔

۱۵ الانبیاء ۵ ۱۵ النساء ۱۲۵ ۳۵ الصافات ۱۰۸-۱۱۱ ۱۵ ہود ۷۵

۵۵ مریم ۵۵ ۳۱

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰى الْاَخْيَارِ
 ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور
 نیک لوگوں میں سے تھے۔

میں نے اس عزیز و لذیذ گفتگو میں (اس علم کے باوجود کہ آپ حضرات قرآن کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں، اور میری معروضات آپ کے لئے نئی اور نو کھلی چیز نہیں) دراز نفسی سے اس لئے کام لیا تاکہ آپ کے ذہنوں میں اللہ کے نزدیک انبیاء کی بلند مقامی اور قدر و منزلت اور ان کے سلسلہ میں قرآن کی اعلیٰ ترین تعریف و توصیف کو مستحضر کر دوں، جس میں قرآن نے انھیں مکام اخلاق، محاسن و فضائل اور بہترین صلاحیتوں کا حامل بتایا ہے۔

قدرتی سوال

اس دنیاوی زندگی میں، جہاں معلومات حاصل کرنے اور اعراض اور ضروریات کو پورا کرنے کا دار و مدار انسان کے ظاہری حواس اور عقلی صلاحیتوں پر ہے، اور جو زندگی اسی پر اعتماد کرتی ہے، سلسلہ نبوت اور انبیاء کے کرام کا کیا مقام ہے؟ اور دوسرے علماء و عقلا سے انبیاء کس بنا پر ممتاز ہوتے ہیں، اور کیوں صرف انھیں کو حق پہنچتا ہے کہ ایسے حقائق سے متعلق گفتگو کریں، اور ایسی خبریں سنائیں جن تک نہ تیز ترین احساسات پہنچ سکتے ہیں، نہ ذکی ترین عقلوں کی رسائی ہے، حالانکہ سب ایک ہی ماحول میں پلے بڑھے ہیں، اور ایک ہی سرزمین پر زندگی گزارتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ ایسی چیزیں دیکھ لیتے ہیں، جو ان کے زمانے کے عبقری اور فوق العادہ صلاحیتوں والے بھی نہیں دیکھ سکتے اور یہ ان دیکھی چیزیں صبح کے اجالے کی طرح واضح اور روشن ہو جاتی ہیں، اور ان کی پیشین گوئی پوری اترتی ہے؟

یہ ایک قدرتی سوال ہے، جو نہری بخت پر لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوا، اور دل و دماغ پچھا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب شرف نبوت سے سرفراز کیا گیا، اور تبلیغ و اصلاح کا ذمہ داری سونپی گئی تو آپ کو بھی اس سوال کا سامنا کرنا ضروری تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جو موقف اختیار کیا اور جس حکیمانہ انداز سے اس مسئلہ کو حل کیا وہ آپ کے لافانی معجزات میں سے ایک ہے۔

عرب قوم اور بالخصوص وادی مکہ کے بسنے والے ایک مدت سے دقیق مسائل علمی اصطلاحات اور فلسفیانہ مباحث سے الگ تھلگ زندگی گزار رہے تھے، لیکن ذہن کی تیزی، سلامت فہم، حدت کے اعتراف اور اس کے سامنے تسلیم کرنے میں ممتاز اور فائق تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زندگی میں انبیاء کا مقام کیا ہے؟ ان کو دوسروں کے مقابل میں جو جو اس ظاہری کے علاوہ کسی اور ذریعہ علم کے مالک نہیں، ان دیکھی حقیقتوں کے اظہار کا حق کیوں حاصل ہے، اس کی تشریح آپ نے اس انداز میں فرمائی، جس میں عربوں کے اس ممتاز وصف کا پورا لحاظ ہے، آپ کا یہ حکیمانہ انداز ائمہ کلام اور علمائے فلسفہ کی ہزاروں دیلوں سے کہیں زیادہ موثر اور دلنشین تھا، آپ نے اس کے لئے جو ترتیب اور طریقہ کار اختیار کیا اور جن مقدمات سے کام لیا وہ مخاطبین کی فطرتِ سلیم ان کی عقلی و علمی سطح اور موقع و محل سے پوری مطابقت رکھتے تھے، انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی یہی طریقہ ہے، کہ وہ اپنی نبوت کے احقاق و اثبات میں بناوٹ، تکلف اور استعارہ و کنایہ کا راستہ نہیں اختیار کرتے، بلکہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے گراں قدر اور اہم نتائج پیدا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تو صحافت کا وجود تھا، نہ لاسلکی کی طاقت انسانوں کے قابو میں آئی تھی، اور نہ آواز کو بلند کرنے اور پھیلانے والے آلات ایجاد ہوئے تھے، ایسے وقت میں وادی مکہ کے بسنے والوں کو ایک جگہ متعین وقت میں جمع کرنے کا کیا ذریعہ ہو سکتا تھا؟ کس طرح

ان کے دل و دماغ پر اتنا اثر ڈالا جاسکتا تھا کہ وہ اپنی کھپیوں ہاتھ پیچ لیتے اور بھاگتے ہوئے سب کے سب آپ کی طرف چلے آتے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب قوم ہی کے ایک فرد تھے، آپ عربوں کی عادتوں اور ان کے رسم و رواج سے خوب واقف تھے، آپ یہ بھی جانتے تھے کہ ان رسوم کا ان کی طبیعتوں اور ان کے معاشرہ میں کتنا گہرا اثر ہے؟ اس دشوار اور نازک کام میں بھی آپ نے اس سے مدد لی۔

عربوں کی عادت تھی کہ جب ان کا کوئی فرد کوئی خطرہ محسوس کرتا یا تنگ قوم پر کسی دشمن کے حملہ کا خوف ہوتا یا کوئی دشمن گھات میں لگا ہوتا اور شہر والے اس سے غافل ہوتے تو وہ کسی پہاڑی کی چوٹی یا کسی ٹیلہ پر چڑھ جاتا اور بلند آواز سے پکارتا "یا صبا حاہ" (خطرہ خطرہ) "یا صبا حاہ" (دشمن دشمن) پوری قوم یہ آواز سنتے ہی گھبرا جاتی، مسلحہ سنبھالتی اور خطرہ یا دشمن کا مقابلہ کرنے کو ڈپڑتی، لیکن۔۔۔ وہ کونسا خطرہ تھا، جو عام طور پر ان کو پریشان کر دیتا، اور ان کے آرام و راحت کو سلب کر لیتا؟ وہ صرف ایک تھا۔ دشمن۔۔۔ جس کا لشکر ان کی ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ان کا مال و اسباب لوٹ لیتا، اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو ہکالے جاتا، اور ان کو نقصان پہنچاتا، قبائلی و صحرائی زندگی میں اسی ایک خطرہ سے وہ آشنا تھے، اور جب یہ الفاظ بولے جاتے تو ان کے وہی ایک معنی سمجھتے تھے۔

یہ خطرات اور نقصانات، اپنی واقعیت اور اہمیت کے باوجود، انبیاء کرام کی نظروں میں سرچ ہیں، جو اس کائنات کے پیدا کرنے والے اور اس کو چلانے والے کی ذات اس کی صفات اور اس کے حقوق سے جہالت کے خطرہ کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں، اور اس جاہلی زندگی کی زندگی سے بھی باخبر ہوتے ہیں، جو اس زمانہ میں مکہ والوں کی تھی، اور اس جاہلی معاشرہ میں پھیلے ہوئے گناہوں اور فاسد اخلاق کے نقصانات سے بھی واقف ہوتے ہیں، "اس زمانہ کے لوگ بت پوجتے،

مردار کھاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، قطع رحمی کرتے، پڑوسیوں کو پریشان کرتے، اور طاقت والے کمزوروں کو پامال کر دیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دشمن کہیں باہر نہیں وہ ان کے دل و دماغ، ان کے عقائد و اخلاق میں پرورش پا رہا ہے، وہ باہر کے تمام دشمنوں سے زیادہ حضرت رساں اور خطرناک ہے، خطرہ کا یہ سرچشمہ جو ان کی اپنی ذات اور ان کے اندرون سے نکلا ہے، ان تمام خطرات سے بڑا اور اہم ہے، جن سے ان کو جاہلیت کی طویل زندگی میں سابقہ بڑا تھا، یا جن سے وہ عرب کی قبائلی زندگی میں دوچار ہوئے تھے، ان کی نفسوں کی دشمنی، ہر دشمن قبیلہ یا جنگ آزمائش کی دشمنی سے زیادہ سخت تھی، ان کی زندگی کے اطوار، قدرت و غلبہ والے خدا کی آتش غضب کو بھڑکانے والے تھے، جو نہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند کرتا ہے، نہ روئے زمین پر فساد چاہتا ہے۔

کوہ صفا پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو کوہ صفا پر تشریف لے گئے، جو مکہ کی قریبی پہاڑی تھی، اور بلند آواز سے ندا دی، "یا صبا حاہ، یا صبا حاہ" اس وادی کے بسنے والوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی، کہ انتہائی سنجیدہ اور خطرناک موقع ہی پر یہ آواز بلند کی جاتی ہے، اور عام طور پر اس میں غلط بیانی، فریب دہی، یا مذاق سے کام نہیں لیا جاتا، مکہ والوں نے یہ مشہور و معروف آواز سنی، جو ان کے شہر کے سب سے آدمی کے منہ سے نکل رہی تھی، جس کا انھوں نے "صادق" اور "امین" نام ہی رکھ دیا تھا، وہ اس آواز کا مطلب خوب سمجھتے تھے، ان کے سامنے تجربات اور حادثات کا طویل سلسلہ تھا،

لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں جاہلی معاشرہ کی یہ صحیح ترین تصویر حضرت جعفر بن ابی طالب کی تقریر سے اخذ ہے، جو انھوں نے شاہ حبش نجاشی کے دربار میں کی تھی۔

انہوں نے اس آواز کی طرف بڑھنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور لوگ جمع ہو گئے، کچھ خود آئے، کچھ نے اپنے نمائندے بھیج دیے۔

جب لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب فرمایا، اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی کعب! تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سواروں کا ایک لشکر چھپا ہوا ہے، اور تم پر بے خبری میں حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری اس بات کو باور کرو گے؟ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو مخاطب کیا تھا، اور جن سے یہ سوال کیا تھا، وہ ”مناواندہ“ اور غیر ترقی یافتہ“ تھے، انہوں نے فلسفہ و منطق نہیں پڑھا تھا، نہ بال کی کھال نکالنے کے عادی تھے، بلکہ (جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں) حقیقت پسند اور علی لوگ تھے، ان کو اللہ نے سلامت فہم اور عقل عام (COMMON SENSE) کا وافر حصہ عنایت فرمایا تھا، انہوں نے موقع و محل کا جائزہ لیا اور جس مقام پر خطیب کھڑا تھا، اس کی طبعی ساخت کو دیکھا۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی سچائی، امانت، اخلاص اور خیر خواہی کا بار بار تجربہ کر چکے تھے، ایک پہاڑی پر کھڑا ہے، وہ سامنے بھی دیکھ رہا ہے، جس میں اس کے مخاطبین بھی، اس کے ساتھ ہیں، اور ساتھ ہی وہ پہاڑ کے عقب کی جانب دوسری طرف بھی دیکھ رہا ہے، جہاں سامنے پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہونے والوں کی نظر نہیں پہنچتی، لوگ بغیر کسی شک و رادفی تا مل کے سمجھ گئے کہ جو شخص اس پوزیشن میں ہے، اس کو حق حاصل ہے کہ پہاڑ کے دوسری طرف چھپے ہوئے دشمن یا خطرہ کی خبر دے اور جن لوگوں کے سامنے پہاڑ حائل ہے، ان کو یہ حق نہیں کہ اسے جھٹلا دیں اور اس کی خبر کو صرف اس بنیاد پر رد کریں کہ اس مشاہدہ میں وہ لوگ خطیب کے ساتھ شامل نہیں ہیں، کیونکہ یہ سچ میں حائل ہونے والے پہاڑ نے ان کی حالت اور خطیب کی حالت میں فرق کر دیا ہے، اور پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے خطیب کو دوسری طرف

دیکھنے اور گواہی دینے کا موقع دیا ہے، جو ان لوگوں کو حاصل نہیں۔

عرب منصف تھے، بہادر اور سچے تھے، انھوں نے کہہ دیا: ہاں ہم ایسی اطلاع کی تردید نہیں کر سکتے، ہمیں اس کو باور کرنا ہوگا۔

نبوت کی حکیمانہ تمثیل

نبوت کی اس عظیم مثال وہی حکمت کے ذریعہ اور اس عربی فصاحت و بلاغت کی مدد سے جس کا آپ کو حصہ وافر عطا ہوا تھا، آپ نے ان کے سامنے نبوت اور انبیاء کے بے مثل اور نازک مقام کی تصویر کھینچ دی اور ان کی ممتاز حیثیت کو واضح کر دیا جس وجہ سے وہ ایسے عالم کا مشاہدہ کرتے ہیں، جس کا مشاہدہ ان کے زمانہ کے ان ہی جیسے دوسرے انسان نہیں کر سکتے، اور ایسے امور و حوادث کی خبر دیتے ہیں، جس کی شہادت دوسرے مصلحین اور زعماء نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ نبوت کے بلند پایہ کی چوٹی پر کھڑے ہوتے ہیں، انسان ہونے کی حیثیت سے اور احساسات کی پاکیزگی کا وفطرت کی سلامتی کی وجہ سے وہ محسوس دنیا کو اسی طرح دیکھتے ہیں، جیسے سب صبح احواس اور صبح الدماغ انسان، لیکن اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نبوت (اور اللہ کی مرضی کے مطابق)، عالم غیب سے تعلق کی وجہ سے عالم نبوت اور غیبی حقائق کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ

کمد و کمین تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں البتہ میری طرف وحی آتی ہے۔

کسی ذہین سے ذہین انسان بہت بڑے عالم، یا بہت بڑے عقلمند کے لئے یہ ممکن نہیں کہ ان کو جھٹلا دے، اور ان کے مشاہدات کا انکار کر دے، کیونکہ وہ انبیاء کے ساتھ ان کے اس مشاہدہ میں

شریک نہیں، جن چیزوں کو انبیاء دیکھتے ہیں، وہ نہیں دیکھتا جس طرح پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہونے والے انسان کے لئے کسی صورت میں یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے انسان کو جھٹلا دے اور پہاڑ کے پیچھے کی خبروں اور چوٹی کے اوٹ کے حادثات کا انکار کر دے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی حواس ظاہری کی طلسمات کا گرفتاران سے جھگڑتا اور جوت باز کرتا ہے تو وہ تعجب کا اظہار کرتے ہیں، اور پوری قوت و اعتماد سے کہتے ہیں۔

أَتُحِبُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِي ۖ
تم مجھ سے خدا کے بارے میں کیا بحث کرتے ہو

اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔

عرب کے یہ جاہل اس ابتدائی مرحلہ میں فلاسفہ اور حکماء سے زیادہ عقلمند ثابت ہوئے جنہوں نے صرف اس بنا پر انبیاء و رسل کی خبروں کو جھٹلا دیا، اور حقائق کا انکار کر دیا کہ خود انھوں نے ان امور کا مشاہدہ نہیں کیا تھا، اور ان کو یہ باتیں معلوم نہیں تھیں۔

بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُذَّابًا ۖ
حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں
يَا أَهْلَ قَوْمِ ثَوِيلَةَ ۖ
پاسکے اس کو نادانی سے جھٹلادیا انھیں بھی اس کی حقیقت

ان پر کھلی ہی نہیں۔

اور جب یہ فطری، عقلی، اور ضروری مرحلے ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے عزم و یقین کے ساتھ قدم آگے بڑھایا اور دوسرے اور آخری مرحلہ میں داخل ہوئے اور فرمایا: ”فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنِي وَبَيْنَ عَذَابٍ شَدِيدٍ“ (میں تم کو ایک آنے والے سخت عذاب سے ڈرا رہا ہوں) آپ نے ان کو اس حقیقی اور مستقل خطرہ سے ڈرایا جو ان کے طرقتی حیات کا، جس کے مطابق وہ زندگی گزار رہے تھے، ان عقائد کا، جن کا وہ اعتقاد رکھتے تھے، ان بتوں کا جن کے وہ شیدائی تھے،

جاہلی اور فاسد اخلاق و عادات کا جن کو وہ دانتوں سے پکڑے ہوئے تھے، اور مختصر الفاظ میں انتہائی
جہالت کا جس میں وہ زندگی گزار رہے تھے، طبعی تقاضا تھا جس میں نہ ایمان تھا نہ علم نہ انصاف
تھا نہ خدا ترسی، اور اس زندگی کا فطری انجام ہے، معاشرہ میں ہمہ گیر فساد، زندگی میں تنگی اور
پریشانی، قلبی اضطراب اور داخلی عذاب۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضُ الَّذِي
عَمِلُوا وَالْعَلَّاهُمْ يَرْجِعُونَ ۝
خشکی اور تہی مٹی
لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا
ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ
وہ باز آجائیں۔

وَلَنَذِيقَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الَّذِي
دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝
اور ہم ان کو قیامت کے بڑے عذاب کے سوا عذاب دینا
کا بھی مزہ چکھائیں گے شاید ہماری طرف لوٹ آئیں۔
اور اس زندگی کے بعد ہمیشہ کا عذاب ہے جس کے سامنے سارے عذاب اور ہر قسم کی
تکلیفات ہیچ وبے قیمت ہیں۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۝
وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى ۝
اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے۔
اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر پہنچنے والا ہے۔
اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے۔

علماء اور محققین نے دواؤں کے خواص دریافت کئے ہیں، مختلف اشیاء کی طبائع اور
ہر چیز میں چھپی ہوئی قوت کو معلوم کر کے معلومات کا قیمتی خزانہ جمع کر دیا ہے، لوگوں نے ان سے فائدہ
اٹھایا اور جمع کرنے والوں کی محنت و سعی اور فضل و کمال کا اعتراف کیا اور ان کو خراج تحسین ادا کیا،
لیکن اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے احکام، اس کی مرضیات اور عقائد اعمال کی خاصیات

اور صحیح و غلط، اچھے اور برے اخلاق کے نتائج کا علم، آخرت میں نیک و بد ثواب و عذاب و جنت و جہنم کی معرفت کا، انبیائے کرام و اہل حشر و شیعہ اور ذریعہ علم ہیں، اس زندگی کے بعد کے حالات اور اس عالم میں ہونے والے حشر و نشر، انعام و عذاب اور نعمت و نعمت کے علم کے لئے اللہ نے اپنی مرضی کے مطابق انبیائے کرام کو مخصوص فرمایا ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ
أَحَدًا إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ لَهُ
وہی غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کے
ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔

انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) نبوت کے پہاڑ پر کھڑے ہوتے ہیں اور اس عالم کو بھی دیکھتے ہیں اور عالم غیب کو بھی اور انسانیت اور اس کی تہذیب و تمدن پر مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں شب و نوح مارنے والوں کی خبر دیتے ہیں، چھپے ہوئے خطرات و نقصانات سے آگاہ کرتے ہیں، اور شفقت، محبت، مہربانی اور اخلاص کے ساتھ اپنی قوم کو ڈراتے ہیں، اور جب کوئی ان کے اس فطری اور عقلی حق کا انکار کرتا ہے، اس بدیہی چین میں شک کرتا ہے، یا ان کی بلند حیثیت اور اعتماد کو چیلنج کرتا ہے تو وہ نصیحت و اخلاص اور رنج و الم کے ساتھ کہتے ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِحَلٰلَتِكُمْ لَنَفْسِكُمْ
مَتَنِّیْ وَفُؤَادِیْ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَٰلِحِكُمْ
مِّنْ حِجۡتٍ ؕ اِنَّ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمۡ بَلٰی
یَدۡحٰی عَذَابٍ شَدِیۡدٍ ؕ
کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ
تم خدا کے لئے دُودھ اور کیلے کیلے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور
کرو، تمہارے رفیق کو سودا نہیں، وہ تم کو عذاب سخت
آنے سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔

ہدایت کا واحد ذریعہ

اور اسی وجہ سے قرآن بار بار زور دیتا ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی حقیقی صفات کی

نشانہ ہی کرنے والے صرف انبیاء کرام ہی ہیں اور وہی اللہ کی صحیح معرفت کا جس میں نہ جہالت و گمراہی کا شائبہ ہو، نہ غلط فہمی یا غیر مناسب انداز بیان کا شبہ، واحد وسیلہ ہیں اور ان کے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے وہ معرفت حاصل ہو بھی نہیں سکتی، نہ تنہا عقل رہنمائی کر سکتی ہے نہ ذہن کی تیزی و ذکاوت کافی ہو سکتی ہے، نہ فطرت کی سلامتی اس کا ذریعہ بن سکتی ہے، نہ ذہن کی بلند پروازی کی وہاں گزر ہے، نہ عقل و خرد کی کاوشیں اس تک پہنچ سکتی ہیں نہ تجربات کا خزانہ ہی مدد کا ثابت ہو سکتا ہے، اللہ نے اسی حقیقت کا اظہار اہل جنت کی زبانی کیا ہے، جو سچے بھی ہیں اور صاحب تجربہ بھی، اور یہ موقع بھی ایسا ہے کہ وہاں غلط بیانی اور مبالغہ آمیزی کا کوئی گزر نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰۤا اَنَا لِهٰذَا وَاَمَّا
کُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْ کَانَ اَنْتَ هَدٰۤا اَنَا اِلٰهًا
خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو یہاں کا رستہ دکھایا اور اگر
خدا ہم کو رستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پاسکتے۔

اور اس اعتراف و اقرار کے ساتھ ہی وہ انبیاء کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہی معرفت صحیح کا ذریعہ اور اس راستہ کے رہنما تھے، جو اس منزل تک پہنچاتا ہے۔

لَقَدْ جَاوَزَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی بعثت ہی کی وجہ سے
ان کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کریں اور اس کی مرضی اور اس کے احکام معلوم کریں اور
ان پر عمل پیرا ہوں۔ اور اسی کے نتیجہ میں جنت میں داخلہ ممکن ہوا۔

ماورائے عقل و جو اس حقائق کی دریافت کے بائے میں انسانوں کی عقلی و باطنی قوتیں جتنی ہیں
کمزور اور محدود اور ناقابل اعتماد ہیں، نامناسب نہ ہو گا کہ اس سلسلے میں ہم ان عارفین و محققین کی
شہادتیں اور تجربات بھی سنتے جائیں، جو عقل و قلب دونوں کو چوں سے نہ صرف آشنا بلکہ دونوں کو محرم اسرار تھے

حضرت شیخ احمد سرہندی معروف بہ مجدد الف ثانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے اپنے محققانہ تہجد میں اس مضمون کو بار بار دہرایا ہے کہ عقل انسانی انبیاء علیہم السلام کی مدد و رہنمائی کے بغیر صالح عالم کا اثبات نہ کر سکتی ہے اور اس کے وجود کو ضروری قرار دے سکتی ہے لیکن اس کی ذات و صفات کی صحیح فہم اور تقدیس و تنزیہ اور توحید صحیح کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

”ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات

انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرکار راستہ پانے سے عاجز ہے۔“

فلسفہ، اشراق، اور مذاہب کی تاریخ بھی اس کی پوری طور پر تائید کرتی ہے کہ محض عقل و استدلال یا فلسفہ و اشراق پر تکیہ کرنے والوں نے خدا کی معرفت اور اس کے لئے صحیح صفات ثابت کرنے، اور صحیح افعال کی نسبت کرنے میں کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور کن کن گمراہیوں اور نادانیوں میں مبتلا ہوئے ہیں، مجدد صاحبؒ اپنے مکتوبات میں ثابت کرتے ہیں کہ جس طرح عقل کا مرتبہ جو اسے ماوراء ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے، اور کسی چیز کے مخالف عقل اور ورائے عقل ہونے میں بڑا فرق ہے خدا کی تنزیہ کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے انھوں نے معرفت الہی میں عقل و یونان کی بے عقلیوں کے نمونے پیش کئے ہیں جن پر عقل بھی انگشت بندھا ہے اسی طرح اہل اشراق اور صفائی نفس کے مدعیوں کی بواجمعیوں کا بھی عبرت ناک نقشہ کھینچا ہے۔

اسی طرح انھوں نے دوسرے مکتوب ۲۶۶ بنام خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبداللہ فرزند ان حضرت خواجہ باقی باللہؒ میں بڑی تفصیل سے وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ پیغمبروں کی بعثت اللہ کی ذات و صفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے، اور یہ کہ عقل و کشف دونوں کا خالص اوّلیٰ بے آمیز ہونا ممکن نہیں، وہ جسم عنصری کے اثرات، قوت و اہمہ کے تخیلات، ردائل اخلاق اور تہذیبی کمزوریوں

۲۶۳ لے مکتوب ۲۶۳ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب مذہب و تمدن ۳۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ان کا طویل مکتوب ۲۶۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

سے کلمہ مبارک اور آزاد نہیں ہو سکتے، اس کے فیصلے اور اس کے اخذ کئے ہوئے نتائج و احکام اور علوم و معارف ان کمزوریوں کے رنگ میں رنگ کر اور ان کا اثر قبول کر کے ظاہر ہوتے ہیں، ان میں اکثر ان مقدمات کی کارفرمائی ہوتی ہے، جو اس کے نزدیک سلم اور بدیہی اور حقیقتاً اختلاف واقع اور فرضی ہوتے ہیں، ان صحیح اور غیر صحیح مقدمات میں تمیز کرنا، اس کے اپنے ذاتی رجحان کی بنا پر ناممکن ہوتا ہے، ان کے مکاتیب اس طرح کے معارف و حقائق سے چر نہیں، اور اس سلسلہ میں ان کا مطالعہ نہایت مفید اور ایمان افروز ہے۔

اللہ نے قرآن کی ایک عظیم الشان سورہ سورہ الصفت (جس میں مشرکین کی گمراہیوں کی بد اعتقادی اور الشریکوں کی طرف ان امور کی نسبت کی تردید کی ہے، جو ذات باری کے شایان شان نہیں ہیں) کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ
وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

یہ تینوں آیتیں ایک طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں، جو ایک دوسرے سے پیوست ہیں، کیونکہ جب اللہ نے اپنی ذات کو مشرکین کی لغو اور بیہودہ باتوں سے منزہ فرمایا تو انبیاء کرام کا بھی ذکر کیا، جنہوں نے خدا کی کامل تنزیہ و تقدیس کو اجاگر کیا، اور اللہ کے صحیح اوصاف بیان کئے، اللہ نے ان پر سلام بھیجا، اور ان کی تعریف کی کیونکہ مخلوق سے خالق کے صحیح تعارف اور خالق کے صحیح صفات سے روشناس کرنے کا سہرا انھیں کے سر ہے، اور ان کی بعثت مخلوق پر احسان، انسانوں کے لئے نعمت اور اللہ کی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا تقاضا ہے، اس لئے اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:-
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اور اسی تعریفیں اللہ کی کو سزاوازی جو رب جلال ہے

حضرت مجدد العتباتیؒ اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "انبیاء بہترین موجودات ہیں اور بہترین دولت ان کے سپرد کی گئی، اولیاء کی انتہا انبیاء کی ابتداء ہے نہ کہ عکس، نبوت کی پیروی میں قرب بالقرائن حاصل ہوتا ہے، کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے"۔

انبیاء اور نبوت کی فضیلت کے بارہ میں انھوں نے اور ان کے ایک پیشرو و معارف مخدوم الملک شیخ مشرف الدین یحییٰ سنیریؒ نے اپنے مکاتیب میں بڑے بلند معارف و حقائق کا اظہار فرمایا ہے۔ مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ "ولایت میں سینہ کی تنگی کی وجہ سے مخلوق کی طرف پوری توجہ نہیں ہو سکتی (اس لئے ان سے وہ ہدایت اور نفع عام نہیں ہوتا جو انبیاء سے ہوتا ہے) اور نبوت میں سینہ کی انتہائی فراخی اور کشائش کی وجہ سے نہ توجہ حق، توجہ خلق سے مانع ہوتی ہے اور نہ توجہ خلق، توجہ حق میں حائل ہوتی ہے"۔

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء کی ایک سائنس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے، انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی و پاکیزگی، اور قرب خداوندی میں اولیائے کرام کے دل اور ان کے سر اور اراو نیاز کے برابر ہے، ان کے جسم کو وہاں لے جاتے ہیں، جہاں دوسرے کا راز و نیاز پہنچ سکتا ہے۔

فلسفہ یونان کی ناکامی کا راز

یہی وجہ ہے کہ جو بھی انبیاء کے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اللہ کی ذات و صفات اور اسماء حسنی کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اس دنیا سے اللہ کے تعلق اور اس تعلق کی حقیقت، اللہ کی قدرت، اس کے احکام، اور اس دنیا میں ان احکام کے اثرات کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے لئے اپنی عقل، اپنے علم، اپنی ذہانت و ذکاوت، کسی علم و ہنر سے

واقفیت بعض کوششوں میں کامیابی اور علمی میدان میں معمولی یا عظیم الشان کارناموں پر اعتماد کرتا ہے اس کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے، اور سولے سرگردانی اور گمراہی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور ان پر اثر کا یہ فرمان صادق آتا ہے۔

ہَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ جِئْتُمْ فِيْهَا لَكُمْ
بِمِ عِلْمٍ فَلِمَ تُخَاجِرُونَ فِيْهَا النَّاسَ لَكُمْ بِهِ
عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

تم لو کہ جھگڑ چکے جس میں تم کو کچھ خبر تھی اب کیوں
جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں، اللہ
جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ہو۔

یونان کے قدیم الہیاتی فلسفہ اور اس کے مفکرین اور ماہرین کی ناکامی اور گمراہی کا یہی
راز ہے ان کی بے نظیر ذکاوت و فطانت ان کے علمی و ادبی شاہکاران کی باکمال اور سحر انگیز شاعری
بڑے بڑے رزم ناموں اور ریاضی، ہندسہ، اقلیدس، طبیعیات، نجوم اور فلکیات کی مہارتوں
ان کو دھوکہ میں ڈال دیا، اور انھوں نے سمجھا کہ ابعد الطبیعیات اور الہیات میں بھی وہ اسی طرح
کامیاب رہیں گے، چنانچہ انھوں نے الہیات کے مسائل اور خدا کی ذات اور اس کی صفات کے
موضوع پر بھی طبع آزمائی کی۔

لیکن اس دماغ سوزی کا جو نتیجہ انھوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ بوالعجبیوں
کا ایک مرتع، داناؤں کی نادانی کا ایک شاہکار اور باہم متضاد و مختلف اقوال و آراء اور قیاسات
اور، ہاوی کا مجموعہ ہے، حجتہ الاسلام امام غزالیؒ نے اس پر بالکل صحیح تبصرہ فرمایا ہے۔

”تہ بہ تہ تاریکیاں ہی تاریکیاں، اگر کوئی انسان اس طرح کا اپنا خواب بیان کرے تو

اس کو سوہ مزاج کا نتیجہ قرار دیا جائے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح کی چیزوں سے ایک دیوانہ بھی کیسے مطمئن ہو سکتا ہے اور کہاں یہ عقلا جو بزم خود ہال کی کھان نکالتے ہیں؟“

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فلاسفہ اور حکماء کے اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”ارباب عقل ان لوگوں کے کلام پر غور کریں، جن کو اپنی عقل اور تحقیق کا اتنا غرور ہے کہ انبیاء کے کلام کی بتائی ہوئی باتوں کو ٹھکرادیتے ہیں، اپنی حکمت کی انتہا اور فلسفہ کے اعلیٰ معیار پر بھی دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں اور ثابت شدہ متعین حق کو اپنی پرفریب اور شکوک میں مبتلا کرنے والی باتوں سے رد کردیتے ہیں، اور واضح اور مشہور باطل کو قبول کر لیتے ہیں؟“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”النبیاء کے بارہ میں جب معلم اول (ارسطو) کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ اضطراب اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفہ یونان سے بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور نا آشنا نہیں تھا، وہ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ یونان کی انبیاء کا پیغمبروں کے علوم و تعلیمات سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں، اس کو یہ بات ایسی ہی نظر آتی ہے، جیسے کوئی لوہاروں کا فرشتوں سے یا گاؤں کے زمینداروں کا شاہ عالم سے مقابلہ کرنے لگے۔“

مجدد الفتن ثانیؒ حضرت شیخ احمد فاروقیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

”عقل اگر اس سلسلہ میں کافی ہوتی تو فلاسفہ یونان جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدی

بنایا تھا، مگر ابھی کے بیابان میں نہ بھٹکتے اور حق تعالیٰ کو، اور دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص ہی لوگ ہیں کہ انھوں نے حق سبحانہ کو بیکار اور معطل سمجھ لیا ہے۔

پھر ان کے عجیب و غریب اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں۔

”عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکماؤں و ناناں) کو حکما کے لقب سے یاد کرتا ہے، اور حکمت کی طرف ان کو منسوب کرتا ہے ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً الہیات میں (جو مقصد اعلیٰ ہے) غلط ہیں، اور کتاب و سنت کے مخالف، حکما ان کو لقب دینا، جن کا سرمایہ جہل مرکب ہے، آخر کس لحاظ سے ہے؟ ہاں طنز و مذاق کے طور پر ہو سکتا ہے، یا اس طرح جس طرح نابینا کو بینا کہا جائے۔“
انھیں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آتا ہے۔

اَشْهَدُ وَاَخْلَقْتَهُمْ سَخَّلْتُبَشَّادَتِهِمْ
وَيَسْئَلُونَ^{۱۲}
مَا اَشْهَدْتَهُمْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْاَرْضِ وَلَا خَلَقَ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
كُنْتُ مُتَّخِذًا الْمُضِلِّينَ عَصْدًا^{۱۳}
کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے عنقریب ان کی
شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔
میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے
کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت
اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔

عہد اسلامی کے فلسفہ کی لغزش

افسوس کہ ہمارا اسلامی فلسفہ (علم کلام) جو یونان کے ملحدانہ فلسفہ کا مقابلہ کرنے کے لئے

عالم وجود میں آیا تھا، وہ بھی اسی رحمان سے متاثر ہو گیا، اور ایسے مسائل میں تفصیلی بحثیں کی گئیں جن کے نہ قواعد و مبادی انسانوں کو معلوم تھے، نہ وہ ان کے مقدمات کا صحیح علم رکھتے تھے، اس میں بھی وہی بے قابو فلسفیانہ روح سرایت کر گئی جو اپنی قدر و قیمت نہیں پہچانتی اور حدود سے تجاوز کر جاتی ہے، یہاں بھی ذات باری سے متعلق مسائل اور اسرار و صفات کی تاویل میں وہی باریکیاں اور بال کی کھال نکالنے کی کوشش نظر آتی ہے اور لوگوں نے ان مسائل میں اتنی تفصیل سے کام لیا، اور ایسا تجربہ اور ایسی تشریح کی ہے، جیسے وہ کسی سائنسی تجربہ گاہ (LABORATORY) میں کھڑے ہوں، اور تمام اجزاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ تعالیٰ اِحدَہُ عَن ذَٰلِکَ۔

انبیائے کرام کا امتیاز

انبیائے کرام (صلوات اللہ علیہم) کا اس حیات بخش علم میں کوئی سہیم و شریک نہیں، جس کے بغیر نہ انسانوں کو سعادت حاصل ہو سکتی ہے، نہ نجات مل سکتی ہے، وہ علم جس کی روشنی میں انسان اپنے خالق اور اس کائنات کو وجود بخشنے والی ذات، اس کی اعلیٰ صفات اور اس کے اور بنڈن کے باہمی تعلق کی نوعیت معلوم کرتا ہے، اسی کی روشنی میں انسان کی ابتدا اور اس کی انتہا معلوم ہوتی ہے، اور اس دنیا میں اس کا مقام اور رب کے مقابل میں انسان کا موقف متعین ہوتا ہے، اور اللہ کو راضی کرنے کا غصہ دلانے اور آخرت میں انسان کو خوش نصیب و کامران یا ناکام و نامراد بنانے والے امور و اعمال اور انسان کے حقائق، اعمال اور اخلاق و عادات کے خواص، ان کی جزا و سزا اور انسانوں سے صادر ہونے والے اقوال، اعمال اور اعتقادات کے نتیجے میں ملنے والے ثواب یا عذاب اور طویل مدت تکثر انداز ہونے والے اہم نتائج کی نشاندہی ہوتی ہے، اور یہی وہ علم ہے جس کو علم النجاة کہا جاسکتا ہے۔

انبیاء کرام ارفع واعلیٰ صلاحتوں، احساس کی لطافت و نزاکت اور فطری ذہانت و ذکاوت کے مالک ہونے کے باوجود اپنے زمانہ کے مروجہ اور عام علوم میں دخل نہیں دیتے، نہ ان علوم و فنون میں اپنے کمال یا اپنی مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ وہ تمام چیزوں سے بالکل الگ صرف اس فریضہ کی ادائیگی اور اسی خدمت کے انجام دینے میں مشغول رہتے ہیں، جن کے لئے وہ مبعوث کئے گئے ہیں، جن کے مامور بنائے گئے ہیں، اور جن پر انسان کی شقاوت و سعادت کا دار و مدار ہے، وہ انہیں علوم کو دوسروں تک پہنچانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام

مہذب اور ترقی یافتہ قومیں جو اپنے اپنے زمانہ میں، تہذیب و ثقافت، ذہانت اور علمی ایجادات میں بلند ترین معیار پر پہنچی ہوئی تھیں وہ بھی انبیاء کرام کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے مخصوص علم کی اتنی ہی ضرورت مند تھیں جتنا کہ دریا میں ڈوبنے والا سہارے کے لئے کسی نشی کا محتاج ہوتا ہے یا زندگی سے مایوس مریض کو اکسیر دوا کی ضرورت ہوتی ہے، ان ترقی یافتہ قوموں کے افراد اس مخصوص اور ضروری علم کے اعتبار سے (دوسرے علوم یا تہذیب و تمدن میں جتنے بھی آگے رہے ہوں) طفل شیر خوار، جاہل محض اور تہی دست و بے بضاعت تھے، اور انھوں نے اپنی علمی کامیابیوں اور تمدنی ترقیات کے باوجود جب اس علم کو رد کر دیا اور اس کا مذاق اڑایا، تو انھوں نے اپنے لئے اور اپنے قوم و معاشرہ کے لئے تباہی و ہلاکت کو دعوت دی، متعدد ترقی یافتہ اور متمدن قومیں جو علم و ادب کے بیش بہا خزانوں سے مالا مال تھیں اور ذکاوت و عمق پرستی میں جن کی مثال دی جاتی تھی، اس انکار، تکبر، غرور، خود پرستی اور اپنے عام اور صنعتوں پر فخر کا شکار ہو چکی ہیں، اپنے زمانہ کے نبی کی لائی ہوئی تعلیمات کو انھوں نے حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا، اس سے بے نیازی برتی،

اس کو بیکار اور بے قیمت سمجھا، تو وہ اسی غرور ہی کی نذر ہو گئیں، اور وہ حماقت جو اعلیٰ ذہانت نظر آتی تھی، وہ تنگ نظری جس کو اس وقت دور اندیشی اور حقیقت شناسی کہا جاتا تھا، ان کو بے ڈوبی اور انھوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھ لیا۔

انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل

انبیاء کرام (علیہم السلام) کے علم اور دوسرے علماء اور حکماء کے علوم و فنون کا واضح فرق ایک کہانی سے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے، آپ لوگوں نے اسے سنا تو ضرور ہوگا، لیکن شاید اس طرح اس فرق پر منطقی نہ کیا ہوگا، اور نہ یہ بلیغ حکمت معلوم کی ہوگی اور معاف کیجئے گا یہ کہانی آپ ہی لوگوں یعنی طلبہ ہی کے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

”راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلبہ تفریح کے لئے ایک شہر پر سوار ہوئے، طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی اور کام کچھ نہ تھا، یہ نوعمر طلبہ خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے، جاہل ملاح دھپ کا اچھا ذریعہ، اور فقرے بازی، مذاق و تفریح طبع کے لئے نہایت موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز و طرار صاحبزادہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا، ”چچا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟“

ملاح نے جواب دیا، ”میاں میں کچھ پڑھا لکھا نہیں۔“

صاحبزادہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، ”اے آپنے سائنس نہیں پڑھی؟“

ملاح نے کہا، ”میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔“

دوسرے صاحبزادہ بولے، ”اقلیدس اور اکیبر تو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟“

ملاح نے کہا، ”حضور یہ نام میرے لئے بالکل نئے ہیں۔“

اب تیسرے صاحبزادہ نے شوشہ چھوڑا، مگر آپ نے جغرافیہ اور تاریخ تو پڑھی
ہی ہوگی؟

ملاح نے جواب دیا، ”سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟“
ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے، اور انھوں نے قہقہہ لگایا۔
پھر انھوں نے پوچھا، ”چچا میاں تمہاری عمر کیا ہوگی؟“
ملاح نے بتلایا، ”یہی کوئی چالیس سال“ لڑکوں نے کہا، ”آپ نے اپنی آدمی عمر
برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں؟“ ملاح بیچارہ خفیف ہو کر رہ گیا، اور چپ سا دھڑلے۔
قدرت کا تماشا دیکھنے، کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آگیا، موجیں
منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں، اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اب
ڈوبی تب ڈوبی، دریا کے سفر کا لوگوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے
چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اب جاہل ملاح کی باری آئی، اس نے بڑی سنجیدگی سے
منہ بنا کر پوچھا، ”بھیا، تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟“

لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے، اور کالج یا مدرسہ میں
پڑھے ہوئے علوم کی ایسی فہرست گنتانی شروع کر دی اور جب بھاری بھر کم اور عربی
نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا، ”ٹھیک ہے یہ سب تو پڑھا، لیکن کیا
پیر الکی بھی سیکھی ہے؟ اگر خدا نخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارہ کیسے پہنچ سکو گے؟“
لڑکوں میں کوئی بھی پیر نام نہیں جانتا تھا، انھوں نے بہت افسوس کے ساتھ
جواب دیا، ”چچا جان! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں سیکھ سکے۔“

لڑکوں کا جواب سن کر ملاح زور سے ہنسا، اور کہا، ”میاں میں نے تو اپنی آدمی عمر

کھوئی مگر تم نے تو پوری عمر ڈبوی اس لئے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا
کچھ کام نہ آئے گا، آج پیر کی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے اور وہ تم جانتے
ہی نہیں؟

ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کرنے اور تہذیب و تمدن کے بلند معیار پر پہنچنے والی تمام قوموں کی
یہی حالت ہے، خواہ وہ علم و ادب کے دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہی کیوں نہ رہی ہوں،
یا انسانوں کے تمام علوم، حکمتوں، ایجادات اور اس وسیع دنیا میں چھپے ہوئے خزانوں کے کشف و کشف
میں پوری دنیا کی امام ہی کیوں نہ رہی ہوں، لیکن وہ اس علم سے ناواقف تھیں جس سے اللہ کی معرفت
حاصل ہوتی ہے، جس کے ذریعہ خالق تک پہنچا جاسکتا ہے جس کے سہارے ساحل مقصود تک رسائی
اور طوفان سے نجات کا حصول ممکن ہے، جو اعمال اور میلانات کو درست رکھتا، خواہشات اور
شہوات کو قابو میں کرتا ہے، اخلاق کو صاف اور نفس کو مہذب بناتا ہے، برائیوں سے روکتا اور
بھلائیوں پر ابھارتا ہے، ولی میں اللہ کا خوف اور خشیت پیدا کرتا ہے، اور جس کے بغیر نہ معاشرہ
کی اصلاح ہو سکتی ہے، نہ تہذیب و تمدن کی حفاظت، جو انسان کو انجام کی فکر اور آخرت کے لئے
تیار کرنا پڑا کرتا ہے، انسانیت اور خود پرستی کے جذبات فرو کرتا ہے، دنیا کی حقیر چیزوں کی
حرص و ہوس سے آزادی دلاتا ہے، احتیاط اور توازن کا راستہ دکھاتا ہے، اور غیر مفید اور
بے نتیجہ کوششوں سے باز رکھتا ہے۔

اللہ نے ان قوموں کا قصہ قرآن میں بیان کرنے ہوئے فرمایا ہے، جو غرور و تکبر کے نشہ میں
مست تھیں اور انھوں نے اپنے معاصر انبیاء کرام کو ذلیل و حقیر سمجھا جو اس زمانہ کے رائے علموں
میں امتیازی شہرت نہیں رکھتے تھے۔

اور جب ان کے پیغمبران کے پاس کلمی نشانیاں
فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا يَمْتَنِعُونَ^۱
 لے کر آئے تو جو علم ان کے خیال میں ان کے پاس
 تھا اس پر اتارنے لگے اور جس چیز سے تمسک کیا کرتے
 تھے اس نے ان کو آن گھیرا۔

رسول کی بعثت کے بعد انکار کی گنجائش نہیں

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی ہر اس قوم کی یہی حالت ہے، جو علم، حکمت، صنعت اور تمدن کے بلند مدارج طے کر چکی اور اس کے تکبر و غرور اور اپنے علوم، ترقیات اور ماہرین بالکمالوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے بہترین اور ضروری علم سے اس کو روک رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اختیار کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی اجازت نہ دی۔

ہماری زمانہ کی ترقی یافتہ قوموں کی مثال بھی یہی ہے، جو اس قیامت تک باقی رہنے والے دین سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور اس مرکز انوار سے روشنی کی کرنیں اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہیں، جلدی ان قوموں کے انکار، تکبر اور استغناء کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا، ان کی جاں بلب تہذیب کی لاش کا تعفن پھیل جائے گا، اور ان کے تمدن کی عمارت زمین پر آ رہے گی۔

اسلامی ممالک کے لئے عظیم خطرہ

مسلم اور عرب ممالک کا رویہ اور تعجب خیز ہے کہ وہ اس حیات بخش اور قیمتی علم سے اعراض اور اس سے استفادہ سے پہلو تہی کر رہے ہیں، اور اس کے بجائے مغربی تہذیب، مادی قدس

جہاں زندگی اور قومی یا انشز کی فلسفوں پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، یہ ان کے لئے عظیم ترین خطرہ ہے جس کا کوئی مداوا نہیں، اسی اعراض کی سزائیں وہ افتراق و اختلاف میں مبتلا ہیں، ہنگامے اور آئے دن کے انقلابات ان کو تباہ کر رہے ہیں، ان میں بغض و حسد جیسے مہلک امراض پیدا ہو گئے ہیں ان کی ہوا اکھڑ گئی اور وہ دشمنوں کی نظر میں ذیل ہو گئے ہیں۔

علماء و محققین اور انبیاء کرام کا فرق ایک تمثیل میں

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں دوسرے علماء و محققین اور ارباب فضل و کمال کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی بہت بڑے آباد ترقی یافتہ اور منظم شہر میں مختلف ذوق اور مناسبت رکھنے والے ارباب علم و حکمت داخل ہوں۔

ایک جماعت آتی ہے، جس کی دھیسوں کا مرکز علم تاریخ ہے تو وہ اس قدیم شہر کی تاریخ دریافت کرے گی کہ کس نے یہ شہر آباد کیا، کب اس کی بنیاد پڑی، اس میں ترقی کب کب ہوئی، کن حادثات سے اسے دوچار ہونا پڑا، اور کون کون سی حکومتیں کن کن اوقات میں آتی رہیں؟ ایک اور جماعت اسی شہر میں آتی ہے، اس کی تلاش و تحقیق کا موضوع آثار قدیمہ ہیں تو وہ قدیم آثار تلاش کرے گی، شہر کے تاریخی حصوں کی کھدائی کرے گی، اور اس سے نکلی ہوئی چیزوں اور کتبات کا مطالعہ کرے ان کے زمانوں کو متعین کرے گی، قدیم بر باد شدہ تہذیبوں اور پرانے عادات اطوار کا پتہ لگائے گی۔

کچھ اور لوگ اسی شہر کا رخ کرتے ہیں، جن کا خاص فن جغرافیہ ہے، ان کی دھیسیاں جغرافیہ ہی تک محدود رہتی ہیں، وہ لوگ دیکھتے ہیں کہ اس شہر کے حدود دار لے کیا ہیں، اس کا رقبہ کتنا ہے، شہر کا جغرافیائی محل وقوع کیا ہے، اس کے گرد و پیش کے پہاڑ اور اس پر سایگان چوٹیاں کیسی ہیں،

شہر کا سینہ چیرنے والی نہریں کون کون سی ہیں، اور وہ کہاں سے گزرتی ہوئی اس شہر تک پہنچتی ہیں۔

ایک اور طبقہ داخل ہوتا ہے جس کی بولا لنگاہ میدانِ شعر و ادب ہے، اور اس مزین و منظم شہر کا حسن و جمال، اس کے دلکش مناظر، صبح و شام، دل و دماغ کو محط کرنے والی نازک خرام ہوائیں اور باغات میں لہلہاتے ہوئے رنگ برنگے گل بوٹے اس کو متاثر کرتے ہیں، اس کے دل کی کلی کھل جاتی ہے، اور اس کی عملا جیتیں اور شاعرانہ کمالات، نازک خیالات، بلند معانی سے مزین اور فصاحت و بلاغت سے آراستہ اشعار کا ایک یوان مرتب کر دیتے ہیں۔

کچھ اور لوگ اس شہر کا رخ کرتے ہیں، ان کی تلاش و تحقیق کا رخ زبان اور فلسفہ زبان کی طرف ہوتا ہے، وہ لوگ اہل شہر کی زبان کو اپنا موضوع بناتے ہیں، اور اس زبان کی ابتداء اس کی نشو و نما، اس کی ترقی کے مدارج اور دوسری زبانوں سے اس کے تعلق کا مطالعہ کرتے ہیں اس زبان کی اصل کا پتہ لگاتے ہیں، درمیان کی گم شدہ کڑیاں تلاش کرتے ہیں، الفاظ کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں، زبان کے قواعد مرتب کرتے ہیں، اور رسم الخط کا مطالعہ کرتے ہیں، اور اس کے بارہ میں تحقیقات عمل میں لاتے ہیں۔

اہل علم و فن کی یہ ساری جماعتیں انتہائی ضروری اور قابلِ قدر ہیں، ان میں سے کسی کی تنقید یا کسی کی جانب سے بے توجہی نہیں برتی جاسکتی، ہر ایک کا اپنا رجحان، ذوق اور اس کے مطالعہ کا موضوع رہتا ہے، اسی کے مطابق اس کی صلاحیتیں اپنا عمل کرتی ہیں، لیکن یہ تمام طبقے اپنی قدر و قیمت اور اپنی اہمیت کے باوجود اس وقت تک خطرہ سے نہیں نکل سکتے ہیں جب تک کہ اس شہر کے متعلق چند انتہائی ضروری امور نہ معلوم کر لیں کہ اس کا حاکم کون ہے، اس کا نظام حکومت کیسا ہے، اور وہ قوانین کون سے ہیں، جن کے سامنے تمام لوگوں کو (رجحانات اور

صلاحتوں کے اختلافات کے باوجود تسلیخیم کرنا پڑتا ہے، اس شہر یا ملک کی شہریت حاصل کرنے کے کیا اصول ہیں، اس کے بسنے والوں پر کتنے ٹیکس واجب ہیں، اس پر آباد ہونے کے قواعد کیا ہیں؟ یہاں کیا چیزیں ممنوع اور خلاف قانون ہیں، جن کا ارتکاب ان کو مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہے، اور اس طرح کی اور بہت سی چیزیں جو اس منظم اور ترقی یافتہ شہر میں باعزت اور پرسکون زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔

مشالی شہر میں انبیاء کا خاص فریضہ

اسی مشالی اور ترقی یافتہ شہر میں ایک اور جماعت داخل ہوتی ہے، صلاحیتوں میں کامل، صبیح اور نفع بخش قوتوں کی مالک، نازک احساس اور لطیف و پاکیزہ ذوق سے مزین، انسانی خوبیوں میں سے کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن اس کے عزائم بالکل الگ ہیں، اس کی دعوت اور اس کا طریقہ کار ان لوگوں کی دعوت اور طریقہ کار سے بالکل جدا ہے، وہ براہ راست اس منظم شہر کے مرکز اور اس کی قوت زندگی اور تنظیم کے اصل سرچشمہ تک پہنچتی ہے، بلکہ اس شہر کا مختار کل خود اس جماعت کی انگلی پر کھراصل مرکز تک لے جاتا ہے، اور یہ مقدس جماعت براہ راست اس سے احکام و فرامین حاصل کرتی ہے، اور اسے شہر کے تمام لوگوں تک پہنچاتی ہے، وہ اس شہر کی تنظیمی قوت یا تنظیمی ادارہ اور اس کے شہریوں کی درمیانی اور اہم کڑی بن جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہر کے تمام لوگ اور علماء و فضلاء کے تمام طبقے اپنی زندگی کے تمام شعبوں اور امن و سکون کے ساتھ علمی و تحقیقی مشاغل کے انہماک میں اس مقدس جماعت کے احسان مند ہیں، کیونکہ یہ سارے علوم و فنون اس خاص علم و معرفت کے زیر سایہ پرورش پاتے اور نشوونما کے مراحل طے کرتے ہیں، جس کی تعلیم یہ مقدس جماعت دیتی ہے جس کی تبلیغ تمام لوگوں میں کرنی ہے

دن رات اسی کی فکریں رہتی ہے، اور اسی کے زیر سایہ زندگی گزارتی ہے، اگر یہ معلومات نہ ہوں اور یہ مبارک جماعت نہ ہو تو دوسری ساری جماعتیں لاعلمی اور جہالت کا شکار ہو جائیں گی، ان سے خلافت قانون حرکتیں سر نہ ہوں گی، انھیں گرفتار کیا جائے گا، اور جیل خانوں میں بھر جائے گا اور ان کے تمام علوم، تمام حکمتیں، ساری کدو کاوش اور ایجادات ان کے کچھ کام نہ آئیں گی کیونکہ ان تمام علوم و تحقیقات اور اس نظام کی (جو ان تمام وحدتوں کو ایک سلسلہ میں پروتا ہے) بنیاد ہے اس وسیع و عریض شہر کے انتظام کرنے، اسے چلانے والے اور مختار کل کی ذات کی معرفت اور اس اصل مرکز کی معرفت، جس کے گرد اس شہر کی زندگی گردش کرتی ہے، یہی وہ معرفت ہے جس کے لئے انبیاء کرام مخصوص کئے گئے، جو انھیں کی ذات سے وابستہ ہے۔

وَكَذَٰلِكَ يُرِيّٰ اٰیٰتِہُمْ مَّلكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَیَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
اور ہم اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کر لے اور ایمان میں ہو جائیں۔

مقدس ترین فریضہ

اس معرفت کی اہمیت کہیں زیادہ ہو جاتی ہے، اگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ میری بیان کی ہوئی مثال میں معاملہ صرف حاکم اور منتظم ہی کا نہیں بلکہ اس شہر کا حاکم اور منتظم، اس کا خالق بھی ہے، جس نے اس کو وجود بخشا ہے، اس پر زندگی کی لہریں دوڑائی ہیں، اس کی ضرورت کی تمام چیزیں اور آسائیاں فراہم کی ہیں، وہ روزی رساں ہے، سخی ہے، رحمت و مغفرت والا ہے، اپنی مخلوقات سے اس سے زیادہ محبت رکھتا ہے، جو ان کو اپنے بچے سے ہوتی ہے، ذیل کی

آیت قرآنی سے معلوم ہوگا کہ اس کا تعلق اس کائنات اور مخلوق سے کتنا وسیع و عمیق اور محیط ہے اور وہ کن صفات اور اسمائے حسنیٰ سے موصوف ہے، جن کی تجلی اس عالم کے ذرہ ذرہ میں جلوہ گزیر

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ
وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، هُوَ الرَّحْمَنُ
اور ظاہر کا جاننے والا وہ بڑا مہربان نہایت رحم

الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
والا ہے، وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی لائق عباد

الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ
نہیں، بادشاہ حقیقی پاک ذات، ہر عیب سے

الْمُهْتَمِ الْغَنِيُّ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ
سالم امن دینے والا نگہبان، غالب زبردست

مُبْدِي مَا فِي الْأَرْضِ وَمَا فِي السَّمَاءِ
بڑائی والا خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے

الْحَافِظُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ
سے پاک ہے، وہی خدا تمام مخلوقات کا خالق

الْحُسْنَى يُسَمِّيْهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ
ایجاد و اختراع کرنے والا صورتیں بنانے والا

وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں، جتنی چیزیں

آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اس کی تسبیح

کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

لہذا انسان کو ودیعت کی ہوئی عقل کی ساری صلاحیتیں صرف کر کے اس کی معرفت

کی تحصیل، دل کی گہرائیوں میں، اس کی محبت تمام اعضاء و جوارح سے، اس کی اطاعت اور

اس کی رضا مندی، اس کا قرب اور اس کی رحمت و توجہ کی تحصیل میں انتہائی محنت و مشقت

ہی سب سے اہم فریضہ ہے، سب سے مقدس کام، انسانیت اور شرافت کا تقاضا ہے عقل سلیم

اور صانع فطرت کا صحیح مطالبہ ہے۔

انسانوں کے مختلف طبقات، ان کی سرگرمیوں اور ان کی وجوہات کے مقابل میں، یہ ہے انبیاء کرام علیہم السلام ان کی سرگرمیوں اور ان کی دعوت کا مقام بلند، یہ مقدس طبقہ انسانیت کے لئے اتنا ہی ضروری ہے، جس قدر جسم کے لئے روح، کام کے لئے عقل اور انسان کے لئے روشن آنکھیں، اور دنیا ان کے بغیر (اپنے تمام علوم، ادبیات، تہذیب، ثقافت، صنعت اور حرفت کے باوجود) کلیتہً تیرہ دھار اور مکمل بحر ظلمات ہے۔

ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ
يَدَكَ لَمْ يَكُنْ بِرَأْسِهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ
لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ
غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہیں ایک پر ایک
چھایا ہوا جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے
اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو کبیر بھی روشنی
نہیں مل سکتی۔

انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کے ارتقاء کا بنیادی سبب

انبیاء کرام صرف معرفت صحیحہ اور علم یقین ہی کے مرکز و منبع نہیں ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ انسانی معاشرہ کو ایک اور بے بہاد دولت بھی عطا کرتے ہیں، جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر و ترقی کا پورا پورا دار و مدار ہے، اور وہ قیمتی سرمایہ ہے بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ، اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توحید و ترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم، اور انسان کی تمام ترقیات سر بلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب ہی مقدس جذبہ مبارک و مخلصانہ ہی ہے، کیونکہ تمام اسباب و وسائل، ساز و سامان اور تجربہ تحقیق کے اولیٰ انسان کے

عزم و ارادہ کے تابع ہیں، تمام کارناموں کی اساس یہ ہے کہ انسان ارادہ کرے، اور اس بھلائی کا اصل ماخذ و منبع ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات رہی ہیں، انھوں نے اپنی بعثت کے زمانہ میں اپنی قوم و امت اور اپنے پورے معاشرہ میں خیر کی محبت اور شر سے نفرت کے جذبہ کو پروان چڑھایا، حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت ان کی طبیعت اور فطرت میں داخل کرنے کی کوشش کی اور طویل انسانی تاریخ میں جب بھی یہ جذبہ کمزور پڑا، انسانوں کی فطرت میں تغیر رونما ہوا، اور ان میں بہیمیت اور درندگی کے آثار ظاہر ہوئے، جیسا کہ ہم قرآن میں بیان کئے ہوئے مختلف قوموں کے حالات میں مشاہدہ کرتے ہیں، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فوراً اس کا علاج کیا، اور قساوت و بہیمیت کو رحمت و رافت اور شرافت و انسانیت میں بدل دیا، انھوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی، اس کے لئے مسلسل و متواتر جدوجہد کی، عیش و آرام کی پروا نہیں کی، عزت و وقار کا خیال نہیں کیا، حتیٰ کہ اپنے جسم و جان کی فکر نہیں کی، اور اسی مسلسل و جانناکھ محنت و مشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور بچاڑ کھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہو گئی، جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دل کشی دروغ نائی آگئی، جو رفعت و منزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے، اور انھیں برگزیدہ مثالی اور قابل تقلید نفوس کی برکت سے تباہ و برباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا، کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و طاقت پیدا ہوئی، بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی، فضاؤں میں رحم و کرم کی تنگی چھا گئی، الفت و محبت کی خوشبو پھیل گئی، سعادت کا بازار گرم ہو گیا، دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں، ایمان و یقین کی عطریں ہوائیں چلنے لگیں، انسانی نفوس ہوا و ہوس

کی گرفت سے آزاد ہو گئے، قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھینچے گئے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے۔ انسانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کی ارتقا پر اس مبارک و مقدس طبقہ کے جس قدر احسانات ہیں، کسی اور طبقہ کے نہیں ہیں، الطاف و عنایات کا خنک سایہ، انسانوں کی عزت، ان کی شرافت، ان کے اعتدال، ان کے توازن اور ان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا ہے، انہی الطاف و عنایت کے زیر سایہ حیات انسانی کے بقا کا امکان ہے، اگر انبیاء کرام علیہم السلام نہ ہوتے تو انسانیت کا سفینہ اپنے علم، فلسفہ، حکمت اور تہذیب و تمدن سمیت طوفان کی نذر ہو جاتا، اور رُئے زمین پر انسانوں کے بجائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے ریوڑ کھلیں کرتے ہوئے نظر آتے، جو نہ اپنے خالق اور رب کو پہچانتے نہ دین و اخلاق سے آشنا ہوتے، نہ رحمت و محبت کا احساس رکھتے اور نہ آب و دانہ یا گھاس چارہ سے ملنے کوئی بات ان کے ذہن میں آتی۔

آج دنیا میں جتنے بھی بلند انسانی اقدار لطیف و نازک احساسات بہترین و بلند اخلاقی تعلیمات، صحیح و نفع بخش علوم، یا باطل سے ٹکرانے کے عزائم پائے جاتے ہیں، ان تمام کی تاریخ کا سلسلہ، وحی آسمانی، انبیاء کی تعلیمات، ان کی دعوت و تبلیغ، ان کے مجاہدات اور ان کے پر خلوص اصحاب و متبعین ہی ختم ہوتا ہے، اور دنیا (ازل سے اب تک) ان کے دسترخوان کی ریزہ چینی پر محبوس رہی ہے، انہی کی پھیلائی ہوئی روشنی میں قدم بڑھاتی رہی ہے، اور انہی کی تعمیر کی ہوئی محکم عمارت کے سایہ میں سر چھپاتی اور زندگی گزارتی رہی ہے، اور رہے گی، ان مقدس نفوس پر ہزاروں ہزار بار درود اور سلام

بہارِ اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پودے اٹھیں گی لگائی ہوئی ہے

دوسرا خطبہ

انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات، مزاج و نہج

عزیزانِ گرامی! پہلے خطبہ میں میری گفتگو کا موضوع تھا نبوت کی ضرورت اور اس کی قدر و قیمت کہ دنیا کے انسانیت کو اس کی کتنی شدید ضرورت ہے، تہذیب و تمدن پر اس کے احسانات کس قدر ہیں، انبیائے کرام کی سرگرمیاں کس نوعیت کی ہیں اور دنیا میں ان کا پیغام کیا ہے؟ اور آج کے اس مبارک موقع پر نبوت کے طبعی خصائص اس کے خاص مزاج اور انبیاء کی بنیادی خصوصیات اور امتیازات پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، نیز یہ کہ انبیائے کرام کا یہ مقدس طبقہ کن امور میں انسانی طبقات کے دوسرے مفکرین اور مصلحین سے ممتاز ہوتا ہے۔

مقام نبوت کو سمجھنے پر خود ساختہ اصطلاحات کا ظلم

مصنوعی اور خود ساختہ انداز و اسلوب، سیاسی طور طریقوں، قیادت و تنظیم نئی راہوں اور تعلیم و تربیت کے جدید اصولوں نے مقام نبوت کے فہم و ادراک پر بہت بڑا ظلم کیا ہے، یلدراز فکر اور طریق کار بجائے خود قابلِ قدر ہے انھوں نے جاہلوں میں تعلیم کی اشاعت معیار زندگی کو

بلند کرنے، مفاسد کا مقابلہ کرنے اور غلام ملکوں کو آزادی کی دولت عطا کرنے میں گراں بہا خدمات انجام دی ہیں، اور یہ تمام کے تمام لائق سپاس و ستائش ہیں، لیکن یہ اسالیب و انداز فکر لوگوں کے دماغ و دماغ پر اس طرح چھا گئے ہیں، ان کی طبیعت اور ان کی سیرت و کردار میں اس حد تک پرجہس گئے ہیں، اور ان کے عزم و ارادہ اور طاقت و قوت کے حرمشچوں اعمال اور محنت و مشقت پر ابھارنے والے جذباتوں، غور و فکر اور کامیابی و کامرانی کے پیمانوں کی صورت میں اس طرح ڈھل گئے ہیں کہ وہ لوگ اس پہلو کے علاوہ منصب نبوت اور انبیائے کرام علیہم السلام کا تصور ہی نہیں کرتے، نہ اس عینک کے بغیر ان کی طرف دیکھتے ہیں، اس زمانہ میں بعض اسلام پسند مصنفین اہل قلم اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے داعی اور علمبردار بھی انہیں خیالات و اثرات کے سامنے سپرانداز ہو گئے ہیں، اور انھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور ان کی سیرت کی تفسیر و تعبیر، جدید سیاسی اور معاشرتی اصطلاحات کی زبان میں شروع کر دی ہے، جو اہل زمانہ کے لئے نبوت کا حقیقی منصب، انبیائے کرام کے مزاج، ان کے پیغامات کی حقیقت اور ان کے اعمال کے صحیح رخ کو سمجھنے میں رکاوٹ بن رہی ہے، اور ان کی اتباع اور ان کی صحیح عظمت و مقام پہچاننے میں مانع ہو رہی ہے، اور ذہن کو ایسے راستے کی نجاب موڑ رہی ہے، جو نبوت کے مزاج و منہاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

سیاسی طرز فکر، جدید سیاسی اصطلاحات، اور موجودہ زمانہ میں سیاست و ریاست کی اہمیت کا ذہن و فکر، طرز ادا، اور تقریر و تحریر پر ایسا گہرا اثر پڑا ہے، کہ دعوت اسلامی کے بعض داعی اور قائد اور بلند پایہ اہل قلم بھی اپنی تحریروں میں بے تکلف وہ سیاسی اصطلاحات اور تعبیرات استعمال کرنے لگے ہیں، جن کے ساتھ خاص مفہیم و افکار پیوستہ، اور ایک خاص تاریخ وابستہ ہے، اور جن کا ایک خاص پس منظر ہے، مزید برآں وہ اپنا ایک مخصوص و محدود

مفہوم رکھتی ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی روح اور مزاج کی صحیح ترجمانی کرنے سے نہ صرف قاصر ہیں، بلکہ مختلف قسم کی غلط فہمیاں شکوک و شبہات پیدا ہونے کی بھی باعث ہوتی ہیں، مثلاً ”انقلاب“ ”بغاوت“ ”جمہوریت“ ”اشتراکیت“ اور ”نظام“ کے الفاظ کا ان میں سے ہر ایک کا خاص مفہوم ہے جس نے خاص حالات، ماحول اور حوادث و واقعات کے سایہ میں نشوونما حاصل کیا ہے، اور ارتقار کی منزلیں طے کی ہیں اور ان سے ایک خاص طرح کے تجربات و تاثرات وابستہ ہیں، جن کو ان سے جدا نہیں کیا جاسکتا، واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت بخت نبوی اور اس کے اثرات و برکات کے ذکر کے سلسلے میں قرآن مجید و شرع و دین کی زبان نے جو تعبیر اور طرزِ ادا اختیار کیا ہے، اسی کا اختیار کرنا مناسب ہے، اس لئے کہ وہ ہر طرح کی غلط فہمیوں اور کوتاہ اندیشیوں سے مبرا ہے، اور اسی سے دین کی صحیح روح اور اس کے اصل مزاج سے آشنائی پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کے مخلصانہ و عمیق مطالعہ کی ضرورت

اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس موضوع پر قرآن کا مخلصانہ اور گہرا مطالعہ کیا جائے، جو خارجی اثرات اور ”غیروں“ کے تصورات سے بالکل آزاد ہو۔ اسی طرح اس پر ہمارے ذاتی رجحانات اور خواہشات سایہ فگن نہ ہوں، ممکن ہے کہ ہماری خواہشات معیوب نہ ہوں، بلکہ مستحسن ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ فطری اور طبعی ہوں، لیکن قطعاً ضروری نہیں کہ قرآن سے ہر مستحسن چیز کے لئے دلیل و سند کا کام لیا جائے، یا انبیاء کے کرام کی سیرتیں ہر اچھی دعوت اور جدوجہد کا ساتھ دیں، قرآن کے مطالعہ اور تفہیم کو زمانہ کے محدود پیالوں کا پابند نہیں بنانا چاہئے کیونکہ زمانے آتے جاتے رہتے ہیں، غور و فکر کے انداز بھی بدلتے رہتے ہیں، اشیاء کی قدر و قیمت

کو کبھی قرار نہیں یہ جڑھتی اترتی رہتی ہے، ایک زمانہ میں جو نظریہ پیدا ہوا جو اصطلاح وضع کی جائے، جائز نہیں کہ اسی نظریہ یا اصطلاح کو اگلے زمانہ یا اگلے ماحول پر بھی جوں کا توں منطبق کر دیا جائے قرآن ایک آسمانی کتاب ہے، مستقبل ہے، اپنی منفرد شخصیت رکھتی ہے، علوم انسانی کا پورا خزانہ اور اس کے سارے نظریات ریت کے پھلتے ہوئے ٹیلے کی مانند ہیں، جو بکھر رہا بھی ہے، اور کھلتا بھی سمٹتا بھی ہے، اور بڑھتا بھی، اس پر کسی چیز کی بنیاد رکھنا درست نہیں، پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن اپنے بلند آسمانی مقام، اور اپنے مستقل، مضبوط اور ابدی بنیادوں سے گر کر ریت کے اس بے ثبات ٹیلے پر آ رہے !! ۹

انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا بنیادی فرق

پہلا اور اہم ترین خصوصیت جس میں انبیاء کے کرام علیہم السلام دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں یہ ہے کہ جس علم کی وہ لوگوں میں نشر و اشاعت کرتے ہیں جس عقیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، اور جس پیغام کی تبلیغ کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جاتی ہے، وہ نہ تو ان کی ذہانت کی پیداوار ہے، نہ اس فاسد اور تکلیف دہ صورت حال کا رد عمل ہے، جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں، نہ ان کے لطیف و نازک شعوبیاد کی وحاس قلب کا ساختہ پرداختہ، نہ ان کے وسیع اور حکیمانہ تجربات کا نتیجہ، بلکہ اس کا نبی و ماخذ وحی آسمانی اور الہی پیغامات ہیں، جن کے لئے وہ منتخب کئے گئے ہیں، اور جس کا ان کو شرف بخشا گیا ہے، لہذا کبھی بھی دوسرے حکماء، زعماء، مصلحین اور ان تمام رہنماؤں پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، جن کا انسانیت اور اصلاح و عزت کی طویل تاریخ نے تجربہ کیا ہے، جو یا تو معاشرہ کی پیداوار ہوئے ہیں یا اپنی حکمت و ذہانت کا نتیجہ یا ماحول کی صدائے بازگشت یا اپنے ارد گرد ایلٹے ہوئے فساد اور نارائی کے لاوہ کا

رد عمل اور اس کے خلاف ایک صدرائے احتجاج۔

اس رد عمل کے اثرات (جو بعض اوقات خوردبین کے بغیر نہیں دیکھے جاسکتے) بہت سے ان اسلام پسند مصنفین اور داعیوں کی تحریروں میں نظر آتے ہیں جن کو موجودہ مادی فلسفوں مغربی ریاست قدر کی کامیابی اور اپنے ملک کے مسلمانوں کی غیر منظم زندگی یا غلامی نے اسلام کے مطالعہ صورت حال کا مقابلہ کرنے اور ان فلسفوں اور نظامہائے حیات کے متوازی اسلامی فلسفہ اور نظام حیات کے پیش کرنے پر آمادہ کیا ان کی تحریروں اور تعمیروں اور ان کے طریق فکر میں اس رد عمل کے عکس اور سائے اس شخص کو آسانی کے ساتھ نظر آسکتے ہیں جس کو ماحول کے اثرات اور عمل و رد عمل کے سلسلہ سے آزاد ہو کر کتاب و سنت کے براہ راست مطالعہ کا موقع ملا ہے پھر وہ ان جدید فلسفوں اور نظامہائے حیات کی آہنی گرفت اور جسم و جان میں پیوست ہو جانے والے اثرات سے بھی واقف ہے۔

ان جدید تحریروں اور اسلام و مسلمانوں کی جدید نشاۃ ثانیہ کی کوششوں میں اور نابینا بنیاد اور مجاہدین و مصلحین کی دعوت و فکر میں جن کو علمی و دینی رسوخ کی دولت یا ایہانی صحبت و تربیت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، ایک واضح فرق محرکات عمل اور مقاصد کا ہے پہلے گروہ کا کوشش و فکر کا بڑا محرک حصول قوت و اقتدار یا غلبہ و عزت، اسلامی ریاست کا قیام، اور حیات انسانی کا نظم و سکون اور ثانی الذکر کا اصل محرک رضاے الہی کا حصول، آخرت کی کامیابی، ایمان و اعتقاد کا جذبہ اور اتباع نبوی و اعلائے کلمۃ اللہ کا شوق ہے، اور انہیں جیسے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے۔

وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کیلئے (تیار) کر رکھا ہے، جو ملک میں فساد کا ارا نہیں کرتے اور انجام (نیک) تو پر ہیزگاروں ہی کا ہے۔ (القصص ۸۳)

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآيَاتِ وَالْحُكْمِ وَالَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ بِالزُّلْمِ وَالَّذِينَ هُمْ يُؤْتُونَ الْمَالَ ذَلِيلًا ۚ وَالَّذِينَ لَا يَرْجُوا عِلَاوَةَ الْآخِرَةِ وَالَّذِينَ هُمْ يُؤْتُونَ الْمَالَ ذَلِيلًا ۚ وَالَّذِينَ لَا يَرْجُوا عِلَاوَةَ الْآخِرَةِ وَالَّذِينَ هُمْ يُؤْتُونَ الْمَالَ ذَلِيلًا ۚ

اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات قرآن کی ہے، جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کی گئی ہے۔

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْكُمْ
وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ
عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۖ فَلَا تَتَعْلَمُونَ ۝
یہ بھی کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو نہ تو میں ہی یہ کتاب
تم کو پڑھ کر سنا تا اور نہ تمہیں اس سے
واقف کرتا میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا
ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ
أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ
وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا
فَهَدَىٰ يَمِّنَ مَن نَّشَاءُ ۚ مِنْ عِبَادِنَا
وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝
اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف
روح القدس کے ذریعے سے قرآن بھیجا ہے تم
نہ تو کتاب کو جانتے تھے، اور نہ ایمان کو لیکن
ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے
بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے
ہیں اور بیشک اسے محمدؐ تم سید عارستہ دکھاتے ہو

اور اسی طرح ارشاد ہے۔

وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ
الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ فَلَا
تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ۝
اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی
جائے گی مگر تمہارے پروردگار کی مہربانی سے
نازل ہوئی تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہونا

اور اسی طرح اس مقام سے آپؐ کی عدم موجودگی کے ذکر کے بعد جہاں ان حادثات

واقعات کا ظہور ہوا تھا جن کو آپ اپنی قوم کے سامنے بیان فرما رہے تھے، فرمایا گیا:-

وَمَا كُنْتَ بِمُجَابِلِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْتَا
وَالَكِنْ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ
قَوْمًا مَّا أَتَتْهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

اور تم اس وقت جبکہ ہم نے موسیٰ کو آوارہی
طور کے کنارے تھے، بلکہ تمہارا بھیجا جانا تھا کہ
پروردگار کی رحمت ہے تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے
پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں
آیا ہدایت کرو تاکہ وہ نصیحت کړیں۔

قرآن رسالت و نبوت کے مزاج اور اس کے اصول اور اس کے منبع و مصدر کو
ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ
عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَتَىٰ
أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ۝

وہی فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے بندوں
میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ
لوگوں کو بتا دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں
تو تجھی سے ڈرو۔

اسی وجہ سے رسول نہ تو داخلی نفسیاتی عوامل کے سامنے جھکتا ہے، نہ خارجی وقتی حادثات
کے سامنے اور نہ اپنی رسالت کو اس رخ پر موڑتا ہے، جدھر ماحول یا حالات مڑتے ہیں، یا
معاشرہ چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم کے بارہ میں فرماتا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ
إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے
ہیں یہ قرآن تو حکم خدا ہے، جو ان کا طرف
بھیجا جاتا ہے۔

اسی طرح رسولؐ اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا کہ اپنے پیغامات اور اشرک کے احکام میں
تغیر یا تبدیلی پیدا کر سکے، یا کچھ کی زیادتی کر سکے، اشر اپنے رسولؐ کی طرف سے کہتا ہے۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِلَهُ مِنْ تِلْكَ
نَفْسِي إِنَّهُ أَشْبَحُ لَكَ مَا يُحْيِي إِلَى الْآلِ
لَعَافُ إِنَّ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابُ
يَوْمٍ عَظِيمٍ

کہہ دو کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف
سے بدل دوں میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری
طرف آتا ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی
کروں تو مجھے بڑے سخت دن کے عذاب سے

خوف آتا ہے۔

اللہ نے آپؐ سے مہمانت کی بھی نفی کی ہے اور آپؐ کو اس سے محفوظ رکھا، چنانچہ
فرماتا ہے۔

وَدُّوا لَوْ قُتِلُوا مِنْهُمْ فَيَدْهِنُونَ
یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو تو یہ بھی
نرم ہو جائیں۔

اور اشر کی طرف کسی غلط بات کی نسبت کرنے، ایسی باتیں بیان کرنے جن کو اشر نے
نہ کہا ہو، یا اس کی وحی و فرمان میں کمی یا زیادتی پر رسولؐ کو دردناک اور رسوا کن عذاب کی
دھمکی دی ہے۔

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَوْ تَقَوَّلَ
عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا
مِنْهُ بِالْأَيْمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ
الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ

اور یہ تو پروردگار عالم کا اتا دیا ہوا ہے اگر یہ
پیغمبر ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنالائے
تو ہم ان کا دہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان کی رگ گردن
کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی نہیں اس سے

روکنے والا نہ ہوتا۔

اور لفظ ومعنی، ہر اعتبار سے رسالت کی کامل و مکمل تبلیغ کا حکم دیا، چنانچہ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ
مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ

رِسَالَتَهُ وَاحْتَهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر
نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر
ایسا نہ کیا تو تم خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر
رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا
تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا بیشک خدا
منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہی ہے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے مصلحین اور رہنماؤں کے
مابین فرق و امتیاز کو واضح کرنے والا بنیادی وصف، وہ رہنما جن کے پیغامات اور جن کی
جدوجہرا ان کے ماحول، تہذیب و تمدن اور ان کے احساس و شعور کی پیدا کردہ ہوتی ہے،
اور پورے ماحول یا باشعور ذہنوں پر چھائی ہوئی بے اطمینانی و اضطراب کا رد عمل، یہ رہنما ہمیشہ
مصلحت اور ضرورت و وقت کا لحاظ رکھتے ہیں، اکثر حالات کے سامنے جھک بھی جاتے ہیں،
جس کے نتیجے میں بعض اصولوں کو ترک کرنا پڑتا ہے، اور کبھی دوسری جماعتوں سے معاملہ بھی
کرتے ہیں، ”لین دین“ کا طریقہ اپناتے ہیں، اور ان میں سے اکثر کا اصول یہ ہوتا ہے۔ ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

انبیاء کی دعوت میں حکمت و تمیز

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اپنی دعوت تبلیغ میں

حکمت و مصلحت کا مطلق لحاظ نہیں رکھتے نہ لوگوں کی طبیعتوں اور ان کی توجہ کا خیال رکھتے ہیں نہ مناسب جگہ مناسب لفظ طبیعت میں تشاؤ اور دلوں کی توجہ کی فکر کرتے ہیں نہ دعوت میں آسانی اور تدبیر کو ملحوظ رکھتے ہیں، ہمیں بلکہ یہ تمام امور تو دین کی سہل و سادہ فطرت الشریعہ کی حکمت تبلیغ اور انبیاء کرام کی حکیمانہ طبیعتوں کا تقاضا ہیں جن کو دلائل و آثار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں واقعات شہادت دے رہے ہیں اور دعوت و تبلیغ کی تاریخ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

قرآن کہتا ہے:-

وَقَرَأْنَا فِرْعَوْنَ لَا يَسْمَعُ لِحُكْمِنَا ۚ عَلٰی النَّاسِ
عَلٰی مَلَكُوتٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝
اور ہم نے قرآن کو جز، جز کر کے اتارا ہے تاکہ
تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کرنا اور ہم نے
اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ
الْعُسْرَ ۝
ارادہ کرتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا اور
نہیں ارادہ کرتا ہے سختی کا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ
الْقُرْآنُ جُزْأً وَّاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ
لِنُنْزِلَنَّهُ بِمُفَوَّذَاتِكَ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝
اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ایک ہی دفعہ
کیوں نہ اتارا گیا؟ اس طرح آہستہ آہستہ اس لئے
اتارا گیا کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں
اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۝
اور میں نے رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو آسانی بخشنے اور

خوشخبری سنانے کا حکم دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعرؓ سے
یمن بھیجتے وقت فرمایا۔

يَسِّرُوا وَلَا تَعْسِرُوا، يَسِّرُوا وَلَا تَقْصِرُوا۔
یعنی دین کو آسان بنا کر پیش کرنا، سخت بنا کر
نہیں اور لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا
اسی طرح آپ نے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

انما بعثتم ميسيرين ولم
تبعثوا معسرين۔
تم آسانی برتنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو
سختی کرنے والے نہیں۔

کبھی کبھی آپ بڑی اہم اور سہرگرم مصلحتوں کے پیش نظر جزئی مصلحت والے کاموں کو
مؤخر کر دیتے تھے، مثلاً ایک بار آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لولا حداثة قومك بالكفر لنقضت
البيت ثم لبنيته على اساس
ابراهيم عليه السلام۔
اگر تمہاری قوم (اہل مکہ) نئی نئی کفر سے نکلی
ہوتی تو میں بیت اللہ کو توڑ کر پھر سے ابراہیم
علیہ السلام کی بنیاد کے مطابق بنا دیتا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کے اکتا جانے کا خیال کر کے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بعض دن وعظا میں ناعہ کر دیا کرتے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ معاذ بن جبلؓ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اور یہاں سے لوٹ کر جاتے تو
اپنے محلہ والوں کی امامت کرتے، ایک دن عشا کی نماز پڑھائی اور اس میں سورہ بقرہ پڑھی جس سے
ایک آدمی نماز سے الگ ہو گیا، حضرت معاذؓ اس سے کھینچ کھینچ رہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا: "فتان، فتان، فتان، فتنہ انگیز، فتنہ انگیز،"

فقہ انگیز (تین بار) ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، میں نماز فجر میں اس وجہ سے پیچھے وہ جاتا ہوں (جماعت میں شریک نہیں ہوتا) کہ فلاں صاحب اس کو بہت لمبی کر دیتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غضبناک ہو گئے، اس سے زیادہ غضبناک میں نے آپ کو کسی وعظ میں کبھی نہیں دیکھا اور آپ نے فرمایا۔

یا ایہا الناس ان منکم منفرون
فمن اُم منکم الناس فلیتجاوز فان
خلفه الضعیف والکبیر وذو الحاجۃ
لوگو! تم میں سے بعض لوگ لوگوں کو دین سے
متوحش اور دور کر دیتے ہیں، تم میں جو شخص لوگوں
کی امامت کرے اس کو چاہئے کہ اختصار کرے
کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بوڑھے اور ضرورتمند
بھی ہیں۔

اس طرح کے دلائل و شواہد بے شمار ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت
میں تو یہ تمام روایات مشہور ہیں، اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں، اور انبیائے سابقین کے بارہ
میں بھی یہی ماننا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو حکمت کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔
اٰیٰتِناۃ الْحِکْمَۃِ وَفَصْلَ الْخِطَابِ
اور دی ہم نے اس کو (داؤد کو) حکمت اور
فیصلہ کن بات۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتٰیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ
وَالحکم وَالنُّبُوۃَ
یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے دی کتاب اور حکمت
اور نبوت۔

لیکن اس آسانی، تدریج اور حکمت و مصلحت کا لحاظ اور طبیعتوں کی توجہ اور

آبادگی کا خیال صرف تعلیم و تربیت اور جزوی مسائل میں ہے، جن کا عقائدِ دین کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہ ہو، مگر جن امور کا تعلق عقائدِ بنیادی اصولوں، فرائض اور منصوصات سے ہے جو کفر و ایمان اور توحید و شرک کے مابین فارق اور میز کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جن کا تعلق اسلامی شعائر اور حدودِ اللہ سے ہے ان تمام میں انبیاءِ کرام (وہ کسی زمانہ میں بھی رہے ہوں) فولاد سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں، ان میں نہ تو وہ کمزوری دکھا سکتے ہیں، نہ نرمی برت سکتے، اور نہ کسی قسم کا معاملہ اور سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔

دعوتِ انبیاء کا سب سے اہم رکن

انبیاء کی دوسری خصوصیت توحید کی دعوت ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ اور عبادت و معبود کے باہمی تعلق کی تصحیح اور صرف ایک کی بندگی کی دعوت، ہر زمانہ اور ہر محل میں انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پہلی دعوت اور ان کا سب سے بڑا اور اہم مقصد رہا ہے، ہمیشہ ان کی تعلیم ہی رہی ہے کہ اللہ ہی نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، اور صرف وہی عبادت، دعا، توبہ اور قربانی کا مستحق ہے، ان کے بھرپور چلنے اپنے زمانہ میں جاری و ساری، و ثنیت کی طرف متوجہ رہا ہے، جو موتیوں اور مقدس و صالح زندہ و مردہ شخصیتوں کی پرستش کی صورت میں جلوہ گر تھی، ان ہستیوں کے بارے میں اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت و عظمت اور معبودیت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو خاص خاص امور میں تصرف کا اختیار بھی دے رکھا ہے، اور انسانوں کے بارے میں ان کی سفارشوں کو علی الاطلاق قبول فرماتا ہے، جیسے شہنشاہِ اعظم ہر علاقہ کے لئے ایک حاکم بھیج دیتا ہے، اور (بعض بڑے اور اہم امور کے علاوہ) علاقہ کے انتظام کی ساری ذمہ داری

انھیں کے سر ڈال دیتا ہے۔

جس شخص کو قرآن سے کچھ بھی تعلق ہے (جو تمام پچھلی کتابوں کی تعلیمات کا جامع ہے) اس کی یقینی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ اس شرک و بت پرستی کے خلاف صفت آرائی، اس سے جنگ کرنا، اس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کو اس کے جنگل سے نجات دلانا نبوت کا بنیادی مقصد تھا، انبیاء کی بعثت کی اصل غرض ان کی دعوت کی اساس ان کے اعمال کا فتنی اور ان کی جدوجہد کی غایت اصلی تھی، اور یہی ان کی زندگی اور ان کی دعوت کا اصل مرکز تھا، ان کی سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی تھیں، وہ یہیں سے آگے بڑھتے تھے، اور یہیں واپس لوٹتے تھے، یہیں سے شروع کرتے تھے، اور پھر یہیں آکر ختم کرتے تھے، قرآن کبھی تو اللہ کے بارے میں اجمالاً کہتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝
اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجا ان کی طرف
یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو
میری ہی عبادت کرو۔

اور کچھ تفصیل کے ساتھ ایک ایک نبی کا نام لیتا ہے، اور بتلاتا ہے کہ اس کی دعوت کی ابتدا اسی توحید کی دعوت سے ہوئی تھی، چنانچہ کہتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِلَىٰ
لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ
إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ إِلَّا الَّذِينَ
اور ہم نے نوحؑ کو انکی قوم کی طرف بھیجا (تو انھوں نے ان کا)
کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈرنا نے اور یہ پیغام پہنچانے
آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھ
تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

وَالِی عَادٍ لَّخَا هُمْ هُوْدًا قَالِ
یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَیْرِهِ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو
بھیجا انھوں نے کہا کہ میری قوم! خدا ہی کی
عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں
تم شرک کر کے خدا پر محض بہتان باندھتے ہو۔

وَالِی ثَمُوْدَ اَخَا هُمْ صَالِحًا قَالِ
یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَیْرِهِ هُوَ الَّذِیْ لَکُمْ مِّنْ اَرْضٍ
وَّاسْتَعْمَرْتُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ
ثُمَّ تَوْبُوْا اِلَیْهِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۝

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا تو
انھوں نے کہا کہ قوم! خدا ہی کی عبادت کرو
اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی نے تم کو
زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس کے
مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بیشک
میرا پروردگار نزدیک بھی ہے اور دعا کا قبول
کرنے والا بھی۔

وَالِی مَدَیْنَتَیْنِ اَخَا هُمْ شُعَیْبًا قَالِ
یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَیْرِهِ وَلَا تَقْسُمُوْا بِالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْمِیْزٰنِ
اِنِّیْ اَرٰکُمْ بِخَبَرٍ وَّ اِلٰی اَخَافُ عَلَیْکُمْ
عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٌ ۝

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو
بھیجا تو انھوں نے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی
عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود
نہیں اور ناپ تو ا میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو
آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے
بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف
ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی توحید الوہیت اور بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے اعتقاد

کی دعوت تو بہت ہی صریح اور واضح ہے۔

اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُسْدًا مِنْ قَبْلُ

اور ہم ان کے حال سے واقف تھے، جب انھوں نے

وَكُنَّا بِمِ عَالَمِينَ ۚ إِذْ قَالَ لِأَيُّكُمْ

اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیں

وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ الْقَمَاطِيلُ الَّتِي

ہیں جن کی پرستش پر تم معکف و قائم ہو دو۔

أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۚ قَالُوا وَجَدْنَا

کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش

آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ۚ قَالَ لَقَدْ

کرتے دیکھا ہے، ابراہیم نے کہا کہ تم بھی گمراہ ہو

كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۚ

اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں

پڑے رہے۔

اور ان کو ابراہیم کھال پڑھ کر سنا دو جب

وَأْتَلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ

انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں

لَأَيُّكُمْ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۚ قَالُوا

سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو وہ کہنے لگے

تَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَنْظِلُ لَهَا عَاكِفِينَ

ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُوْنَ

ہیں ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو

أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يُضَرُّونَ، قَالُوا بَلْ

کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ انہیں کچھ

وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ،

فائدہ دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں انھوں نے

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۚ

کہا نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح

أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ الْأَقْدَمُونَ فَادَّبَهُمْ

عَدُوِّكَ الْاَرَبَ الْعَالَمِينَ ۝ الَّذِي
خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي
هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ وَاِذَا امْرُؤٌ
فَهُوَ يَنفِقُ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ
يُحْيِينِ ۝ وَالَّذِي اَطْعَمَ اَنْ يَغْفِرَ لِي
خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝

کرتے دکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ
جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے
باپ دادا بھی وہ میرے دشمن ہیں لیکن خدا نے
رب العالمین میرا دوست ہے جس نے مجھے
پیدا کیا اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے اور وہ
مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں
تو مجھے شفا بخشتا ہے اور جو مجھے مارے گا اور
پھر زندہ کرے گا اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں
کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بیشک وہ نہایت
سچے پیغمبر تھے جب انھوں نے اپنے باپ سے
کہا کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں
جو نہ سنبھل سکیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ
کلام آسکیں۔

اور ابراہیم کو یاد کرو جب انھوں نے اپنی قوم
سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اس سے ڈرو اگر تم
سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تو تم
خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور طوفان باندھتے ہو

وَاِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ
صِدِّيقًا نَّبِيًّا اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يَا اَبَتِ
مَا تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَاَنْتَ
لَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۝

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ احْبُدُوْا
اِلٰهَكُمْ وَانْتَوَوْا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اِلٰهِ اَوْثَانًا وَتَخْلُقُوْنَ اَفْكَارًا

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
 اِلٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَاتَّبِعُوا
 عِنْدَ اِلٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ
 وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

تو جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو
 رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس خدا ہی کے
 ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت
 کرو اور اسی کا شکر کرو، اسی کی طرف تم لوٹ کر
 جاؤ گے۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اِلٰهِ
 اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
 ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ
 وَلَيَعْنُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَّمَا وَاللّٰهِ لَآ
 يَخْلُقُ اِلَّا مَن يَشَآءُ ۝

اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو
 لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی
 کے لئے مگر پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے
 کی دوستی سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے
 پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا
 اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔

اور اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت میں بھی توحید کو امتیازی مقام
 حاصل ہے، چنانچہ قید میں ان کے بلیغ اور حکمت آمیز وعظ کے ذکر میں قرآن میں ہے:-

قَالَ لَا يَأْتِيَكُمُ طَعَامٌ تُرْزَقُوْنَ
 اِلَّا نَبَا تُلْكُمُ بِتَاوِيلٍ فَبِئْسَ لَكُمُ
 ذٰلِكَ اِلٰهًا مَّعًا عَلَّمَنِ رَبِّيْ اِلٰى تَرْكُوتُ
 مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ
 هُمْ كَافِرُوْنَ، وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

یوسف نے کہا جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ
 آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی
 تعبیر بتا دوں گا یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے
 پروردگار نے مجھے سکھائی ہے جو لوگ خدا پر ایمان
 نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں یہ ان کا

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
مَا كُنَّا لَنَآنُشْرِكَ بِاِلٰهِ مِنْ
شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اِلٰهِ عَلَيْنَا
وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُوْنَ، يٰصٰحِبِ السِّجْنِ
اَ اَرٰبَابٌ مُّتَّفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اِلٰهُ
الْوٰحِدُ الْقَهَّارُ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِهِ اِلَّا اَسْمَاعٌ سَمِيَتْ مُوْهًا اَنْتُمْ
وَاَبَاؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اِلٰهُ بِهَا مِنْ
سُلْطٰنٍ، اِنْ اِلْحٰكُمْ اِلَّا لِلّٰهِ اَمْرٌ
اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اَيَّاهُ ذٰلِكَ
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

مذہب چھوڑے ہوئے ہوں اور اپنے باپ ادا
ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر
چلتا ہوں ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو
خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ خدا کا فضل
ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شکر
نہیں کرتے، میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا
کئی جدا جدا آقا چھپے ایک خدا کے کتنا غالب؟
جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو
وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے
باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، خدا نے ان کی کوئی
سند نازل نہیں کی، سن رکھو کہ خدا کے سوا کسی
کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ
اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا
دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور فرعون کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی یہی تھی، جس کا دعویٰ تھا کہ
وہ (قدیم مصریوں کے عقیدہ میں) سب سے بڑے معبود سورج کا منظر ہے، وہ کہتا تھا،
”اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰی“ (میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب) اور جب اس نے موسیٰ علیہ السلام
کی دعوت سنی تو کہا:۔

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ آلِهَةٍ ۚ
عَلَيْهِمْ
اے اہل دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا
نہیں جانتا۔

اور ساتھ ہی دھکی بھی دی:۔

لَئِنْ اتَّخَذَتِ الْإِهَاءُ غَيْرِيَ لِأَجْعَلَكَ
مِنَ الْمَسْجُورِينَ ۝
اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو
میں تمہیں قید کردوں گا۔

اور قرآن نے بہت پرستی کو "شُرک کبر" گندگی اور جھوٹی بات کا نام دیا ہے اور بہت
زوروں سے اس کے معائب بیان کئے ہیں، چنانچہ سورج میں ہے۔

ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ
فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأُولَٰئِكَ لَمْ
يَأْتِ الْإِنَّمَاءُ إِلَّا مَأْتًى عَلَيْهِمْ فَاجْتَنِبُوا
الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا
قَوْلَ الزُّورِ خِفَاءً ۚ إِنَّهُ عَنِ مَشْرِقَيْنِ
يَهُوُّ وَيُسْهِرُ ۚ بِحَدِّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ
مِنَ السَّمَاءِ فَخُطِفَ الطَّيْرُ وَأَوْتَهُوْا
بِهِ الرِّيحَ فِي مَكَانٍ سَحِيحٍ ۝
یہ ہمارا حکم ہے اور جو شخص ادب کی چیزوں کی
جو خدا نے مقرر کی ہیں غفلت رکھے تو یہ پروردگار
کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے اور تمہارے
لئے موبیعی عامل کر دیئے گئے ہیں سوا ان کے جو
تمہیں پڑھ کر سناے جاتے ہیں تو بتوں کی
ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو
صرف ایک خدا کے ہو کر اور اس کے ساتھ
شریک نہ ٹھہرا کر اور جو شخص کسی کو خدا کے ساتھ
شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان
سے گر پڑے، پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں
یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔

ازل سے تا امروز

یہی بہت پرستی اور شرک (یعنی خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا اور ان کے سامنے انتہائی ذلت اور مسکنت کا اظہار) ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان سے دعا، اور وہ کی طلب اور ان کے لئے نذر و نیاز) عالمگیر اور ابدی جاہلیت ہے، اور یہی نوع انسانی کی پرانی کمزوری اور قدیم ترین مرض ہے، جو زندگی کے تمام مراحل، تغیرات اور انقلابات میں نوع انسانی کے پیچھے لگا رہتا ہے، اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے، بندوں کی روحانی اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا روڑا بنتا ہے، اور ان کو بلند درجات سے گرا کر عمیق گڑھوں میں ڈال دیتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ
ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت کو بدل کر پست سے پست کر دیا۔

اور یہی جہالت انسانوں کو مسجود ملائک کے بلند و بالا مقام سے گرا کر ضعیف مخلوقات اور ذلیل و بے حقیقت اشیاء کے سامنے سجدہ ریز کر دیتی ہے، اور انسان کی قوتوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے، ان کی صلاحیتوں کا خون کر دیتی ہے، قادر مطلق پر اس کے یقین اس کی خود اعتمادی، اور خود شناسی کا خاتمہ کر دیتی ہے، اور سمیع و بصیر صاحب قدرت و قلم صاحب جود و عطا اور مغفرت و محبت والے خدا کی محفوظ و مستحکم پناہ سے نکال کر اور اس کی لامحدود صفات اور نہ ختم ہونے والے خزانوں کے فوائد سے محروم کر کے کمزور،

عاجز، فقیر اور حقیر مخلوقات کے زیر سایہ پناہ لینے پر مجبور کر دیتی ہے، جن کی جھولی میں کچھ نہیں
يُؤَيِّجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَيُؤَيِّجُ النَّهَارُ
فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ
رَبُّكُمُ لَهُ الْمُلْكُ، وَالَّذِينَ تَدْعُونَ
مِنْ دُونِ مَا عَلَيْكُمُ مِنْ قَضَائِهِ
إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ
وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ، وَيَوْمَ
الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشِيرِكُمْ وَاٰيَاتِكُمْ
مِثْلُ خُبَيْرٍ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ
إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور وہی دن کو
رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور
چاند کو کام میں لگا دیا ہے ہر ایک ایک وقت
مقرر تک چل رہا ہے یہی تمہارا پروردگار ہے
اسی کی بادشاہی ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے
سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے پھلکے کے برابر
بھی تو کسی چیز کے مالک نہیں اگر تم ان کو پکارو
تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی میں تو
تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت
کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے
اور خدا سے باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دیگا
لوگو تم سب خدا کے محتاج ہو اور خدا بے پڑا
سزاوار حمد و ثنا ہے۔

قرآنی اصطلاحات صحابہ کی نظر میں

یہی شرک و بت پرستی (البعث الطبیعیاتی حدود کے اندر ہی) اپنی تمام واضح اور
غیر واضح شکلوں کے ساتھ ہر زمانہ ہر ماحول اور ہر معاشرہ میں انبیاء کے کرام علیہم السلام کے

جہاد کا موضوع رہا ہے اور اسی نے اہل جاہلیت کی آتش غضب کو بجھکا دیا اور وہ چنچ پڑے۔
 أَجْعَلُ لِلَّهِ إِلَهًا وَاحِدًا، إِنَّ هَذَا
 کچا سنے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود
 بِنَا دِیَا یَہُیَ قُوْطْرَیْ عَجِیْبَ بَاتِ ہے تُو اُن مِیں جُو
 مَعْرُزِ تَحْہے وَہ چَل کھڑے ہوئے اور بولے کہ چلو
 اُو ر اُسے مَعْبُودُوں کی پُو جَا پَر قَائِم رُہو بَیْشِک
 یَہ اِیسی بَاتِ ہے جِس سے تُم پَر شَرَف وَفَضِیْلَتِ
 مَقْصُودِ ہے یَہ پَچھلے مذہب مِیں ہُم نے کبھی سنی
 ہِی نہیں یَہ بَا کُل بِنائی ہوئی بَاتِ ہے۔

اور جس صاحب عقل و فہم نے بھی عہد نبوی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو اور صحابہ کرام کے
 حالات سے باخبر ہو، اس کو اس امر میں ذرا بھی شبہ نہ ہو گا کہ ہماری پیش کی ہوئی آیتوں سے
 صحابہ کرامؓ یہی عریاں و تنہیت، موتیوں اور بتوں کی کھلی پرستش، گزرے ہوئے یا
 موجود اشخاص کی تقدیس و تعظیم ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان کے لئے نذر و نیاز، ان کے
 ناموں کی قسمیں، ان کی عبادت سے اللہ کے قرب کا حصول، ان کی شفاعت پر یقین، کامل،
 اور ان سے نفع و نقصان اور مصائب کے ازالہ کی درخواست وغیرہ ہی سمجھتے رہے ہیں، اور
 اسی طرح ”الہ“ رب، ”عبادت“ اور ”دین“ سے بھی ان کلمات کا صرف دینی مفہوم ہی
 سمجھا ہے، اور ان کے اسالیب کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اقوال و آثار میں
 بے شمار مقامات پر یہی مفہوم مراد ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

دینی دعوت و تحریک کا بنیادی رکن کیا ہونا چاہئے

اور یہی قیامت تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکیوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝
اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

اور یہی تمام مصلحین، مجاہدین اور الشریکوں کی طرف دعوت دینے والوں کا شعار ہے، رہے جاہلیت کے دوسرے مظاہر، جیسے غیر الشریک کی اطاعت، ان کی قوت حاکمہ کو تسلیم کرنا، غیر الہی قوانین کو قبول کرنا اور ایسی حکومت تسلیم کرنا، اور اس کے احکام و قوانین کے سامنے تسلیم ختم کرنا جو خلافت النبیہ کی بنیادوں پر قائم نہ ہوئی ہو، تو یہ سب سب ہی بت پرستی اور شرک کے تابع ہیں، اور ان کا درجہ اس کے بعد ہے، اور یہ ہر گز جائز نہیں کہ سابق الذکر شرک جلی کی اہمیت کو کم کر دیا جائے اور دعوت و تبلیغ کے بنیادی اصولوں میں اس کو بھی حثیت دی جائے، یا سیاسی اطاعت و حکومت کو اور اس کو ایک درجہ میں رکھا جائے اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جائے، یا یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ گذشتہ قدیم جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے، جس کا زمانہ گزر چکا اور اب اس کا دور بھی ختم ہو چکا کیونکہ یہ انبیاء کے کرام کی دعوت ان کی جدوجہد اور ان کی مقدس کوششوں کے حق میں بداندیشی ہوگی اور قرآن (جو آخری اور ابدی کتاب ہدایت ہے) کی ایدیت میں شک و شبہ کے مترادف ہوگا، اور اس ایمان و اعتقاد میں بے یقینی کے ہم معنی ہوگا کہ انبیاء کے کرام کا طریق کار ہی بہترین طریق کا ہے جس کو اللہ تعالیٰ

پسند فرمایا ہے، اور اس کے لئے اس قدر تائید و توفیق کامیابی و کامرانی اور بار آوری مقدر فرمائی ہے، جتنی کسی بھی دوسرے اصلاحی طریق کار کے لئے نہیں۔

نوجوان داعیوں اور انشا پردازوں سے

عزیز نوجوانو! تم اپنی دانش گاہ سے انشاء اللہ داعی اور مصلح، انشا پرداز اور مصنف اور قائد و رہنما بن کر نکلو گے، میں چاہتا ہوں کہ یہاں تم کو ایک نصیحت کرتا چلوں جو طویل مطالبہ کا حاصل اور تجربات کا پتوڑ ہے، اور تم اس کی صحیح اہمیت اور اس کی قدر و قیمت، طویل تجربہ کے بغیر نہیں سمجھ سکو گے۔

خبردار! اہتمامی تحریریں، اور اسلام، اس کے حقائق اور اس کے اصولوں کے پیش کرنے کا تمہارا انداز ہرگز قاری کو یہ تاثر نہ دینے پائے کہ مسلمان اس طول و طویل مدت میں مستقل جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے، اور دین کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے، جو کہ ہر زمانہ اور ہر ماحول کا دین ہے اور اسی طرح قرآن کی بنیادی اصطلاحات اور تعبیروں کو سمجھنے سے بھی قاصر رہے، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طویل مدت میں یہ کتاب غفلت اور جہالت کی نذر نہ ہی، اس کے حقائق کو سمجھا نہیں جاسکا، اور نزول کے تھوڑے ہی مدت کے بعد اس سے استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ تصویر قرآن کی آیت مبارکہ ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ (ہمیں نے اتاری ہے یہ نصیحت یعنی قرآن اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ فضل و احسان کے موقع پر حفاظت کے وعدہ میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل اور زندگی میں ان کا انطباق بھی شامل ہوتا ہے، اور ایسی کتاب کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے، جو طویل مدت تک معطل پڑی رہے، نہ سمجھی جائے

نہ اس پر عمل کیا جائے نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:-

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَاِذَا
 قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنًا ثُمَّ اِلَيْنَا
 بَيِّنَاتٌ ۝۱۰

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے
 جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم اس کو سن کر اور پھر
 اسی طرح پڑھا کرو، پھر اس کے معانی کا بیان بھی

ہمارے ذمہ ہے۔

غور و فکر کا یہ انداز، جسے دور حاضر کے بعض مفکرین اور انشا پرداز اختیار کر رہے ہیں، اس ابدی اور انقلاب آفریں صلاحیتوں اور کارناموں سے بھرپور امت پر ایک طویل المیعاد فکری قحط اور ذہنی و علمی تعطل کا الزام عائد کرتا ہے، جو درخت اپنی زندگی کی بہترین مدت میں برگ و بار نہ لائے اور بے حاصل اور بے ثمر پڑا رہے، اس کی افادیت اور فطری صلاحیت مستقل طور پر مشکوک ہو جاتی ہے، اور اس سے مستقبل میں بھی کسی بڑی بھلائی کی امید کرنی مشکل ہے۔

www.KitaboSunnat.com

لے القیامہ ۱۷-۱۹

۱۷ نمونہ کے طور پر یہاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بانی جماعت اسلامی کی مشہور و مقبول کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات" کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، مصنف "الہ" رب "دین" عبادت کے قرآنی کلمات اور اسلامی اصطلاحات کا ذکر کرنے اور یہ ثابت کرنے کے بعد کہ نزول قرآن کے وقت اسکا ہر مخاطب جس کی زبان عربی تھی، ان چاروں بنیادی اور قرآنی اصطلاحوں کے صحیح معنی اور مفہوم سے آشنا تھا لکھتے ہیں:-

لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن

کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر

نہایت محدود و بکواس مفہومات کے لئے خاص ہو گیا "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات" (باقی صفحہ پر)

نتیجہ اگرچہ بادی النظر میں کچھ زیادہ اہم اور سنگین نہ معلوم ہو، لیکن اس کے اثرات ذہن و دماغ اور طرز فکر پر بڑے گہرے اور دور رس ہیں، اس لئے کہ یہ اس امت کی صلاحیت ہی میں شک و شبہ پیدا کر دیتا ہے، جو نہ صرف اس دین و پیغام کی حامل ہے بلکہ اس کو دنیا میں پھیلانے اس کی تشریح کرنے اور اس کی حفاظت کی بھی ذمہ دار ہے، اور اس سے اس امت کی گزشتہ تاریخ، اس کے مجددین، مصلحین اور مجتہدین کے علمی و عملی کارنامے بھی مشکوک اور کم قیمت ہو جاتے ہیں، اور آئندہ کے لئے بھی یہ بات بڑی مشتبہ ہو جاتی ہے کہ جو کچھ کہا اور سمجھا گیا ہے وہ صحیح ہے

(باقی مآ کا) پھر اس کے وجہ و اسباب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں، ”نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے اصل مباحث

کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا، (ص ۵۷)

پھر اس غلط فہمی کے نتائج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے ستور ہو گئی ہے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد و اعمال میں جو نقائص نظر آ رہے ہیں، ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔“ (ص ۵۸)

ان عبارتوں کا پڑھنے والا جس کا مطالعہ کر اور وسیع نہیں ہے اور جو اس حقیقت سے واقف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عام گمراہی اور دین سے ایسی نا آشنائی سے محفوظ رکھا ہے جو زمان و مکان کے حدود سے بے نیاز ہو کر ساری امت پر سایہ نیک ہو، نتیجہ بحال سکتا ہے کہ قرآن مجید کی حقیقت اس طویل مدت امت کی (یا زیادہ مختاط الفاظ میں امت کے اکثر افراد کی) نگاہ سے اوجھل رہی اور امت بحیثیت مجموعی ان بنیادی الفاظ کی حقیقت ہی سے بے خبر رہی، جن کے گرد اس کتاب کا پورا نظام گردش کرتا ہے، اور جن پر اس کی تعلیمات اور دعوت کی عمارت قائم ہے، اور یہ پردہ اس صدی کے وسط ہی میں اٹھ سکا۔

اور جو کچھ کہا اور سمجھا جائے گا وہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اس سے ظاہر و باطن اور مغز و پوست کے اس فلسفہ اور دینی حقائق کو ایک نہایت عمیق و مفہم معنی اور حقیقتاں قرار دینے کی سعی کو شہادت ہے جس سے باطنیوں کے مختلف فرقوں نے مختلف زمانوں میں فائدہ اٹھایا۔

یہ اس علمی حقیقت اور عقیدہ کے بھی خلاف ہے کہ یہ دین اس نسل کو صرف کتابی شکل میں نہیں ملا، بلکہ ایک نسل نے دوسری نسل تک اس کے الفاظ و معانی ہم بلکہ طریق عمل تک کو منتقل کیا، اور توارث کا یہ سلسلہ لفظ و معنی دونوں میں جاری رہا، نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو جابجا "الکتاب المبین" اور عربی مبین کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور ایک جگہ اس کی آیات کے محکم اور مفصل ہونے کا ذکر کیا ہے یہ صفات اور تعریفیں بھی اس خیال کے منافی ہیں کہ قرآن مجید کے متعدد بنیادی حقائق طویل عرصہ تک پردہ خفا میں رہے۔

اس طرز تحقیق اور طرز کلام سے ضمنی طور پر یہ نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے کہ امت پر ایک ایسا طویل دور گذرا ہے، جب وہ قرآن مجید کے ایسے اہم بنیادی اصطلاحات کے صحیح مفہوم اور مضمرات سے نا آشنا رہی ہے، جن پر اس کے صحت فکر اور صحت عمل کا دار و مدار ہے اور جس کو صریح جہالت و غفلت، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر ضلالت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، حالانکہ کتاب سنت اور احادیث کے ذخیرہ سے مجموعی اور اصولی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہم سابقہ کے برخلاف یہ امت کسی دور میں بھی عمومی و عالمگیر ضلالت میں مبتلا نہیں ہوگی جلیل القدر محدثین و علمائے اس کی تصریح کی ہے کہ اگرچہ مشہور روایت "لا تجتمع اُمتی علی ضلالة" لفظاً و انداً ثابت نہیں ہے، لیکن وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے صحیح ہے، مشہور اندلسی محدث و ناقد علامہ ابو محمد علی بن حزم (م ۴۵۶ھ) اپنی کتاب "الإحكام فی أصول الأحكام" میں لکھتے ہیں۔

”محدثین کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی غیر حق پر متفق نہیں ہو سکتی اس لئے کہ آپ نے اس کی خبر دی ہے کہ ہر دور میں حق کے علمبردار رہیں گے، بیان کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”لا تجتمع امتی علی ضلالة“ اگرچہ اس کے الفاظ وسند درجہ صحیح کو نہیں پہنچے لیکن اس کا مفہوم اور نتیجہ ان احادیث کی بناء پر جن میں ہر دور میں حق پر قائم رہنے والوں کی خبر دی گئی ہے صحیح اور ثابت ہے۔^۱

حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ امت ایک سنت پر عمل کرنے کے ترک پر بھی کبھی مجتمع نہیں ہوئی سوائے اس سنت کے جس کا نسخ ظاہر و ثابت ہے۔^۲

حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تفسیر میں سورہ نسا کی آیت ”وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”اس امت کے لئے اس بات کی ضمانت کی گئی ہے کہ وہ کسی غلط چیز پر متفق ہو جانے سے محفوظ کر دی گئی ہے۔“^۳

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اجماع کی بحث کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔
”امت کا اجماع اپنی جگہ پر حق ہے اس لئے کہ امت احمد ثلثہ کسی ضلالت پر

۱۔ یہ علامہ ابن حزم کی رائے ہے، اور نہ مشہور محدث و ناقد حدث علامہ سخاوی کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کا متن مشہور ہے اور اس کے اسانید کثیر اور اس کے شواہد متعدد ہیں۔ (المقاصد الحسنیہ)

۲۔ الاحکام ج ۴ ص ۱۳۱، طبعہ اولیٰ مطبعة سعده مصر۔

۳۔ اعلام الموقعین، ج ۲ ص ۳۲۰

۴۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ مطبع دارالاندلس ص ۳۹۳

مجمع نہیں ہو سکتی! جیسا کہ کتاب وسنت میں اس کی صفت میں بیان کیا گیا ہے
 ارشاد ہے کہ ”کنتم خیر امة.....“ نیز ”الذی یجدونه مکتوبا
 عندهم فی التوراة والانجیل یا مہم بالمعروف وینہاہم
 عن المنکر“ نیز ”والمؤمنون بعضہم اہلک بعض یا مروت
 بالمعروف وینہون عن المنکر“ تو اگر امت دین کے بارے میں کسی
 ضلالت کی معتقد ہو جائے تو گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں
 کیا گیا، اسی طرح ارشاد ہے: ”وکنذ لک جعلناکم امة وسطا.....“

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس انداز فکر میں اس اہمیت و مقبولیت کو بھی بڑا دخل
 ہے، جو ہمارے زمانہ میں سیاسی اقدار، سیاسی اداروں اور تنظیموں نے حاصل کر لی ہے، اسلامی
 نظام کا اجراء، حکومت الہیہ کا قیام اپنی جگہ پر نہایت صحیح اور ضروری مقاصد ہیں، جن میں
 دورائیں نہیں ہو سکتیں، مسلمان اہل فکر اور اہل قلم کا فرض ہے کہ اپنی تمام توانائیاں اور
 پوری صلاحیتیں اس عظیم مقصد کے حصول میں لگا دیں، لیکن اس مقصد کے لئے قرآن مجید کی آیات
 و اصطلاحات سے بہ تکلف اپنے مدعا کو ثابت کرنے اور سارے قرآن کو اسی رنگ میں دیکھنے کی
 ضرورت نہیں، ان کی ترغیب و تاکید اور ان کی اہمیت و عظمت کے ثبوت کے لئے کتاب و
 سنت کے ذخیرہ میں واضح دلائل و نصوص موجود ہیں، (اور انھیں کی روشنی و رہنمائی میں ہر دور
 کے صحیح الفہم اور عالمی ہمت مسلمان مصلحین اور داعیوں نے کوشش کی) ان کی موجودگی میں
 ان تکلفات کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

لے فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۹ ص ۱۶۶۔

۷۷ حال میں راقم سطور کو ایک مسلمان فاضل کے مقالہ کے سننے کا موقع ملا جس میں انھوں نے (باقی صفحہ پر)

دعوت انبیاء میں عقیدہ آخرت کا اہتمام

نبوت کے فخر و خال نمایاں کرنے والی صفات اور اس کی علامتوں اور خصوصیات کی دوسری اہم چیز ہے، عقیدہ آخرت کا اہتمام، اس سے دلچسپی اور اشتغالی کا اظہار اس کی تبلیغ و تشہیر اور اس کی اہمیت پر اتنا زور کہ انبیاء کے کرام کی دعوت کا بنیادی نقطہ بن جائے جو لوگ انبیاء کے کرام کے اقوال و احوال کے مطالعہ میں زندگی گزارتے ہیں اور ان کے کلام کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، وہ صاف محسوس کرتے ہیں کہ جیسے آخرت ہمیشہ ان کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے، اور اس کی تصویر، نعمت و مصیبت اور سعادت و شقاوت کی تمام تفصیلات کیساتھ ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے، اور وہ ہمہ وقت جنت کے شدید اشتیاق اور جہنم سے شدید خوف کے عالم میں رہتے ہیں، اور یہ فطری بات ہے، یہ بات ان کے لئے بالکل مشاہدہ اور ایک اقدہ کی حیثیت رکھتی ہے، جو ان کے شعور و احساس، اعصاب اور قوت فکریہ پر غالب آ جاتا ہے، ہمارے لئے کافی ہے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مطالعہ کریں جس کو قرآن نے نقل کیا ہے، جس وقت آپ نے آخرت کا ذکر کیا ہے، اور اس کی ہمیت و خوف کا تصور ذہن میں آیا ہے، قلبی جوش اور جذبات کا سیلاب رواں ہو گیا ہے، وہ

(باقی ملہ کا) ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ "صلوٰۃ" آیا ہے اس سے مراد اسلامی حکومت اور اقتدار ہے، جہاں "صلوٰۃ" کا مطلق لفظ آیا ہے اس سے مراد علاقائی حکومت ہے، اور جہاں "الصلوٰۃ الوسطی" کا لفظ آیا ہے اس سے مراد مرکزی حکومت ہے، یہ اس طرز فکر کا ایک نمونہ ہے، جو ایک مقصد اور مرکزی فکر کو سامنے رکھ کر سارے قرآن مجید کو، یا دینی ذخیرہ کو اس کے مطابق بنانے اور اس سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش سے پیدا ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں۔

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي
يَوْمَ الدِّينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا
وَأَجْعَلْنِي بِالصَّالِحِينَ وَاجْعَلْ لِي
لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝
وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ
وَاعْفُرْ لِي إِنِّي كَانُ مِنَ الصَّالِحِينَ
وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ يَوْمَ
لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ
آتَى اللَّهَ قَلْبًا سَلِيمًا ۝ وَأَزْلِفَتْ
الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَبُرِزَتِ الْحَجِيمُ
لِلْغَاوِينَ ۝

اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت
کے دن میرے گناہ بخشے گا اے پروردگار مجھے
علم و دانش عطا فرما اور نیکو کاروں میں شامل کرادے
پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک جاری کر اور مجھے
نعمت کی بہشت کے وارثوں میں کر اور میرے
باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے اور
جس دن لوگ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے
مجھے رسوا نہ کیجئے جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ
دے سکے گا اور نہ بیٹے ہاں جو شخص خدا کے
پاس پاک دل لے کر آیا وہ بچ جائے گا اور
بہشت پر سبز گاروں کے قریب کر دی جائیگی
اعد و زخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی۔

اسی طرح عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام بھی آخرت کو اسی نقطہ نظر سے
دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ اس وقت عظمت و سیادت کی انتہائی بلندی پر متمکن تھے، اس کا
سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سرسبز و شاداب ملک مصر ان کے تابع فرمان تھا، اس میں انھیں
کا سکھ چلتا تھا، بوڑھے باپ اور عزیز خاندان سے ملا کر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو کھلادیا
اور قلب کو مسرت سے معمور کر دیا تھا، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا اقبال اور

جاہ و جلال دیکھ کر ان کے خاندان والوں میں بھی مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی تھی، یہ نعمتیں اور احسانات کسی عالی ہمت جو صلہ منہ شخص کو خوش اور مطمئن کرنے کے لئے کافی تھی، لیکن اس وقت بھی یوسف علیہ السلام کدو و دماغ پر آخرت اور حسن انجام کی فکر چھائی ہوئی تھی، جس نے ان کی نظروں میں اس رفعت و عظمت کو بالکل بے حقیقت بنا دیا تھا، ان کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی، چنانچہ وہ شکر، دعا، رضا اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہتے ہیں۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي
مِنْ تَاوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ

اے میرے پروردگار تو نے مجھے حکمت سے
بھر دیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، آسمانوں
اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت
میں میرا کارساز ہے تو مجھے دنیا سے اپنی اطاعت
کی حالت میں اٹھا اور آخرت میں اپنے نیک
بندوں میں داخل کر۔

نصیحت اور موعظت کا اصل محرک

آخرت پر ایمان اور وہاں ملنے والی لابدی سعادت اور لازوال شقاوت اور ان تمام انعامات (جنہیں اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لئے مہیا کر رکھا ہے) اور تمام عذابوں (جو نافرمان کافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں) کا ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے ہونا، یہی انبیاء کرام کی دعوت اور ان کی پسند و نصیحت کا اصل محرک ہے، یہی ان کو پریشان کر رہا تھا

ان کی آنکھوں سے نیند اڑا دیتا ہے، ان کی پرسکون و پاکیزہ زندگی کو مکدر کر دیتا ہے، اور ان کو کسی حالت میں سکون اور کسی پہلو پر قرار نہیں ملتا، ان کی نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے شرف و حالات کی اتبری اور ماحول میں خرابیوں کے پروان چڑھنے کی صورت میں۔۔۔۔۔

ان کے دل و دماغ پر سب سے زیادہ اثر انداز اور ان کے لئے سب سے طاقتور محرک یہی فکر آخرت ہے، اور وہ اسی کو اپنی دعوت و تبلیغ کی اصل وجہ اور خوف و اضطراب کا اصل سبب قرار دیتے ہیں، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام (سب سے پہلے رسول جن کا قرآن تفصیل سے تذکرہ کرتا ہے) کے بارے میں ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنِّي خَشِيتُ عَلَيْكُمْ أَنَّ أَبْ يَوْمٍ إِلَيْهِ تَلْمِذُونَ ۝
اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے ان سے کہا کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈرانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق بھی جو پرانے انبیاء کرام میں سے ہیں اور ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، جن کو زندگی کی ساری سہولتیں مسرتیں، جن کی دنیا بہت وسیع تھی، اور وہ بہت ہی خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي آمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۝
اور اس سے سب نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو اور اس نے تمہیں چار پالیں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے

عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ

مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے سخت دوزخ کے
عذاب کا خوف ہے۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں یہ ایسی قوم میں مبعوث کئے گئے
تھے، جن کی زندگی لطافت و سعادت سے بھرپور تھی اور ان کی سرزمین سرسبز و شادابی سے
لہلہا رہی تھی۔

إِنِّي أَرَاكُمْ مَخِرِّقِينَ إِيَّايَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابٌ يَوْمَ يُخَيِّطُ
میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور اگر تم
ایمان نہ لاؤ گے تو مجھے تمہارے بارے میں
ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو
تم کو گھیر کر رہے گا۔

عقیدہ آخرت کا اثر انبیاء کے متبعین پر

یہ اندازِ نظر صرف انبیاء ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ ان کی قوتِ تاثیر اور فصاحت
سے ان کے متبعین اور ان پر ایمان لانے والوں پر بھی اس کا اثر پڑا، اور ان پر بھی اس زندگی کی
کم مائیگی، بے حقیقتی اور ناپائیداری اور اخروی زندگی کی عظمت و ابدیت واضح ہو گئی اور
یہ کہ آخرت ہی وہ اہم اور عظیم حقیقت ہے جس کے لئے مجاہدین جہاد کرتے ہیں کام کرنے
والے آگے بڑھتے ہیں اور مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش
کرتے ہیں چنانچہ مومن آلِ فرعون کہتا ہے۔

يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا
بھائیو دنیا کی زندگی چند روز فائدہ اٹھانے کی

مَنَعُكَ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ
 مَنَعَمِلٍ سَيِّئَةٍ فَلَا يُجْزَىٰ
 إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ
 ذَكَرٍ أَوْ اُنْتَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ
 يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا
 بِغَيْرِ حِسَابٍ

چیز ہے اور ہمارے لئے ہمیشہ رہنے کا
 گھر ہے، جو برے کام کرے گا، اس کو بدلہ بھی
 ویسا ہی ملے گا، اور جو نیک کام کرے گا
 مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی
 ہو گا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے
 وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

اور فرعون کے جادو گروں کے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے چند ہی لمحے کے بعد
 جب فرعون نے ان کو دردناک سزا کی دھمکی دی اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ سزا کیا تھی، ان کی
 سزا تجویز ہوئی تھی، ان کے ہاتھ اور سیر کو مخالف سمتوں سے کاٹنا، (یعنی دایاں ہاتھ تو بایاں
 پیر اور بایاں ہاتھ تو دایاں پیر) اور درختوں پر سولی دینا، تو انھوں نے ہر جہت سے جواب دیا۔

قَالُوا لَنْ نُّشْرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ
 الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ
 مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ
 الْحَيَاةَ الدُّنْيَا إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لَوْلَا
 ظَلَمْنَا نَاوَمَا لَكُمُنَا عَلَيْهِ مِنْ
 الْحَسْبِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْغَىٰ إِنَّ مِنْ
 يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ
 لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ وَمَنْ يَبْتَغِ

انھوں نے کہا جو دلائل ہمارے پاس آگئے ہیں
 ان پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم آپ
 کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جو حکم دینا ہو
 دیدیجئے اور آپ جو حکم دے سکتے ہیں وہ صرف
 اس دنیا کی زندگی میں دے سکتے ہیں ہم اپنے
 پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے
 گناہوں کو معاف کرے اور اسے بھی جو آپ نے
 ہم سے زبردستی جا رو کر لایا اور خدا بہتر اور باقی

مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ
فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى
جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ
جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى لَهُ

رہنے والا ہے، جو شخص اپنے پروردگار کے پاس
گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے جس میں
نہ مرتے گا نہ جئے گا اور جو اس کے روبرو ایماندار
ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے تو ایسے
لوگوں کے لئے اونچے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ
رہنے کے باقی جن کے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ
ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو
پاک ہو۔

اعمال کی غایت آخرت میں سزا یا جزا

انبیاء کرام علیہم السلام سے بعید بلکہ ناممکن ہے کہ وہ (معاذ اللہ) اپنی امت
اور ماننے والوں کو سیاست و حکومت یا دنیاوی منفعت کا لاپچ دلائیں اور ان منافع کو ان کے
ایمان کی قیمت اور اپنی دعوت قبول کرنے کا معاوضہ بتائیں، بلکہ اس کے خلاف حب جاہ،
شخصی یا قومی بلندی اور حوصلہ مندی کے تحت سر بلندی اور لوگوں پر غلبہ و استیلا کی پر زور
مخالفت کرتے ہیں، قرآن بیانگ دہل اعلان کرتا ہے۔

تِلْكَ الدَّرَجَاتُ الْآخِرَةُ الَّتِي كُنْتُمْ تُجْعَلُونَ فِيهَا
لَا يُرِيدُ فَنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا
فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ

وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے
لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں آتی سر بلندی و فساد کا ارادہ
نہیں کرتے اور انجام نیک تو پر ہیزگاروں ہی کا ہے

انبیاء اپنے قبیحین میں اللہ کی رحمت کی امید اور طلب پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، اعمال کا تعلق آخرت کی جزا و سزا سے جوڑتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ یہ ایمان، اطاعت اور استغفار اللہ کی رحمت کو جوش میں لاتے ہیں، روزی بکھیرتے ہیں، اور بارش لاتے ہیں، لوگوں کو قحط اور عسرت سے نجات دلاتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام اللہ سے اپنی قوم کی شقاوت و بدبختی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلَ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلُ لَكُمْ أَنْهَارًا
اور کہا اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا مہربان کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے بار بار مینہ برسانے والا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہائے گا۔

اسی طرح ہود علیہ السلام اپنی قوم کو رب سے طلب مغفرت کی فمائش کرتے ہیں اور اس کے منافع بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

يَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَكَّلُوا عَلَىٰ حُجُرَيْمٍ ۚ
اور اے قوم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے مینہ برسانے والا اور تمہاری طاقت بڑھائے گا اور دیکھو گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو۔

یہ ایمان اور استغفار کی فطرت اور اس کی طبعی خاصیت ہے، جو اس سے کبھی الگ نہیں ہو سکتی، جیسے اور اشیاء کی فطرت نہیں بدل سکتی، دواؤں کی خاصیات ختم نہیں ہو سکتیں،

اور فطرت کے قوانین اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتے۔

انبیاء اور ان کے متبعین کی سیرتوں میں آخرت کا مقام

آخرت کی اہمیت، دنیا پر آخرت کی ترجیح اور دنیا اور اس کے مال و متاع کو بے قیمت سمجھنے کی دعوت محض زبانی دعوت نہ تھی، نہ صرف امتیوں کے لئے تھی بلکہ یہی ان کی زندگی کا بنیادی اصول اور ان کا طرز عمل تھا، وہ اس پر سب سے پہلے خود ایمان لاتے تھے اور اپنے خاص لوگوں میں، اپنے خاندان میں، اور اپنی پوری زندگی میں، اسی راہ پر گامزن رہتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام اپنی پوری جماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَمَا أَرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ
اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں۔

وہ دنیا کی طرف سے بے فکر اور آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے تھے، انھوں نے بلند مراتب اور اہم مناصب سے بے توجہی برتی، اور اپنی دعوت کی راہ میں ان کو قربان کر دیا، اور قیمتی مواقع، ضائع کر دیئے، حالانکہ ان میں اکثر ایسے تھے کہ جن کا مستقبل روشن اور درخشنا تھا، اور وہ اپنی ذہانت، دکاوت، مہارت، خاندانی شرافت، و نجابت اور حاکم خاندان یا شاہی دربار سے تعلق کی بنا پر اپنے ماحول کے ممتاز اور درخشندہ لوگوں میں سے تھے، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

يَا صَالِحُ فَكَيْفَ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا
اے صالح تم تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے۔

اور انبیاء کے اہل بیت اور اہل خاندان نے بھی یہی روش اختیار کی جیسا کہ سرور انبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوْجِكَ إِن كُنْتُمْ
تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَقَالَيْ
أَقْبَعَكُنَّ وَأَسْرَحَكُنَّ سَرَّ لَهَا جَمِيلًا
وَإِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ
لِلْمُحْسِنِينَ فَتَكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا
اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی
زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواہش رکھو
ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح
سے رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اس کے
پیغمبر اور عاقبت کے گھر یعنی بہشت کی طلبگار
ہو تو تم بھی نیکو کاری کرنے والی ہیں ان کے لئے
خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اور آپ کی صحبت کی تاثیر تھی کہ تمام ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) نے اللہ اور
اس کے رسول ہی کو ترجیح دی اور دوسروں کے ساتھ خوشحالی اور عیش و آرام کی زندگی سے منہ
موڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فقر اور قناعت کی زندگی کو پسند کیا، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے اہل بیت کے طرزِ معیشت سے کون ناواقف ہے،
وہ سیرت و تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جو تعجب خیز بھی ہے اور سحر انگیز بھی، وہ قلوب کی
عظمت و ہیبت سے معمور رویتا ہے، منہاج نبوت پر چلنے والوں اور دین حق کے داعیوں
کے لئے روشنی کا مینار قائم کرتا ہے، اس زندگی کا ہمیشہ کا شعار تھا: اللہم لا عیش
لا عیش لا آخرۃ (اے اللہ! زندگی تو پس آخرت کی زندگی ہے) — اور جس کی
مقبول دعا تھی: اللہم اجعل رزق آل محمد قویۃ (اے اللہ! آل محمد کے رزق کو
صرف گز بسیر کے لائق رکھ)۔

نبوی اور اصلاحی دعوؤں کا فرق

انبیاء کی آخرت پر ایمان کی دعوت اور اس کی اہمیت کی تبلیغ و تشہیر صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے تحت نہیں تھی جس کے بغیر اسلامی معاشرہ کیا، کوئی بھی معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا، نہ پاکیزہ تمدن کی بنیاد پڑ سکتی ہے، یہ طرز فکر بھی اگرچہ قابل تعریف ہے، لیکن انبیاء کے طریق کار ان کی سیرت اور ان کے خلفاء کے طریق کار سے بالکل مختلف ہے، ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے (انبیاء کے) طریقہ میں بی ایمان، وجدان، قلبی جذبہ و احساس اور ایسا عقیدہ ہے کہ جو انسان کے احساسات، خیالات، افکار اور اعمال پر پوری طرح قابو حاصل کر لیتا ہے، اور دوسرے طریقہ میں صرف اعتراض، اقرار اور مضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے، اول الذکر حضرات آخرت کے متعلق گفتگو کرتے ہیں، تو تڑپ، وارفتگی اور لذت کے ساتھ اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں، تو جوش و قوت کے ساتھ اور دوسرے لوگ اس کے بائے میں گفتگو کرتے ہیں تو اخلاقی یا معاشرتی ضرورت کی حد تک اور اصلاح یا اخلاقی تنظیم کے جذبہ سے اور داخلی جذبہ وجدان اور شعور کے تقاضوں اور اجتماعی مصالح اور منطقی ضرورتوں کو تسلیم کرنے کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ایمان بالغیب کا مطالبہ

انبیاء کی دعوتوں اور ان کی کتابوں کی خصوصیات اور نبوت کی ممتاز اور واضح خطوط اہی میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ایمان بالغیب پر بہت زور دیتے ہیں، اور ہدایت اور دین سے فائدہ حاصل کرنے کی بنیادی شرط ہدایت یافتہ لوگوں کا شعار اور ارباب صلاح و تقویٰ کی اہم پہچان

قرار دیتے ہیں، اور بہت زور اور قوت کے ساتھ اس کا مطالبہ کرتے ہیں، چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

الْمُذَلِّكَ الْكِتَابَ لَا رَيْبَ فِيهِ
هُدًى لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُولَئِكَ عَلَى
هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کوئی شک نہیں کہ
کلام خدا ہے، خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے
جو غیب پر ایمان لاتے اور آدائے ساتھ نماز پڑھتے
اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے، اسی میں سے خرچ
کرتے ہیں اور جو کتاب (لے محمد) تم پر نازل ہوئی اور
اور جو کتابیں تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئیں
سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے
ہیں، یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت

پہنیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔

اور جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور اسلام (جو تمام انبیاء کا دین ہے) پر ایمان
لاتے ہیں، ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اللہ کی بلند و برتر صفات، اس کی لامحدود قدرت اور
اس کے حیر العقول افعال کی دل سے تصدیق کریں، جو بسا اوقات ناقص تجربات، محدود علم اور
کمزور عقل کو چیلنج کرتے ہیں، اور رسولوں کی لائی ہوئی اور آسمانی کتابوں میں ذکر کی ہوئی تمام باتوں
پر صدق دل سے ایمان لائیں اور ان خبروں پر چون کا نہ کبھی انسان نے تجربہ کیا نہ جو اس ظاہر نے
ان کی تصدیق کی، نہ عقل نے ان کو قبول کیا، یقین کریں اور صرف رسولوں کی خبروں اور ان کی
بیان کی ہوئی اور اللہ کی طرف منسوب کی ہوئی باتوں میں ان کی سچائی کے اعتماد پر اور اس اعتماد پر کہ
اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جس کو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ بہت بڑا خالق ہے

بے مثل اشیاء کا بنانے والا، اور اپنے ارادوں میں آزاد و خود مختار ہے، اسے اپنے پیدا کئے ہوئے اسباب و ذرائع کی بھی ضرورت نہیں اور نہ وہ خود اپنے متعین کئے ہوئے طریقوں کا پابند ہے، بلکہ وہ ہمیشہ سے ان کا خالق و مالک ہے، ان میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، ان کا حاکم ہے، ان کی ڈور اللہ کے ہاتھ سے نہیں پھوٹی ہے، نہ وہ اپنے وجود و ارادہ میں آزاد و خود مختار ہوتے ہیں، اس طرح اس کے احکام مقدمات اور وسائل و ذرائع پر موقوف بھی نہیں ہیں۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ
لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۖ

اس کا حکم یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہے تو
اس کو "ہو" کئے اور وہ اسی وقت ہو جائے۔

قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کے ایسے عجیب صنائع، معجزات اور خارق عادات افعال سے بھری ہوئی ہیں کہ ایمان بالغیب، اللہ کی بے مثل قدرت اور شہیت قاہرہ پر یقین اور ان کتابوں کی صحت اور ان رسولوں کی سچائی (جن پر یہ کتابیں نازل کی گئیں) اور انھوں نے لوگوں کو ان سے باخبر کیا) پر کامل اعتماد ہی ان کا متحمل ہو سکتا ہے، اور ان کی تصدیق و تائید کر سکتا ہے، لیکن وہ ایمان جس کی بنیاد محسوسات، مانوس حوادث، ظاہری عقل کی مطابقت اور کتابی علوم پر استوار ہوتی ہے، وہ یا تو ان کو قبول کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے بالکل انکار کرنے کا یا ان پر یقین کرنے میں تذبذب کا شکار ہوگا، اور ٹھوکر کھائے گا، یا ان کی ایسی تاویل کرے گا، جس سے وہ اس کی معلومات و محسوسات کے مطابق ہو جائیں، اسی لئے اللہ نے فرمایا۔

بَلْ إِذَا دُلَّ عَلَيْهِمْ فِي الْأَخْرَفِ بَلْ
هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ عَنْهَا غَوِیُونَ ۖ

بلکہ تمھک کر گزر گیا ان کا علم آخرت کے بارے میں بلکہ
ان کو شبہ ہے اس میں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں،

قرآن نے دونوں فریقوں کا فرق واضح کر دیا ہے، ایک فریق وہ ہے جس کو اللہ نے

ایمان کامل سے نوازا ہے، اور اسلام کے لئے ان کا سینہ کھول دیا ہے، دوسرا فرق وہ ہے جن کی عقلوں اور دلوں کا دروازہ الشریکی جانب سے آئی ہوئی اکثر چیزوں کے لئے بند کر دیا گیا ہے چنانچہ اس فرق کی بہترین تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ
تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا
صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ
سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے
يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَانَمَا
گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ و رکھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا
يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ
وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اس طرح خدا ان لوگوں پر
الرَّحِيسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۖ
جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔

قرآن نے الشریکی ایسی صفات اور ایسے افعال ذکر کئے ہیں جن کا اقرار اور ان کی تصدیق ایمان بالغیب کے بغیر ممکن ہی نہیں، اسی طرح وہ ایسے حوادث، واقعات، خدا کے انعامات اور اس کی سزائوں، رسول کے حالات، ان کے ہاتھوں صادر ہونے والے معجزات اور ان کی تائید میں ظاہر ہونے والی نشانیوں کا تذکرہ کرتا ہے، جن پر یقین، ایمان بالغیب کے علاوہ کسی کے بس کا ہے، نہ کوئی دوسری تعلیم یا طاقت ان کی متحمل ہو سکتی ہے، اور نہ انتہائی مضحکہ خیز تکلفات عربی زبان کے قوانین کی خلاف ورزی، زبان و اہل زبان پر ظلم، اللہ تعالیٰ پر زیادتی اور انتہائی بے شرمی کے بغیر ان کی عقلی توجیہ ہی ممکن ہے، نہ طبعی قوانین سے مطابقت کی کوئی صورت، جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے سمندر کا پھٹ جانا، پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے بارہ چشموں کا جاری ہونا، بنی اسرائیل کی جماعت پر پہاڑ کا سایہ کی طرح بلند ہونا اور ان ہی کی ایک جماعت کا موت کے بعد زندہ ہونا، انہی کے کچھ لوگوں کے چہروں کا مسخ ہو کر

ذیل بندروں کی طرح ہو جانا، ذبح کی ہوئی گائے کے ایک ٹکڑے کے مس کرنے سے اس مقتول کا زندہ ہونا جس کا قاتل معلوم نہیں تھا، ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ میں مناسب ٹھنڈک آجانا، سلیمان علیہ السلام کے سدھائے ہوئے پرند کی گفتگو، خود ان کا چیونٹیوں کی گفتگو کو سمجھنا، ہواؤں کے دوش پر صبح و شام میں ایک ماہ کی مسافت طے کرنا، پلک جھپکے میں ملکہ سبا کے تخت کا منتقل ہونا، پھلی والے نبی کا قصہ، ان کا مچھلی کے پیٹ سے زندہ سلامت نکلنا، اعدائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پتھر کے ریزوں سے، اصحاب الفیل کی ہلاکت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، پھر وہاں سے آسمان کا سفر، اور اس طرح بے شمار واقعات جن سے قرآن اور دوسری آسمانی کتابیں بھری پڑی ہیں، ان سب کو ایمان بالغیب ہی قبول کر سکتا ہے، ایسا ایمان جس نے ایسے الشریقین کر لیا ہو جس کی قدرت تمام چیزوں پر محیط اور حاوی ہے۔

ایمان بالغیب و ایمان بالظاہر

کیونکہ جس ایمان کی بنیادیں صرف محسوسات اور تجربات پر استوار ہوئی ہوں، جو مشہور اور مانوس چیزوں کا ہی ساتھ دے سکتا ہو، جو کوئی طریقوں، طبعی اصولوں اور محسوسات کے دامن میں پناہ لیتا ہو، وہ ایمان محسوس اور مقید ایمان ہے، محدود اور مشروط ایمان ہے، وہ اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتا، نہ ادیان کا ساتھ دے سکتا ہے، نہ انبیاء کرام کی دعوت، ان کی مطلوبہ تصدیق مطلق، دائمی اعتماد، فوری اطاعت و اتباع اور جہاد و قربانی کی راہیں نہایت سے کوئی مناسب ت رکھتا ہے، درحقیقت اس کا ایمان نام رکھنا ہی درست نہیں، وہ تو صرف علم و تحقیق ہے، منطقی قوانین کے سامنے سپر اندازی ہے، جو اس و تجربات کی بے قیلاط ہے

اس میں کوئی فضیلت و امتیاز نہیں، اور نہ وہ دین کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ہر عقلمند انسان اپنی زندگی میں اپنے تجربات، اپنی معلومات کے نتائج اپنی محسوسات اور اپنی عقل کے اشاروں پر اعتماد و یقین رکھتا ہے۔

اور اس "طبیعیاتی" یا "منطقی" ایمان والے شخص کو آسمانی کتابوں اور الٰہی مذاہب کے سامنے قدم قدم پہ دقتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ دین کی روح اور اس کے خالق کے بارے میں مستقل کشمکش میں گرفتار رہتا ہے، جیسا کہ ایک عارف نے کہا ہے۔

پائے استدلیاں چوبیس بود

پائے چوبیس سخت بے تمکلیں بود

اور "پائے چوبیس" تیز چلنے، آزادی کے ساتھ قدم اٹھانے اور ادھر ادھر مڑنے میں انسان کا ساتھ نہیں دے سکتا، یہی وجہ ہے کہ خالص استدلالی ذہن کا انسان رسولوں کی لائی ہوئی اور آسمانی کتابوں کے بیان کئے ہوئے خقائق اور اس علم جدید اپنی یقین کی ہوئی محسوسات، مادیات اور محدود معلومات پر مبنی اصولوں کے درمیان حائل وسیع خلیج کی وجہ سے یا تو تحریفات اور دوراز کا زنا ویلات کا سہارا لیتا ہے، یا اس کا دیرپا مجبور ہو جاتا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كَذِبًا مُّكْتَبًا ۖ
وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَاوِيلُهَا ۖ
حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں
پاسکے اس کو نادانی سے جھٹلادیا اور ابھی اس کی
حقیقت اُن پر کھلی ہی نہیں۔

لیکن ایمان بالغیب سے بہرہ ور اور اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کی آزاد و خود مختار مشیت پر یقین رکھنے والا رسولوں کی لائی ہوئی، ان کی بیان کی ہوئی خبروں اور اللہ کے متعلق

ان کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین اور ان کی تصدیق کرنے والا، کشمکش اور تذبذب کا شکار نہیں ہوتا بلکہ وہ آرام و سکون محسوس کرتا ہے، مذاہب کی روح اور ان کی خبروں سے ایک طرح کی انیت اور تعلق محسوس کرتا ہے، اس نے ایک بار محنت کی اور غور و فکر کیا، پھر اس کو اطمینان و سکون حاصل ہو گیا، غور و فکر کیا، الشہ پر ایمان کے بارے میں، رسول کی سچائی کے بارے میں اور رسول کی بتائی ہوئی باتوں میں اس کی عصمت کے بارے میں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ
نہیں بولتا ہے اپنی خواہش سے، یہ تو وحی ہے بھیجی ہوئی۔

پھر ایمان لے آیا اور مطمئن ہو گیا، اب وہ نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ ان تمام چیزوں پر یقین کر لیتا ہے جنہیں الشہ کے رسول نے بیان کی ہوں اور صحیح طریقہ سے نقل کی گئی ہوں، جیسے پہلے ہی سے وہ ان سے آشنا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں نفسیات کا فرق بھی بیان کر دیا ہے، ایک اس شخص کی نفسیات جس نے اپنی عقل کو صحیح نقل شدہ اور رسول سے ثابت شدہ امور کے سامنے سرنگوں کر دیا، دوسرے اس شخص کی نفسیات جو اس کو شمش میں لگا رہتا ہے کہ کتاب اللہ اور رسول کی لائی ہوئی باتوں کو اپنی عاجز عقل اور محدود علم کے تابع بنائے اور ان پر اپنی دور از کار تاویلات کو مسلط کر دے، چنانچہ کہتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ،
وَمِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ
وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ مُّضَامَاتٌ ۚ وَفِي قُلُوبِهِمْ
وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے،

ذَلِّعَ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
 ابْتِغَاءَ الْقِتَّةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ
 وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ
 فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ
 عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ لَهُ أُولَ الْأَنْبِيَاءِ
 رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا
 وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ
 أَنْتَ الْوَهَّابُ

وہ تشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ
 برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ
 مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور
 جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے
 ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے
 پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت تو
 عقلمند ہی قبول کرتے ہیں، اے پروردگار جب
 تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے
 دلوں میں کبھی نہ پیدا کر اور ہمیں اپنے ہاں سے
 نعمت عطا فرما تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اسی طرح اس شخص کی نفسیاتی کیفیت بیان کرنے ہوئے کہتا ہے، جو اپنی مصالحت خواہشا
 اور ظاہر میں اور سطحی عقل کے مناسب مشورہ و مانوس چیزوں ہی میں زندگی گزار سکتا ہے انہیں کو
 قبول کرتا ہے اور انہیں پر ایمان لاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَى
 حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ
 وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى
 وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَالِكَ
 هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ

اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو عبادت کرتے ہیں اللہ
 کی کنائے پر پھر اگر پہنچتی ہے اس کو بھلائی تو مطمئن ہو جاتا
 ہے اس عبادت پر اور اگر پہنچتی ہے اس کو کوئی تکلیف
 تو وہ پھر جاتا ہے اٹا گنوا دی اس نے دنیا اور
 آخرت یہی ہے صریح نقصان۔

افسوس کہ ہمارے اسلامی ادب اور ہمارے مذہبی تعلیم اور دعوت دین کے انداز نے یقین اور جوش کے ساتھ ایمان بالغیب کی طرف دعوت دینے میں بڑی کوتاہی کی ہے اور اس کو تقویت دینے کے لئے ادبی و فکری غذا مہیا کرنے اور اس پر زور دینے میں تساہلی سے کام لیا ہے، اور بعض ہمارے معاصر انشا پرداز (محاسن اسلام کو پیش کرنے اور جدید ذہن سے ان کو قریب کرنے میں ان کے فضل و کمال کے اعتراف کے ساتھ) دین کو جدید عقلی انداز میں ڈھالنے کی طرف متوجہ ہیں، اور دین کی ایسی تشریح کر رہے ہیں، جو جدید علم اور جدید عقل سے میل کھاتی ہو، لیکن اس نے ایک حد تک غیر ارادی طور سے ایمان بالغیب کی روح کو نقصان پہنچایا ہے، اور تعلیم یافتہ مسلم نوجوان اسی کے عادی ہوتے جا رہے ہیں، وہ انھیں چیزوں کی طرف لپکتے ہیں، جو مانوس ہوں، مقررہ اصولوں کے مطابق ہوں اور طبعیاتی زندگی میں بار بار سامنے آ رہی ہوں، لیکن جو واقعات ان اصولوں سے الگ یا ان کے خلاف واقع ہوتے ہوں اور جن کی تصدیق میں گہرے اور ہمہ گیر یقین و ایمان کی اور مجھ کی سچائی پر اعتماد کی ضرورت ہو، ان کو بہت تذبذب کے بعد اور بڑی مشکل سے قبول کرتے ہیں، نہ ان کی طرف لپکتے ہیں نہ انھیں خوش آمدید کہتے ہیں، اور ان کو ان حادثات کی تصدیق میں اپنی بار بار سنی ہوئی اور ایمان لائی ہوئی اس بات کی مخالفت نظر آتی ہے کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی یہ تعریف بالکل صحیح ہے، اور یہ صحیح ہے کہ معقولات و منقولات میں کوئی تضاد نہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں، لیکن عقل انسانی کے درجہ اور معیار مختلف ہوتے ہیں، ہمارے زمانہ کے بڑے شہروں اور حکومتوں کے ممبروں میں پائی جانے والی عجیب و غریب مصنوعات اور تمدن کی مہولتیں ایک دہقانانہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی ہیں، اسی طرح ایک عام انسان کی عقل عصر حاضر میں انسانوں کی ایجادات و اختراعات

مثلاً ایسی طاقت کی تسخیر اور مصنوعی چاند وغیرہ کو نہیں قبول کر سکتی، پھر حتیٰ بھی بلند پرواز اور عقل رسا کا تصور کیا جائے، بہر حال اس کے بھی حدود ہوں گے، اور اس کا دائرہ انھیں محدود تک محدود رہے گا، اور اسی کے مطابق اس کی ذمہ داریاں بھی ہوں گی، اور وہ انھیں ذمہ داریوں کی ادائیگی کی مکلف ہوگا، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاسکتا۔

اس سلسلہ میں تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت بلکہ فلسفہ تاریخ اور علوم عمرانیات کے امام علامہ عبدالرحمن ابن خلدون کی بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، وہ کہتے ہیں۔

”تم فکر کی اس خام خیالی پر ہرگز اعتماد نہ کرو کہ وہ کائنات اور اس کے ابابٹ عوامل کا احاطہ کر سکتی ہے، اور اس کے وجود کی ساری تفصیلات سے واقف ہو سکتی ہے، اس معاملہ میں فکر کی خود رانی کو حماقت پر مبنی سمجھو اور یہ سمجھ لو کہ ہر صاحب ادراک انسان ابتدا میں ہی سمجھتا ہے کہ سارے موجودات اس کے علم و ادراک کے احاطہ میں آگئے ہیں، کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہی، لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، تم بہرے کو دیکھتے ہو کہ اس کے نزدیک موجودات صرف چار محسوسات میں منحصر ہیں، سموعات کی قسم سرے سے اس کے دائرہ سے خارج ہے، اسی طرح اندھا، اس کی شمار سے مرئیات کی قسم بالکل خارج ہو جاتی ہے، اور غیر محسوس اشیاء میں اگر ان کے آثار و اجداد اعدان کے زمانہ کے بزرگوں اور دوسرے تمام لوگوں کا تقلیدی علم نہ ہو تو ان کے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیں، لیکن وہ ان غیر محسوس اصناف کی اثبات میں عام لوگوں کی اتباع کرتے ہیں، اور ان کو پی فطرت اور طبیعت اور اکیہ کی مدد سے قبول نہیں کرتے، اگر بے زبان بولنے لگیں اعدان سے پوچھا جائے، تو ہم ان کو

معقولات کا منکر ہی پائیں گے، اور ان کے نزدیک معقولات کا پورا خزانہ
 ساقط الاعتبار ہوگا، اور جب یہ بات واضح ہو گئی تو بہت ممکن ہے ایسے
 مدرکات بھی عالم میں موجود ہوں جو ہمارے ادراک سے باہر ہوں، کیونکہ ہمارے
 ادراکات مخلوق اور حادث ہیں، اور اللہ کی مخلوقات انسان کی معلومات سے
 کہیں زیادہ ہیں، اور موجودات کا حصر ممکن ہی نہیں ان کا دائرہ بہت وسیع ہے
 اللہ ہی ان کا احاطہ کر سکتا ہے، لہذا موجودات کے احاطہ کے بارے میں اپنی
 ادراک اور اپنی مدرکات کی تردید کرو اور شارع علیہ السلام کے بتائے ہوئے
 حقیقہ اور عمل پر قائم رہو، کیونکہ وہ تمہاری بھلائی کے حریص ہیں، اور تمہارے
 لئے نفع بخش چیزوں کو وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور ان کے ادراکات
 تمہارے ادراکات سے بلند ہیں، اور ان کی عقل کا دائرہ تمہاری عقل کے
 دائرہ سے وسیع ہے۔

اور یہ عقل اور اس کے ادراکات کے لئے کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ
 عقل ایک صحیح ترازو کی طرح ہے، اور اس کے احکام قطعی اور یقینی ہیں، ان میں
 غلطی یا جھوٹ کا شائبہ نہیں، لیکن تم کو یہ امید نہیں کرنا چاہئے کہ اسی ترازو
 سے امور توحید و آخرت اور صفات الہیہ کی حقیقت بھی تول سکو گے، کیونکہ
 یہ امید محال ہے اور اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص سونا تولنے والا
 کا شادیکھے تو یہ امید وابستہ کرے کہ اسی سے پہاڑ بھی تول سکتا ہے، لیکن
 اس سے یہ بات تو ثابت نہیں ہوئی کہ کاٹنا اپنی تول میں سچا نہیں، اسی طرح
 عقل کے بھی حدود ہیں، جہاں اس کو ٹھہرنا پڑتا ہے، ان سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔

وہ اللہ کی ذات و صفات کو بھی اپنی ادراکات کے دائرہ میں داخل کر لے
بلکہ وہ اس کے پیدا کئے ہوئے بے شمار ذرات میں سے ایک حقیر ذرہ ہے۔

تکلفات سے پرہیز اور فطرت سلیمہ پر اعتماد

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات اور امتیازات اور ان کی
خاص علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ خود ساختہ انداز و اطوار اور تکلف و تصنع سے
بالعموم اپنی پوری زندگی میں اور بالخصوص اپنی دعوتِ گفتگو اور دلائل میں بہت دور رہتے
ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا قول:۔

مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ

میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں

یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

تمام انبیائے سابقین کی حالت کی تصویر کشی کر رہا ہے، وہ سب کے سب ہمیشہ
فطرت سلیم اور عقل عام کو فطری، سادہ اور سچی دیکھنے سے پاک انداز سے مخاطب کرتے ہیں
جس کا سمجھنا نہ تو نادر ذہانت پر موقوف ہوتا ہے، نہ امتیازی علم پر نہ مختلف علوم و فنون
کے ہمہ گیر اور گہرے مطالعہ پر، نہ علمی اصطلاحات کی واقفیت پر نہ منطق و فلسفہ ریاضی
فلکیات اور سائنسی علوم کی معرفت پر بلکہ جس طرح خواص اس سے دیکھی لیتے ہیں، اسی طرح
عوام بھی اس کو سمجھتے ہیں، اور جس طرح علماء اس سے استفادہ کرتے ہیں، اسی طرح کم علم
بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ہر ایک اپنے علم و فہم کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے

انبیاء کی تعلیمات جس طرح سادہ اور بے تکلف زندگی گزارنے والی قوموں کے حالات سے مطابقت رکھتی ہیں، اسی طرح بلند تہذیب و تمدن رکھنے والی قوموں کی حالت کے بھی موافق ہوتی ہیں، وہ نہ دقیق اور پیچیدہ سوالوں کو اٹھاتے ہیں، نہ انھیں ضروری قرار دیتے ہیں، ان کا کلام میٹھے اور خوشگوار پانی کی طرح ہوتا ہے، ہر شخص اس کو استعمال کرتا ہے، اور اس کا ضرورت مند بھی رہتا ہے، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے اپنی بے نظیر کتاب ”حجۃ اللہ ابالیغہ“ میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے۔

”انبیائے کرام کی سیرت میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی عقل کے اسی معیار کے مطابق جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں، اور انھیں علوم کے مطابق جو انھیں اصل خلقت کے اعتبار سے حاصل ہیں گفتگو کرتے ہیں، اور یہ اس وجہ سے کہ انسان جہاں بھی ہو گا اصل خلقت میں اس کے ادراک کی ایک حد ہوگی جو اور تمام حیوانات سے لگے ہوگی، سو اے اس کے کہ مادہ بالکل ناقص ہو، اور کچھ علوم ایسے بھی ہیں، جن تک خرق عادت کے بغیر کوئی نہیں پہنچ سکتا، جیسے انبیاء و اولیاء کے نفوس قدسیہ یا سخت محنت و ریاضت کے ذریعہ اس تک رسائی ممکن ہے، جو اس کے نفس کو اپنی دسترس سے باہر کے علوم حاصل کرنے کے لائق بنا دے یا طویل مدت تک حکمت اور اصول فقہ وغیرہ کی مشق و ممارست کے ذریعہ ان علوم کی تحصیل ممکن ہے۔

اور انبیائے کرام لوگوں کو اسی سادہ ادراک کے مطابق مخاطب کرتے ہیں، جو ان کو اصل خلقت کے اعتبار سے ودیعت کی گئی ہے، اور وہ نادر اور قلیل الوجود چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو

اس بات کا مکلف نہیں بناتے کہ اپنے رب کو تجلیات اور شہادت کے ذریعہ پہچانیں، یا دلائل و قیاسات کے ذریعہ اور نہ اس کا مکلف کرتے ہیں کہ اس کو تمام جہات سے منزہ سمجھیں، کیونکہ ریاضیات میں مشغول رہنے والے کے لئے تقریباً ناممکن ہے، جو طویل مدت تک معقولیوں کے ساتھ نہ رہا ہو، اور انھوں نے اسے استنباط و استدلال کے طریقے اور استحسان کے وجوہ، دقیق اور ناقابل فہم مقدمات کے ذریعہ اشیاء و نظائر کا فرق اچھی طرح سمجھانہ دیا ہو، اور وہ تمام چیزیں ذہن نشیں نہ کرا دی ہوں جن پر اصحابِ اراکے، اصحابِ کھریت پر مخز کیا کرتے ہیں۔

اور ان لوگوں کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں مشغول نہیں ہوتے، جو تہذیب نفس یا سیاست سے متعلق نہ ہوں جیسے فضا کے حادثات کے اسباب کا بیان مثلاً بارش، گرہن، ہالہ وغیرہ یا عجیب و غریب حیوانات اور نباتات یا چاند سورج کی رفتار اسی طرح روزانہ کے حادثات، انبیاء و بادشاہوں اور شہروں کے قصے وغیرہ کے علاوہ الاما شاہ الشہر، چند معمولی باتوں کے جن سے ان کے کان پہلے ہی سے آشنا رہے ہوں، اور یہ چیزیں بھی اللہ کی نعمتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ تذکیر کے ضمن میں سبیل تذکرہ اجمالی طریقہ سے بیان کی جاتی ہیں اور ان جیسی چیزوں میں استعارات اور محازات کا استعمال بھی جائز ہوتا ہے۔

اور اسی اصول کی بنا پر جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ دریافت کی تو اللہ نے اس سے اعراض کیا، اور مبینوں کے فوائد بیان فرمائے، چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْكَاهِنِ فَقُلْ هِيَ
مَوَاقِبَتُ النَّاسِ وَانْفِجْ لَهُ

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں چاند کے بارے
میں آپ کی دیکھ کر یہ لوگوں اور حج کے لئے

وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں۔

تم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ ان فنون اور ان کے علاوہ اسباب و علل سے
الفت و تعلق کی وجہ سے ان کا ذوق فاسد ہو گیا ہے، اور وہ لوگ رسولوں کے
کلام کو اس کے موقع و محل کے خلاف استعمال کرتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب^۱۔
اور اسی کتاب میں دین کی آسانی اور سہولت کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

”اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شارع علیہ السلام نے لوگوں کو حکمت و
کلام اور اصول کے وقائع معلوم کرنے سے قبل، اصل خلقت کے اعتبار سے
عطا کئے ہوئے معیار عقل کے مطابق مخاطب کیا ہے، چنانچہ اللہ نے اپنے لئے
جہت بھی ثابت کیا، اور فرمایا ”الرَّحْمَنُ عَلَى الْكَرْسِيِّ اسْتَوَى“ اور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہت سے کہا، اللہ کہاں ہے؟ اور اس نے آسمان کی
طرف اشارہ کیا تو آپ نے فرمایا، یہ مومن ہے، اسی طرح استقبال قبلہ اور نمازوں
اور عیدین کے اوقات معلوم کرنے کے لئے ہیئت اور ہندسہ کے مسائل حفظ
کرنے پر مجبور نہیں کیا، اور آپ نے فرمایا ”القبلة ما بين المشرق و
المغرب“ اور ”الحج يوم تجمعون والفطر يوم تفطرون“۔
واللہ اعلم بالصواب^۲۔

اور شاہ صاحب سے پہلے ہی حجة الاسلام امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) علم کلام پر

اسلوب قرآن کی فوقیت اور دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”قرآن کے دلائل غذائی طرح ہیں، ان سے ہر انسان فائدہ اٹھاتا ہے، اور متکلمین کے دلائل دوا کی طرح، ان سے چند لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اکثر لوگ نقصان، بلکہ قرآن کے دلائل پانی کی طرح ہیں، جس سے شیعہ خوار کچے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، اور قوی انسان بھی، اور دوسری تمام دلیلیں غذائی طرح ہیں جن سے قوی کبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، کبھی بیمار ہو جاتے ہیں، اور بچہ کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔“

امام فخر الدین رازی (متوفی ۸۰۶ھ) کہتے ہیں (جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اپنی کتابوں میں بار بار نقل کرتے ہیں) ”میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ اصولوں میں بہت غور کیا، لیکن میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بیمار کو شفا دیتے ہیں، یا کسی پیاسے کی پیاس بجھاتے ہیں، اور (انسانی ذہن سے) قریب ترین انداز میں قرآن کے انداز کو پایا، اور جو کوئی کبھی میری طرح تجربہ کرے گا، اس کو یہی بات نظر آئے گی۔“

نبوت کی طبعی خصوصیات، اس کی علامتوں، انبیائے کرام کے اندر اور دعوت و تبلیغ میں یا نجی زندگی اور لوگوں کے ساتھ معاشرتی زندگی میں، ان کی سیرتوں سے، اس زمانہ کے لوگوں، عقلمندوں اور طبائع کی دوری اور ناواقفیت کی وجہ سے میں نے اس مضمون کو بہت پھیلانے کا بیان کیا ہے، اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مصنوعی انداز کلام، طرز استدلال اور دعوت و تنظیم کے جدید اصولوں نے بڑی زیادتی کی ہے، یہاں تک کہ لوگ انبیاء کے طریقوں اور ان کی سیرتوں سے غافل ہو گئے، بلکہ ان کے استخفاف تک پہنچ گئے، اور فہم قرآن ان کے لئے

بہت مشکل اور پیچیدہ ہو گیا، اب حال یہ ہے کہ وہ اس کے حکیمانہ اسلوب سے لطف اندوز ہونے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے، اور تاویلات و تکلفات کا سہارا لینے لگے ہیں، حالانکہ آج تک دعوت و تبلیغ میں انبیاء کی سیرت ہی مثالی سیرت ہے، اور قرآن کا اسلوب ہی فطری، بلیغ اور حکیمانہ اسلوب ہے، جس پر ہر زمانہ کی عقلیں مطمئن ہوتی ہیں، دلوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور ہر گروہ اور ہر طبقہ اس میں کافی وضاحت اور شافی علاج پاتا ہے، مَنَزَّلَیْ کَھَل جاتے ہیں، اور ہر گروہ اور ہر طبقہ اس میں کافی وضاحت اور شافی علاج پاتا ہے، مَنَزَّلَیْ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیدٍ“ صاحب حکمت اور قابل تعریف کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔



تیسرا خطبہ ہدایت کے امام اور انسانیت کے قائد

خود ساختہ رہنماؤں کا انسانیت کے ساتھ مذاق

نوع انسانی اپنی طویل تاریخ میں ہمیشہ خود ساختہ رہنماؤں اور برسرِ اقتدار شخصیتوں کا کھیل اور مذاق اور قانون سازوں اور حکمرانوں کے تجربات کا نشانہ بنتی رہی ہے، ایسے لوگوں نے اپنے ابتلائے جنس اور اپنے ہی جیسے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک بچہ کا غد کے کسی پرے کے ساتھ کرتا ہے، بچہ بھی کاغذ کو پیستتا، کبھی پھیلاتا، کبھی کھوتا کبھی بند کرتا اور جب جی چاہے پھاڑتا اور جلا ڈالتا ہے۔

ان کے لئے انسانی زندگی، اس کی ترقی کے امکانات اور اس کے وسیع مضمرات کی کوئی قیمت نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے انسان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی جو صلاحیت ودیعت فرمائی ہے اور قائدین پر اعتماد اور جاں نثاری کی جو صفت رکھی ہے، اس کے سلسلے میں انھوں نے نہ خدا ترسی سے کام لیا، نہ حق و انصاف کے تقاضے پورے کئے، نہ کسی تعلق اور ذمہ داری کا لحاظ کیا اور اسے انھوں نے اپنی خواہش و منشا کا آلہ کار اور قیادت و سیادت

اور اعراض کا ذریعہ بنالیا، ان قائدین کی کوتاہ نظری، خطا کاری و گمراہی، اور غلط فہمی و غلط بیانی نفس پرستی و بوالہوسی، انفرادی و اجتماعی انسانیت، قومی و وطنی عصبیت نے بدقسمت انسان کے سر پر طویل بد بختی اور مصیبت لا دوئی ہے، انھوں نے اپنے اخلاص، بصیرت، خلافت و دوستی اور احترام انسانیت کے بارے میں مستقل شبہات پیدا کر دیئے اور اس بات کی اب کوئی ضمانت نہیں رہی کہ انسانیت ان کے زیر سایہ پھل پھول سکتی ہے۔ تاریخ انسانی ان المیوں اور سوایوں، اور ایک ساتھ ہنس لانے اور رلانے والے واقعات سے بھری ہوئی ہے اور مشرق و مغرب میں آج بھی بہت سی قومیں انھیں طالع آزمائتم ظریف قائدین کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہی ہیں جو اس سے کھیلتے، اسے گیند کی طرح لڑھکاتے اور اس پر ہر روز نئے تجربے کرتے رہتے ہیں اور پھر خود ہی ان تجربات کی غلطی و ناکامی کا اعتراف بھی کرتے ہیں، اور کبھی ان سے اقتدار حاصل کرنے والا اور ان کا جانشین انھیں رسوا کرتا اور ان کے کرتوتوں سے پردہ اٹھاتا ہے، اور کبھی انھیں تاریخ محفوظ کر دیتی اور آنے والی نسلیں ان سے واقف ہو جاتی ہیں۔

غلطیوں سے پاک انبیاء کی ضرورت

ان ناکام تجربوں اور غلط نتائج کی زد سے عقائد و ایمانیات بھی محفوظ نہیں رہے جن پر جن انجام، دنیا کی سعادت اور آخرت کی نجات کا دار و مدار ہے، اور جو صحیح اخلاق، صالح تہذیب، بندے کو خدا سے ملانے والی عبادات، اور شریعتوں کی تشکیل و تکمیل کرتے ہیں، اور جن میں کسی غلطی کی تلافی بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوتی ہے، اس لئے ایسے قائدین کی ضرورت پیدا ہوئی جو امانت دار، گمراہیوں اور غلطیوں سے پاک، ہر لاپچ اور نفع اندوزی

اور مادی معاوضہ کی خواہش سے بری ہوں، جو خواہشات سے مغلوب اور جذبات سے متاثر نہ ہوتے ہوں، جو اپنی رائے اور ناقص معلومات، محدود تجربوں اور ذاتی مصلحتوں کے ماتحت کوئی فیصلہ نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کبھی کوئی اجتہادی غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ کے بعد وہ ان غلطیوں پر قائم اور صبر نہ رہتے ہوں۔

امانت داری اور اخلاص

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ ہر معصوم ہونے والا نبی اپنی امت کو اپنی امانت داری اور اخلاص و بے غرضی کا پورا یقین دلاتا ہے، سورہ شعراء میں ایک ایک نبی کی زبان سے جو وضاحت فرمائی گئی ہے، اور جو یقین دلایا گیا ہے، اسے پڑھئے۔

۱۔ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ
اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ اَلَا تَتَّقُونَ
اِلٰى كَلَّمَ رَسُولٌ اَمِيْنٌ فَاَتَّقُوا اللّٰهَ
وَاطِيعُوْنَ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ
اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قوم نوحؑ نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں، میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کیا فائدہ اس کام کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو رب العالمین کا ہے۔

۲۔ كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ
اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُونَ
اِلٰى كَلَّمَ رَسُولٌ اَمِيْنٌ فَاَتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَ وَمَا
اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيْ

عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی ہودؑ نے کہا کہ تم ڈرتے نہیں میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، کیوں نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور

لَا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

مری بات مانو۔ اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

۳۔ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ صَاحِبُ الْاَيْمَنِ ۝ اَلَا تَتَّقُونَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ ۝ اٰمِنُوْا فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۝ وَاطِيعُوْا وَّمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۝ اِنْ اَجْرِىْٓ اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی صامع نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں ہیں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

۴۔ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ لُوطٌ ۝ اَلَا تَتَّقُونَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ ۝ اٰمِنُوْا فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۝ وَاطِيعُوْا ۝ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۝ اِنْ اَجْرِىْٓ اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

قوم لوط نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے، میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اپنے اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پالنے والے ہی کے ذمہ ہے۔

۵۔ كَذَّبَ اَصْحَابُ الْاَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ ۝ اَلَا تَتَّقُونَ ۝

ایک والوں نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے شعیب نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا مَا سَأَلَكُمْ عَلَيْهِ مِنْ
أَجْرٍ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ
میں تمہارے لئے ایک امانت شعار رسول ہوں
تو اللہ سے ڈرو اور میری باتیں مانو اور میں سے
اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا اجر تو
جہانوں کے پالنے والے پر ہے۔

یہ مقصد کی وحدت جو مختلف امتوں اور مختلف زمانوں کے انبیاء کے بارے میں
مشترک ہے اپنے اندر بڑے عمیق معنی رکھتی ہے لفظ امانۃ ایسا جامع لفظ ہے جو صدا
قی خداوندی کو صحت کے ساتھ قبول کرنے، صحت کے ساتھ امت تک پہنچانے کے معانی پر
مشتمل اور رسالت و نبوت کے نظام کارکن اساسی ہے، عربی زبان میں اس مقصد کے لئے
اس سے بڑھ کر کوئی اور جامع و بلیغ لفظ نہیں۔

یہ حکمت الہی کا تقاضا تھا کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے ہی
اس صفت کے ساتھ شہرت پائی، اور مکہ کے امیوں کے دل میں خود بخود یہ بات آگئی کہ وہ
آنحضرت کو صادق و امین کے معزز لقب سے پکاریں۔

اسی طرح اخلاص، بے غرضی، ہر قسم کی لاپرواہی اور ہر قسم کے شخصی یا اولاد و اقارب کو
حاصل ہونے والے نفع سے پرہیز انبیاء کا شعار ہے۔ اور یہ فطرت سلیم اور عقل مستقیم کا تقاضا
ہے کہ ایسے بے غرض و غیر خواہ داعیوں سے محبت کرے اسی لئے حضرت صاریح نے افسوس و
تعجب سے کہا تھا۔

يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ
رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ
اے قوم میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام
پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کرتا رہا لیکن

اس کا کیا علاج کہ تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے

اور اس فرستادہ نے کہا جو شہر کے کنارے سے آیا تھا۔

يَا قَوْمِ اسْعُوا لِمَن سَلَكُنِ اسْعُوا مَن
لَا يَسْأَلُكُمْ اَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ
اے قوم رسولوں کی اتباع کرو، ان کی اتباع
کو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور وہ
ہدایت یافتہ ہیں۔

اسی معنی کی وضاحت حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے کی تھی :-

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ اِنِّ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حَقِيْقٌ عَلٰى اَنِّ لَا
اَقُوْلُ عَلٰى اِلٰهٍ اِلَّا الْحَقُّ، قَدْ جِئْتُكُمْ
بِبَيِّنٰتٍ مِّنْ رَبِّكُمْ فَارْسِلْ مَعِيَ
بَنِي اِسْرٰٓئِيْلَ
موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا
رسول ہوں (اس لئے میرے لئے یغزوری ہے
کہ میں خدا کے بارے میں حق ہی کہوں میں تمہارے
پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل ہے کہ
آیا ہوں اس لئے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو

امت کے لئے تحفظ اور ضمانت

انبیاء کی عصمت، امانت، اور بے لوثی ان کی امتوں کے مذاہب و عقائد کی
حفاظت و صیانت کی ضمانت اور غیر قوموں کی لالی ہوئی آزمائشوں کے مقابلہ میں ایک پناہ گاہ
ثابت ہوئی جس کے سبب وہ شہادت میں مبتلا ہونے اور انبیاء کے کارناموں اور ان کے
نتائج کے بارے میں شک و حیرت سے بچ گئے۔

عصمت انبیاء کی حقیقت

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۱ھ) اپنی بے نظیر کتاب ”حجتہ اللہ البالغہ“ میں ہادیانِ طریقت و بانیانِ ملت یعنی انبیاء کے ضروری صفات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

- پھر اس دنیا میں نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ برسرِ عام یہ ثابت کرے کہ وہ نبوت کا رمز آشنا ہے اور وہ جو تعلیم دے رہا ہے اس میں غلطی اور گمراہی سے پاک ہے، اور اس سے بھی بری ہے کہ اصلاحی کام کا کچھ حصہ لے لے اور کچھ ضروری حصہ ترک کر دے جس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ نبی اپنے سے سابق نبی کا راوی ہو جس کے کمال و عصمت پر وہ متفق ہوں اور یہ روایت اس قوم میں محفوظ ہو، تو اس طرح سے وہ نبی اپنی قوم کے مقتدرات پر مواخذہ کر سکتا ان پر حجت قائم اور انھیں لا جواب کر سکتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ان کے متفق علیہ نبی ہی کی طرف سے کہہ رہا ہے۔

بہر حال لوگوں کے لئے ایک معصوم و متفق علیہ شخص کی ضرورت ہے جو ان میں موجود ہو یا جس کی روایت محفوظ ہو اور ایمان و انقیاد اس کی تفصیلات اور منافع اور اسی طرح گناہوں اور ان کے نقصانات کا علم، دلیل و برہان اور اس دنیاوی عقل کے ذریعہ (جس سے روزمرہ کی زندگی کا کام چلایا جاتا ہے) اور جو اس سے نہیں ہوتا بلکہ ان امور کی حقیقت، وجدان ہی پر کھلتی ہے، جیسے بھوک، پیاس، گرم یا ٹھنڈی دواؤں کا ادراک

وہ جان ہی سے ہوتا ہے ویسے ہی روح کی موافق اور ناموافق چیز کا علم ذوقِ سلیم
 ہی سے ہوتا ہے۔

اور انبیاء کا خطا سے معصوم ہونا اللہ تعالیٰ کے دے ہوئے ضروری علم و
 یقین کی وجہ سے ہوتا ہے جس کے سبب نبی سمجھتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے جو
 چیز پارہا ہے، اور سمجھ رہا ہے، وہ حقیقت کے عین مطابق ہے اور اسے ایسا یقین
 ہوتا ہے گویا کوئی حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اور دیکھتے وقت اپنی
 آنکھوں کو غلط نہیں سمجھ رہا ہے، یا نبی کا علم کسی ماہر زبان کے کسی لفظ کے
 متعین معنی کو سمجھنے سے متاثر ہوتا ہے مثلاً ایک عرب کو کبھی یہ شک نہیں ہوگا کہ
 لفظ ماء پانی کے لئے بنا ہے، اور لفظ ارض زمین کے لئے حالانکہ اس سلسلے میں
 نہ اس کے پاس کوئی دلیل ہوتی ہے نہ لفظ و معنی میں کوئی عقلی لزوم ہی ہوتا ہے
 اس کے باوجود اسے یہ علم ضروری حاصل ہوتا ہے، اور اکثر حقائق کے بارے میں
 نبی کو ایک فطری ملکہ حاصل ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ اسے ہمیشہ صحیح طریقے سے
 علم و وجدانی حاصل ہوتا ہے، اور اسے اپنے وجدانی تجربے کی صداقت کا مشاہدہ
 اکثر ہوتا رہتا ہے۔

اور لوگوں کو اس کی عصمت کا یقین نبی کی عقلی اور خطابی دلیلوں سے ہوتا
 ہے کہ اس کی دعوت صحیح اور اس کی سیرت ایسی صالح ہے، جہاں کذب کا گدڑ
 نہیں اڑتا، نبی اس کے خدا کے قریب ہونے کا بھی مشاہدہ انھیں معجزات اور
 اس کی دعاؤں کی مقبولیت سے ہو جاتا ہے، یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ انھیں نبی
 کی عظیم دعوت کی عظمت کا احساس ہو جائے اور وہ یہ جان لیں کہ وہ ملکہ سے

را بطر رکھنے والے نفوس قدسیہ میں سے ہے، اور یہ کہ اس جیسا شخص اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں کر سکتا، اور نہ کوئی گناہ کر سکتا ہے، پھر اس کے بعد کچھ باتوں سے اور اعتماد پیدا ہوتا ہے، اور وہ انھیں اور قریب لے آتی ہیں اور نبی کو قوم کے مال و اولاد اور پیاسے کے لئے پانی سے زیادہ عزیز بنا دیتی ہیں۔ اور یہ سب باتیں وہ ہیں جن کے بغیر کوئی امت کسی نبی کے مخصوص رنگ نہیں، رنگ سکتی، اسی لئے ان جیسی عبادتوں میں مشغول اشخاص ایسے سے تعلق پیدا کرتے ہیں جس میں یہ باتیں پاتے ہیں۔

انبیاء اطاعت کے حقدار ہوتے ہیں

وہ مبارک جماعت جس کی عصمت اور صحت علم کی یہ نشان اور جس کی امانت و اخلاص اور بے غرضی کا یہ مقام ہو، اور اسے اللہ تعالیٰ نے اعتدال و سلامت روی کے ایسے قالب میں ڈھالا ہو اور اسی کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا ہو، وَلِنُصْنَحَ عَلٰی عِبَادِي (تاکہ تو میرے سامنے تیار کیا جائے) اِنَّا اَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرِي الدَّادِ وَادَّبَهُمْ عِنْدَنَا مِنْ الْمُصْطَفَيْنِ الْاَخْيَارِ (انھیں ہم نے اپنے گھر کے ذکر کے لئے مخصوص کر دیا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور پسندیدہ لوگوں میں تھے) جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو وہ عقل و فوق و منطق ہر لحاظ سے طاعت و اقتداء، اور تقلید و اتباع کی مستحق ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کی صلاحیت و ہدایت اور اہل دنیا کے مقابلے پر فضیلت، کتاب سلطنت

لہ "حجة الله البالغة" باب الحاجة الى هداية السبل ومقیمی الملئ" ج ۱ ص ۳۶، ۳۷

اور نبوت دے جانے کا ذکر کرنے کے بعد کہا۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْمِمْ
یہی وہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے تو
اقتدوا بہ۔
آپ ان کی سیرت کی اتباع کیجئے۔

لطف و عنایت کے سزاوار

انبیاء علیہم السلام مورد عنایات الہی اور مرکز الطاف و توجہات ہوتے ہیں ان کے اخلاق و عادات، اور ان کی زندگی کے طور طریق سب خدا کی نظر میں محبوب، زندگی کے طریقوں سے ان کا طریقہ حیات لوگوں کے اخلاق میں ان کا اخلاق، اور لوگوں کی گونا گوں عادتوں میں ان کی عادتیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں۔

ایک منزل کو مختلف راستے جلتے ہیں وہ سب راستے ایک ہی جگہ پہنچتے ہیں لیکن انبیاء و حبس راستہ کو اختیار کرتے ہیں وہ راستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے، صرف اس وجہ سے کہ انبیاء کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں، ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں سے اللہ کی محبت و پسندیدگی متعلق ہو جاتی ہے، اور ان کی تقلید و اتباع اور ان کے شعائر و خصوصیات کو اپنانا اور ان جیسا اخلاق پیدا کرنا، اللہ کی محبت کو پانے کا مضبوط طریقہ اور قریب و آسان راستہ ہو جاتا ہے، اور جو ان کی اتباع کرتا اور ان جیسا بنتا ہے، وہ خدا کے محبوب ہی میں نہیں

لہ الانعام - ۹۱

لہ کسی شاعر نے اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔

سر سبز سبزہ ہو جو تر پائے سال ہو ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

بلکہ مجبوروں میں ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست، دوست اور دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے، یہ سنن و عادات الہیہ میں سے ہے، جو زمان و مکان کے انقلابات سے بدلتے نہیں، اور جن کی دعوت علانیہ دی گئی ہے، چنانچہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا:-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، خدا تم سے محبت کرے گا اور تمہارے حق میں تمہارے گناہ معاف کرے گا اور اللہ بڑا

ہی بخشنے والا اور غیر معمولی رحمت والا ہے۔

اس کے برعکس ظالموں اور کافروں کی طرف میلان اور ان کے طریقوں کی ترویج اور ان کی مشابہت اللہ کی غیرت کو حرکت میں لاتے والی اور اس سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی۔

وَلَا تَزْكُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا
فَتَمْسَكُ السَّارَ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ
اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصِرُونِ
اور ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا کہ تمہیں آگ کا عذاب پکڑ لے اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ ہو اور تمہاری مدد نہ کی جاسکے۔

بعض عادات و اطوار کی فضیلت کا راز اور شعائر اللہ کی حقیقت

ان پیغمبرانہ عادات و اطوار کا نام شریعت کی زبان میں خصال فطرۃ (فطری عادتیں) اور سنن الہدی (ہدایت کے طریقے) ہے، جس کی شریعت حمایت کرتی اور لوگوں کو

انہیں اپنانے کے لئے آمادہ کرتی ہے، یہ تمام اخلاق و عادات لوگوں کو انبیاء کے رنگ میں رنگتے ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنْ اللَّهِ
یہ اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کے رنگ سے بڑھ کر
صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنْ اللَّهِ
کون رنگ ہو سکتا ہے اور ہم اس کے عبادت

گزار ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی ایک عادت کو دوسری عادت، ایک اخلاق کو دوسرے اخلاق، ایک طور و طریق کو دوسرے طور و طریق پر ترجیح دینے کا یہی راز ہے، اور یہی وہ راز ہے جسے شریعت اسلامی اہل ایمان کا شعار بتاتی ہے، اور اسے فطرت کے مطابق طریقہ اور اس کے خلاف طریقوں کو انحراف، اور جاہلوں اور کم عقلوں اور کافروں کا شعار کہتی ہے، ان دونوں میں یہی فرق ہے کہ ایک انبیاء، ان کی پسندیدہ عادات کی نقل اور دوسرا اہل کفر جاہلی عادات اور شیطان اور اس کے مقلدوں کی مشابہت و شعار ہے۔

اور اس اصل کے تحت کھانے پینے، لباس و زینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے مبادی آجاتے ہیں اور یہ سنت نبوی و فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔

دائیتہ ہاتھ کو بائیں پر کیوں فضیلت ہے، اور اچھے کام، کھانا پینا، اور کسی اہم چیز کا لینا اور دینا اور ہر عزت کی چیز اسی سے کیوں متعلق ہے، اور بایاں ہاتھ استنجہ اور دوسری دلیل چیزوں کے لئے کیوں مخصوص ہے؟ حالانکہ دونوں انسان ہی کے ہاتھ ہیں اور دونوں ہی خدا کی مخلوق اور اس کی صنعت ہیں، اور بہت سی جاہلی قومیں اور انبیاء کی تعلیم و تربیت سے بے خبر امتیں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتیں اور نہ اس وضع کی پابند ہیں، بلکہ

ایکے دوسرے کے کام کے لئے استعمال کرتا رہتی ہیں۔

اس کا سبب اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ انبیاء عام طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر ایسا خدائی الہام کے ماتحت یا اپنی فطرت سلیم کے تقاضے سے کرتے تھے، جو ہمیشہ خدا کے پسندیدہ اخلاق و عادات کے مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور اپنے سے شروع کرنا اور اسے ترجیح دینا قابل تعریف اور فطرت سلیم کے مطابق اور اسلامی تہذیب کی خصوصیت کیوں ہے؟ یہ اسی لئے ہے کہ یہ انبیاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حتی الامکان اپنے تمام کاموں میں اپنے سے شروع کرنا پسند تھا، وضو کرنے یا صفائی میں اور کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب
التیمن ما استطاع فی شأنہ کلہ فی
طہورہ وترجلہ وتتعلمہ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حتی الامکان ہر کام میں
داہنی جانب سے شروع کرنے کو پسند کرتے تھے
یہاں تک کہ طہارت کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں بھی
اسی پر طہارت اور ان تمام فطری عادتوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو حدیث میں
سیدنا ابراہیمؑ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

انبیاء ایک خاص تہذیب طرز حیات کے بانی

انبیاء نے صرف عقیدہ و شریعت اور صرف ایک نئے دین — اسلام — ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ وہ تہذیب و تمدن اور نئے طرز حیات کے بھی بانی ہوتے ہیں، جو بانی تہذیب کمالانہ کی مستحق ہوتی ہے، اس تہذیب کے کچھ مخصوص اصول و ارکان اور شعائر و علامات ہیں،

جن کے ذریعہ وہ دوسری تہذیبوں اور جاہلی تمدنوں سے نمایاں طور سے ممتاز ہو جاتی ہے یہ امتیاز روح اور اصل و اساس میں بھی نمایاں ہوتا ہے، اور تفصیلات و مظاہر میں بھی۔

ابراہیمی محمدی تہذیب

حضرت ابراہیم خلیلؑ اس خدا پرست تہذیب کے بانی و امام تھے جس کی بنیاد خدا کی توحید اس پر ایمان اور اس کے ذکر، فطرت مستقیمہ اور قلب سلیم، اللہ تعالیٰ کے سچا تقویٰ، نور انسانی پر رحم اور ذوق سلیم پر رکھی گئی ہیں۔

ابراہیمی اخلاق و طرز حیات اس تہذیب کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں، جس کے بارے میں کہا گیا ہے:-

لَيْتَ اِبْرٰهِيْمَ كَحٰلِيْمٍ اَوْ اَكَا مُنِيْبٍ لِّهٖ
ابراہیم بڑا شریف و حلیم، نرم دل اور خدا سے رجوع کرنے والا تھا۔

اِبْرٰهِيْمَ يٰقِيْنَ اٰزْمِمْ دِلَّیْ وَاُورْثِ الشَّرِیْفَ وِجْدًا رَاقِبًا۔

حضرت ابراہیمؑ ایک طرف اس تہذیب کے بانی و موسس تھے، اور دوسری طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان کے نسلی و ارث بھی تھے، اس تہذیب کے مجدد اور مکمل تھے، جنہوں نے اس تہذیب میں از سر نو جان ڈال دی اور اس میں بقائے دوام کا رنگ پیدا کر دیا، اور اس کے اصول و ارکان اس طرح مضبوط کئے کہ اسے ایک دائمی اور عالمگیر تہذیب کی شکل دے گئے۔

اس تہذیب کی خصوصیات و امتیازات

یہ ابراہیمی محمدی تہذیب شرک و بت پرستی سے قطعاً نا آشنا ہے اور اسے کسی رنگ میں اور کسی مقام اور زمانے میں اپنانے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی ایک بڑی دعا اور ان کی آرزو یہ تھی کہ:-

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ
اور اے خدا مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ
www.KitaboSunnat.com ہم بتوں کو پوجے لگیں۔

اور ان کی خاص وصیت اور امتوں اور افراد کو یہ دعوت تھی کہ:-

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ
گندگی یعنی بتوں سے بچتے رہو اور جھوٹ کہنے سے
وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ خُفَاءً وَنَجْوً
بچو، خفا کے لئے خالص و مخلص ہو کر اور اس کے
غَيْرِ مُسْتَكْبِرِينَ ۖ
ساتھ کسی کو شریک کئے ہوئے بغیر۔

یہ تہذیب ظلم اور خواہشات نفسانی پر ٹوٹ کر گرنے، دنیا کی بے مایہ و حقیر سامان پر
ریختے، اور مادہ کے مردار پر کتوں کی طرح غزلنے اور جھگڑنے، اور عہدوں اور حکومتوں کے لئے
لڑنے مرنے کا نام نہیں جانتی، یہ تو وہ دعوت ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ:-

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا
یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم انھیں کو دیتے ہیں جو
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ
زمین میں بڑا بننے کا کوشش نہیں کرتے اور نہ فساد
مچاتے ہیں اور انجام بخیر تو متقیوں ہی کا ہوتا ہے۔

یہ تہذیب انسان، انسان میں فرق کرنا نہیں جانتی اور نہ رنگ و نسل و وطن کا بھید بھاؤ

پیدا کرتی ہے۔

فالناس كلهم من ادم وادم من تراب
لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي
على عربي الا بالتقوى يا ايها الناس
انا خلقناكم من ذكر وَاُنْثَى وَجَعَلْنَاهُمْ
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۝

سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی کے بنے
تھے، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں
مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔ اے لوگو تم نے جن میں
ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں
اور قبیلوں میں بانٹا کہ ایک دوسرے کو پہچانو تم میں
سے خدا کے نزدیک معزز تم میں کا متقی شخص ہے۔

اور حضرت خاتم المرسلین نے فرمایا:-

لیس منامن دعا الی عصبیۃ ولیس
منامن قاتل علی عصبیۃ ولیس منامن
مات علی عصبیۃ ۳

وہ ہم میں سے نہیں جس نے جاہلی جتھابندی کی دعا
دی اور جو جاہلی جتھابندی کے لئے لڑا اور جو جاہلی
جتھابندی کے پیچھے مرا۔

اور انصار و مہاجرین کی دہائی دینے والوں کو سرزنش فرمائی۔

دعوها خانها منینہ ۴

اس عصبیت کو ترک کر دو یہ گندی اور وار ہے

یہ وہ تہذیب ہے جس کا شعار اور طرز اُمتیاز عقائد کے دائرہ میں توحید معاشرت
کے میدان میں مساوات انسانی اور استقام آدمیت، اخلاق کے بارے میں خدا کا خوف
اس سے جیا، اور تواضع و انکسار ہے، میدان عمل میں آخرت کی جدوجہد اور اللہ کے راستے میں
جہاد، میدان جنگ میں رحم کا جذبہ اور حدود کی پابندی اس کی خصوصیت ہے، یہ تہذیب
حکومت کے طور و طریق اور نظم و نسق میں مالی مفاد پر دینی مفاد کو تحصیل وصول اور

اضافہ آمدنی پر ہدایت کو نفع اٹھانے سے زیادہ نفع پہنچانے، خدمت لینے سے زیادہ خدمت کرنے کے اصول کو ترجیح دیتی ہے، یہ تہذیب تاریخ میں اپنی مخلصانہ انسانی خدمت اور انسانیت کو جاہلیت کے پنگل اور سرکش و گمراہ دعوتوں سے نجات دلانے اور صفحہ عالم پر اپنی دلکش یادگاروں اور اپنی پھیلانی ہوئی برکتوں کے لئے نیک نام اور زندہ جادید ہے۔
یہ تہذیب اللہ کے نام اور اس کے ذکر و فکر کے خیر سے تیار ہوئی ہے، اور فضائی رنگ میں رنگی ہوئی اور ایمان کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے، اس لئے اسے اس کے دینی رنگ سے جدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں اور نہ ربانی رنگ اور ایمانی آہنگ سے اس کی علیحدگی ممکن ہے۔

انبیاء کی اطاعت و تقلید پر قرآن کا زور

قرآن مجید جگہ جگہ انبیاء کی اتباع، ان کی سیرت کو اپنانے اور ان کے طرز پر زندگی گزارنے، اور حتی الامکان ان کی مشابہت اختیار کرنے پر زور دیتا اور کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا
بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں
بہترین نمونہ و عمل ہے، اس شخص کے لئے جہاں
اور یوم آخرت سے پر امید ہے، اور اللہ کو کثرت
سے یاد کرتا ہے۔

وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ برابر یہ دعوائے مانگتے رہیں کہ:-

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ
الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ
اِے خدا ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی
راہ جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ کہ ان کی راہ

ہوتی ہو اور ہر اس چیز سے منع کیا جس سے ان کی بے ادبی ہوتی ہو، اور جس سے ان کی عزت
مجرع، ان کی شان گھٹتی اور ان کی بڑائی کم ہوتی ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا
أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا
تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ
لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ عَمَّا كَلَّمْتُمْ وَأَنْتُمْ
لَا تَشْعُرُونَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ
أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ امْتَنَّ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلنَّبَا
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز کے
مقابلے پر بلند نہ کرو اور نہ اسے اس طرح پکارو
جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو مبادا تمہارے
اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔
جو لوگ رسول اللہ کی مجلس میں اپنی آوازیں پست
رکھتے ہیں وہی وہ ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ
کے لئے پرکھ لئے ہیں انھیں کے لئے مغفرت اور
بڑا ثواب ہے۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ
كَمَا تَجْعَلُونَ بَيْنَكُمْ بَعْضًا ۝

اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایک دوسرے
کے بلانے کی طرح مت بناؤ۔

اسی لئے نبی کی وفات کے بعد راست پران کی ازواج حرام کر دی گئیں۔
وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ
وَلَا أَنْ تَكْفُرُوا بِالْوَحْيِ ۚ وَالَّذِينَ
أَبْدَلُوا ذَٰلِكُمُ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۝

تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو
اور نہ یہ کہ تم ان کی بیویوں سے ان کے بعد نکاح کرو
یہ بات خدا کے نزدیک بہت ہی اہم ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے صریح نصوص میں رسول کی محبت اور اپنی جان، مال اور
آل و اولاد کے مقابلے پر ترجیح کا مطالبہ کیا گیا ہے، صحیحین میں ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ الْوَدَّ أَحِبَّ إِلَيْهِ
 تَمِّمِ سِوَىٰ كُفْرٍ مِّنْهُ لَا يُؤْمِنُ حَتَّىٰ يَكُونَ
 مِّنْ وَالِدٍ وَلَا مَوْلَا وَلَا نَاسٍ لِّجَمِيعَتِهِمْ
 تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے
 لئے اس کے باپ اس کے رُکے اور تمام لوگوں کے
 مقابلے پر زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

طبرانی معجم کبیر اور اوسط میں "مَنْ نَفْسُهُ" کے الفاظ کا اضافہ ہے، یعنی اپنی جان
 سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔
 اور اسی طرح فرمایا گیا۔

ثَلَاثٌ مِّنْ كُنْ خِيَرَةٌ وَجَدَ مِنْ حَلَاوَةٍ
 جِسْمِ مِثْلِ تَمِّمِ بَاتِنِ هُوَ وَهِيَ اِيْمَانُ كِي حَلَاوَةٍ
 الْاِيْمَانُ مِّنْ كَانِ احْتِلَافٌ وَرَسُولُهُ لَعِبَ
 يٰسْكَافِي، اِيك وَهِيَ كِي لِيْ اَلشَّرِّ اَوْرَاسِ كَا
 اِيْمَانُ مِمَّا سَوَاهَا اَلْحَمْدُ
 رسول اوروں سے بڑھ کر محبوب ہوں۔

جذبہ محبت کی تاثیر اور طاعت رسول میں صحابہ کی فنائیت کا راز

رسول کی مخلصانہ اور مکمل اطاعت، نبوی اخلاق کو اپنانا، بشریعت کو خواہشِ انفس
 اور رسم و رواج و عادات پر ترجیح دینا، اور دعوتِ اسلامی کی راہ میں جانی و مالی فداکاری،
 بغیر اس دلی محبت کے جو دل کی گہرائیوں میں موجود ہو اور انسان کے عقل و دل و نگاہ پر محیط و
 مستولی ہو ممکن نہیں، اسی لئے فرمایا گیا:-

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ
 اٰپَہِ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے،
 وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
 اور بھائی، بیویاں اور خاندان اور اپنا جمع کردہ
 وَاَمْوَالٌ اِخْتَرْتُمْ وَاَنْفُسُكُمْ
 مال، اور وہ تجارت جس کی کسادبازی سے

تَحْشُونَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينَ تَرَضُّوْنَهَا
 دُتے ہوا روہ گھر بھینس پند کرتے ہوا اللہ اس کے
 احَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ
 رسول اور اس کے رستے میں جہاد سے زیادہ عزیز
 فِي سَبِيلِهِ فَتَرْتَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
 ہے تو انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لائے اور خدا
 وَلِلَّهِ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝
 فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسی لئے صحابہ کرام رسول کی اطاعت کے حریف، اس کی طرف لپکنے والے، اس میں نشاط
 محسوس کرنے والے اور اس پر صبر کرنے والے تھے، اور اسی لئے انھیں اس باب میں ہمیشہ سبقت و
 خصوصیت حاصل رہے گی، حضرت صدیق اکبرؓ ایسے ہی لوگوں میں تھے، ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی، اور آپ کی صحت و زندگی کو اپنی صحت و زندگی
 پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ عقبہ بن ربیع نے ان کے چہرے پر کچھ پٹوئے جو تلوں سے سیم ضربیں لگائیں اور
 سینے پر سوار ہو کر اس قدر زد و کوب کیا کہ چہرے کے اعضا و خدو خال کی تمیز مشکل ہو گئی، ان کا قبیلہ
 بنو تمیم کے لوگ اس حال میں انھیں ایک کپڑے میں ڈال کر اٹھا لائے کہ ان کی موت میں کسی کو شبہ نہ تھا،
 مگر جب دن چھپے انھیں ہوش آیا تو سب سے پہلے یہی پوچھا کہ رسول اللہ خیریت سے ہیں؟ اور جب
 انھیں اطمینان دلا گیا کہ آپ بخیریت ہیں، تب بھی انھیں اطمینان نہ ہوا اور انھوں نے کہا۔

ان الله على ان لا اذوق طعاما
 مجھے خدا کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک کھانے پانی کو
 ولا اشرب شرابا والی رسول الله
 ہاتھ نہ لگاؤں جب تک کہ رسول خدا کے دیدار سے
 صلى الله عليه وسلم
 اپنی آنکھیں روشن نہ کروں

ایسے ہی جانثاروں اور عاشقوں میں وہ انصاری خاتون تھی جس کو غزوہ احد کے موقع پر اس کے
 قریب ترین عزیزوں، باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی خبر دی جاتی رہی مگر اس نے ان سب کو نظر انداز

کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت پوچھی اور لوگوں نے آپ کی خیریت بتائی تو اس نے زیارت کے بعد کما کل مصیبة بعدد جملہ آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت سب سے ہے۔

ایسے ہی فدائیوں میں عبداللہ بن عبداللہ بن ابی تھے، جنہوں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو معزز، ذلیل کو نکال دے گا، وہ مدینہ کے دروازے پر باپ کے مقابلے پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ کیا تم ہی نے ایسا کہا تھا؟ بخدا تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ عزت تمہارے لئے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے؟ تم مدینہ کے سایے میں اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر جانیں سکتے چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کی اجازت نہ دیدی۔ یہ اسی جذبے کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے مستقبل پر لے کر نکلے اور زندگی انہیں گراں لیکن اعزاز اور وطن کو چھوڑنا اور اللہ کے رستے میں شہادت خوشگوار ہو گئی، اور اسی وجہ سے وہ غرور و بے کے موقع پر یہ کہہ سکے کہ :-

ان امرنا تبع لأمراء فواللہ لمن سرت
حتی تبلغ البراء من غمدان لنسیرن
معہ واللہ لمن استعرضت بنا هذا
البحر حفصنا معہ
ہمارا معاملہ آپ کے حکم کے تابع ہے بخدا اگر آپ
برک غمدان تک چلیں تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے
اور بخدا اگر آپ فرمائیں گے تو ہم اس سمندر میں آپ
کے ساتھ کود پڑیں گے۔

عالم اسلامی میں محبت کے فقدان کا نتیجہ اور زندگی پر اس کا اثر

آج عالم اسلامی میں شریعت پر عمل میں کوتاہی اور طاعات سے غفلت اور نفس پرہراں گزرنے والی چیز سے وحشت اور نبی کی سنتوں کے معاملے میں نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی غفلت، سب

اسی عظمت رسولؐ کا احساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے جس پر قرآن زور دیتا ہے، اس کے ساتھ ہی رسولؐ سے محبت کی کمی کو بھی اس میں بہت دخل ہے، یہ وہی جذبہ ہے جو پہلے اور اب بھی ہجرت انگیز قوت کا سرچشمہ اور تالیخ میں عجائبات و معجزات کے لئے مشہور رہا ہے، اور اس جذبہ کی کمی عقل و عزم، نظام کے بڑی سے بڑی مقدار سے بھی پوری نہیں ہو سکتی، اور یہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔

نبیؐ کی اطاعت و محبت ہی میں قوم کی فلاح ہے

امتوں کی تقدیریں ان میں بھیجے گئے رسولوں کی اتباع و انقیاد، ان کے جھنڈے تلے جمع ہونے ان کی سیرت کو اپنانے اور عزت و ذلت ہر حال میں ان کی رکاب سے وابستہ رہنے سے متعلق ہوتی ہیں۔ چنانچہ کوئی امت تمام طاقتوں، عقل و وسائل کے ساتھ زمانے، تہذیب، فلسفوں اور حالات حوادث کے تمام ترقیوں کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ نبیؐ کی اتباع، اس سے محبت اور اس کی دعوت کے لئے ہر حال میں جدوجہد نہ کرے، اور جو امت بھی اس طریقے سے ہٹ کر عزت، سیادت، اور قوت و اہمیت کے حصول کے لئے اپنی دانشمندانہ سیاست یا کسی بڑی طاقت کی پشت پناہی پر بھروسہ کرتی ہے تو اس کا انجام ذلت و ناکامی، داخلی انتشار اور دیرسویر سوائی کے سوا کچھ نہیں۔

عالم اسلام اور ممالک عربیہ کے حوادث اور اسباب

عالم اسلام عام طور پر اور عرب دنیا خاص طور پر اس حقیقت کے بہترین گواہ ہیں، ان ممالک میں جب نبیؐ امی کی اتباع گراں گذرنے لگی اور سیاسی لیڈروں کے مطاببات میں نبیؐ کے مطالبات سے زیادہ محسوس بڑھ گئی اور نبیؐ کی طرف نسبت سے اور ان کی غلامی کو شرف سمجھنے سے ان کو گریز ہونے لگا

اور نبی کے دین ان کے احکام اور ان کی تہذیب سے ہٹ کر ان کے اکثر ممالک قومیت و وطنیت، اشتراکیت اور دوسرے جدید فلسفوں کو اپنانے لگے تو کوئی کامیابی نہ حاصل کر سکے اور نہ اپنا کوئی مسئلہ حل کر سکے بلکہ کسی معذرت کے ممالک عربیہ کی مثال پیش کروں، وہ اپنی وحدت کو پارہ پارہ کر چکے ہیں، وہ ایک فلسطین کا مسئلہ اتنی طویل مدت میں بھی نہ حل کر سکے اور عالم اسلامی یا عالم انسانی کی صف میں کوئی باعزت مقام بھی نہیں حاصل کر سکے ہر دن ان کے لئے نئی مشکل اور نیا مسئلہ لے کر ہی آتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے شام میں اپنے عرب ساتھیوں کے ساتھ کہا تھا، (جو بڑے صحابہ اور فتوحات اسلامی کے قائد تھے) اور جنہوں نے انہیں ایک بڑی حکومت کے سربراہ کی شان اختیار کرنے کو کہا تھا، انکم کنتم اذل الناس فاعزکم اللہ بالاسلام فہما تطلبوا العز بغیرہ لا یدلکم اللہ علیہ تم سب سے زیادہ ذلیل لوگ تھے، پھر اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعہ عزت دی تو جب بھی تم اسلام کے بغیر عزت چاہو گے تو خدا تمہیں ذلیل کر دے گا۔



چوتھا خطبہ

ارادہ الہی اور اسباب مادی

مادی اسباب کے سلسلے میں نبیؐ، اور ان کے مخالفین کافروں

قرآن کا — جو وہ واحد کتاب ہے، جس نے انبیاء کی تاریخ، ان کے حالات زندگی، اور پیغمبرانہ خبروں کو محفوظ رکھا ہے — پڑھنے والا تسلسل اور وضاحت کے ساتھ یہ دیکھ گا کہ انبیاء کی بعثت ہمیشہ بڑے تاریک مخالف ماحول میں ہوئی ہے،... مادی لحاظ سے بھی وہ کمزور اور بے سروسامان تھے، اور ملک و مال، دوست اور ساتھی، اور دوسرے وہ تمام مادی اسباب جن پر انسانوں کو ناز ہوتا ہے، ان کے مخالفین کے پاس تھے، اور ان کے ماتحت تھے، انبیاء کا سرمایہ وہ مضبوط ایمان ہوتا ہے جس تک شک کی رسائی بھی نہیں، اخلاص کامل ہوتا ہے، جس میں طمع و نفاق کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوتی، الشریکھر وسنہ اس کی طرف رجوع اس کی چوکھٹ پر افتادگی، مصلح تقویٰ، حسن سیرت، اخلاق فاضلہ ہوتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر (مذکورہ صفات کی اہمیت بقرار رکھتے ہوئے) وہ صحیح ایمانی دعوت ہوتی ہے، جس کی کامیابی کی ضمانت خود خدا نے کی ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰۤاتِ
 الدُّنْيَا وَكَوْنِهِمْ يَفْقَهُمُ الْاَشْهَادُ
 كَتَبَ اللّٰهُ لَاَعْلٰیۤنَ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ
 قَوِیُّ عَزِیْزٌ
 وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیۡنَ
 اَنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ حَتّٰی تَخْرُجَ
 الْغَالِبُونَ
 ہم اپنے پیروں اور ان کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی اور
 اس دن جب گواہ کھڑے ہوں گے مندرجہ کریں گے۔
 اللہ نے لے کر رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبروں غالب
 آئیں گے اشرقیۃاً قوی اور غالب ہے۔
 ہماری بات لے ہو چکی ہے اپنے بندوں اور رسولوں
 کے لئے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور ہماری فوج
 ہی غالب ہوگی۔

متعین و مقصود موضوع

قرآن کے پڑھنے والے کے سامنے یہ بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کے
 جو قصے ان کی دعوت کی خبریں اور اس سلسلے میں پیش آنے والے مقابلوں جنگوں، سازشوں و
 قوم کی منفقہ دشمنی اور متحدہ محاذ آرائی کا جو نقشہ کھینچا ہے اور اس خطرناک لڑائی کا جو نتیجہ بیان
 کیا ہے وہ ہمیشہ ایک نہتے مرد فقیر اور ایک سرمایہ دار اور ذی اثر قوم کے درمیان یا کسی جاہل بادشاہ
 سے ہوئی اور پھر نبوی دعوت اور اس کے علمبردار اپنے فقر و کمزوری کے باوجود کامیاب اور
 ذی اثر سرمایہ دار اور جاہل بادشاہ اپنی قوت و سطوت کے باوصف ہمیشہ ناکام رہے یا اس دعو
 کو ماننے پر مجبور ہو گئے۔ وہ ایک مقصود مطلوب چیز ہے یہ ایک مشترک حقیقت محض ایک
 اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک دائمی سنت الہی اور ایک طے شدہ بات ہے، اور ظاہر ہے کہ
 اللہ کی قدرت کا ملہ اچانک حادثات اور بخت اور اتفاق سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی جو نادانوں

اور بے عملوں کی منطق اور تسکین کا سامان ہے۔

اور یہ واقعات بار بار دہرائے گئے ہیں ان کے ذریعے اس قدرت کاملہ پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے جس نے اسباب کو پیدا کیا اور جو اسباب کی مالک ان میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے والی اور انھیں موثر یا غیر موثر کر دینے والی ہے اور وہ قدرت — جیسا کہ ہم نے سابقہ خطبہ میں کہا — کہ اسباب کو پیدا کر کے خود معطل اور کمزور نہیں ہوئی اور اپنے ارادے سے اُسے دوسروں کو دینے کے بعد خود اس سے محروم نہیں ہوئی اور نہ وہ تخلق و ایجاد اور غلبہ و کامرانی کے لئے ان اسباب کی محتاج ہی ہے۔

یہ واقعات حق کی قوت اس کے باقی رہنے کی صلاحیت اور باطل کی کمزوری اور اس کی سست بنیادی پڑال ہیں اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِيهِ الْبَاطِلُ
وَمَا يُعِيدُ ۖ

آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل نہاب شروع ہوگا
نہ اس کی بازگشت ہوگی۔

بَلْ نَقْذِرُ الْبَاطِلَ عَلَى الْبَاطِلِ قَيْدًا
فَإِذَا هُوَ رَاقٍ ۚ وَمَا لَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا
تَصِفُونَ ۖ

بلکہ ہم حق کو باطل پر سے مالتے ہیں اور وہ اس
کی سرکوبی کرتا ہے اور پھر وہ مرٹ جاتا ہے اور تمہارا
لئے اس میں جو تم کہتے ہو ہلاکت ہے۔

فَأَمَّا الزُّبُرُ فَيَذَرُهَا جُمُاعًا أَوْ آفًا
مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْسِكُ فِي الْأَرْضِ مِنْ
كَذَلِكَ يُضِرُّ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۖ

جھاگ یونہی ختم ہو جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع
دیتا ہے وہ زمین پر باقی رہتا ہے اس طرح الشجر
مثالیں دیتا ہے۔

تجربہ اور اللہ کی رحمت کی ترغیب

اس طرح کے قرآنی قصے اللہ اور اس کی مدد پر توکل کی۔ (زمانہ کے تمام اختلافات کے باوجود)۔ دعوت ہیں، اور تمام ناسازگار و مخالفت فضا اور حالات میں بھی دعوت حسن سیرت اور عمل صالح پر اعتماد بحال کر دیتے ہیں، خدائی نصرت کے معجزانہ کارنامے، اور قدرت الہیہ کے عجائبات کے تذکرے قرآن میں بہ تکرار آتے رہتے ہیں، جب قرآن کسی نبی کو خدائی مدد، فتح مبین، قبولیت دعا، اور دشمن پر غلبہ کا ذکر کرتا ہے، تو وہیں اس نبی کے ماننے والوں اور اس کی دعوت کے حمایتیوں کو اس تجربہ کی دعوت بھی دیتا اور انہیں رحمت الہی سے پُر امید کر دیتا ہے، جیسے یوسف نبی پر خدا کے عطیے کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا:-

رَاحُصَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرًا لِّلْعَابِدِينَ ۖ

یہ ہماری رحمت سے ہوا اور عبادت گزاروں کے لئے تنبیہ ہے۔

حضرت یونس کے بارے میں فرمایا گیا:-

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَفَتَنَّاهُ مِّنَ الْغَمِّ ۖ وَكَذَٰلِكَ يُخَيِّمُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ

ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی اور ہم ایسے ہی مومنین کو نجات دیتے ہیں۔

سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ

موسیٰ و ہارون پر سلامتی ہو ہم اسی طرح نیکوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

سَلَامٌ عَلَىٰ إِيَّا سَيْنَ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ

ایسا پر سلام ہو ہم اسی طرح نیکو کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔

قصہ لوط کے ذکر کے بعد فرمایا گیا:۔

نِعْمَةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ لَا تَجْزِي
مَنْ شَكَرَ لَهُ
یہ بطور ہماری نعمت کے ہوا جو شکر کرتا ہے اسے ہم
ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں۔

اس لئے قرآن کے بڑے حصے پر مشتمل یہ قصے تفریحی قصے، یا تاریخی کہانیاں، نہیں بلکہ وہ
..... ذکر و موعظت، ترغیب، دعوت و ارشاد، رہنمائی اور تقویت و تشبیح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي
الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَكِنْ
تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ
كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
يُؤْمِنُونَ
ان کے قصوں میں عقل والوں کے لئے سامانِ
عبرت ہے، یہ کوئی گڑھی ہوئی بات نہیں بلکہ
اپنے سے پہلے واقعہ کی تصدیق، ہر چیز کی تفصیل
اور ایمان لانے والی قوم کے لئے ہدایت و رحمت
ہے۔

وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ
مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي
هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٌ
لِّلْمُؤْمِنِينَ
اور ہم انبیاء کی تمام خبریں آپ کو دیتے ہیں جس کے
ذریعہ آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور آپ لے
پاس بائیں حق آپ کا جو نصیحت اور مومنین کے لئے
یاد کرنے کی چیز ہے۔

تمام انبیاء کے ساتھ اللہ کا طریقہ

اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ تمام انبیاء کے ساتھ رہا ہے، مثلاً حضرت نوح کی قوم نے
جب ان سے کہا:۔

اَتُومِن لَكَ وَاتَّبَعَكَ اَلَا اَنْذَكُونَ ۝
 کیا تم تم پر ایمان لائیں حالانکہ ذلیل لوگ تمہاری پیروی کرتے ہیں۔

حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے عجز کے ساتھ اپنے ضعف کی شکایت کی:-

اِنِّیْ مَعْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝
 میں شکست کھا رہا ہوں میری مدد کر!

اور حضرت لوطؑ نے قوم سے کہا:-

اِنَّ اِنِّیْ بِكُمْ قُوَّةٌ اَوْ اَوْحٰی اِلٰی رُکْنٍ
 کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی یا کسی
 مضبوط چیز کا سہارا لیتا۔

اور حضرت شعیبؑ کی قوم نے ان سے کہا:-

مَا نَفَعُكَ كَثِيْرٌ اِمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰكَ
 جو تم کہتے ہو اس کا بیشتر حصہ ہم نہیں سمجھ پاتے اور
 ہم تمہیں اپنے درمیان کمزور پاتے ہیں اور اگر تمہارا
 قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے اور تم ہم پر
 غالب آتے ولے نہیں۔

اور فرعونؑ اپنے اور حضرت موسیٰؑ کے بارے میں صراحت اور بے شرمی کے ساتھ کہتا ہے:-

وَنَادٰی بِرَعُوْنٍ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ
 اور فرعون نے اپنی قوم میں اعلان کیا اور کہا کہ
 اَلَيْسَ لِیْ مُلْكٌ مِّصْرَ وَهٰذَا اَلْاَنْهَادُ
 اے قوم کیا میرے پاس مصر کی سلطنت نہیں؟
 تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَغْلَا بَصْرُوْنَ ۝
 اور یہ نہریں میرے قدموں کے نیچے بہہ رہی ہیں
 اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ یُحِبُّ
 کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا میں اس سے بہتر نہیں
 وَلَا یُکَادُ یُیْبِسُ فَلَوْ لَا اُنْهٰی عَلَیْہِ
 جو ذلیل ہے اور بولنے پر بھی قادر نہیں اور اگر وہ

اَسْوَرَةُ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَاوِدًا مِّنْ
اُمْلَاكٍ مُّقْتَرِنِينَ ۝
سچا ہے تو اس کے پاس سونے کے گنگن کیوں نہیں
آئے یا اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں آئے۔

انبیاء جن قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ بڑی قوت و قدرت والی بڑے ساز و سامان
کی مالک و بڑی خوشحال قومیں تھیں، حضرت ہود کا قول اپنی امت کے بارے میں گذر چکا۔
وَاتَّقُوا الَّذِيْ اَمَدَكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝
اَمَدَكُمْ بِمَا لَكُمْ ۝ وَبَيْنَكُمْ وَجَنَاتِ
وَعِیُوْنَ ۝
ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ نہیں دیا ہے جو تم
جانتے ہو، تمہیں جانور دیئے، اولاد دیں دیں،
باغ دیئے اور چشے۔

اور حضرت صالح نے اپنی امت سے اس طرح فرمایا۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا ۝ وَمَا اَسْأَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلَى رَبِّ
الْعَالَمِیْنَ ۝ اَسْتَرْكُوْنَ فِیْمَا هُنَا اَمْنٌ
فِیْ جَنَاتٍ وَّعِیُوْنَ ۝ وَنُدُّوْعٍ وَغُلٍّ
طَلْعُهَا هَضْبٌ مِّنْ اِجْمَالٍ
بُیُوتًا فَاَرِهَیْنَ ۝
تو خدا سے ڈرو اور میرا کہاؤ، اور میں اس کا تم
سے بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ (خدا) رب العالمین
کے ذمہ ہے کیا جو چیزیں (تمہیں یہاں میسر) ہیں
ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ یعنی باغ
اور چشے اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے طیف
و نازک ہوتے ہیں، اور کلفت سے پہاڑوں میں

تراش خراش کر کھڑے ہوتے ہو۔

اور شعیب نے اپنی قوم سے کہا اِنِّیْ اَرَاكُمْ بِخَيْرٍ ۝ میں تمہیں خوشحال دیکھ رہا ہوں۔
لیکن خدا کی عطا کردہ اس خوش حالی کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کا جواب قرآن کی زبان سے سنئے۔
اَلَمْ یَرَوْا اَلَمْ اَهْلُکُمْ اَمِنْ قَبْلِهِمْ ۝
کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو

قَرْنٍ مَّكَلْنَا هُمُ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ يَكُنْ
لَكُمُ وَاوْرُسْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِزْرَارًا
وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ
فَاَهْلَكْنَاهُمْ بِنُوحٍ هُمْ وَانْشَاءُ مِنْ
تَبَعِهِمْ قَرْنًا الْآخِرِينَ ۝

ہم نے ہلاک کر دیا جنھیں زمین میں ہم نے وہ طاقت
دے رکھی تھی، جو تھیں نہیں دی اور ہم نے ان پر
آسمان کے دہانے کھول دیئے اور ان کے نیچے
نہیں بھی بہائیں پھر ان کے گناہوں کے سبب
انھیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری نسل
کو کھڑا کر دیا۔

مادیت کے لئے سب سے بڑا چیلنج اور انسان کی خدائی کے خلاف سب سے بڑی ابتلا

حضرت ابراہیمؑ کا قصہ جو قرآن میں بار بار بیان ہوا ہے، وہ مادی اسباب کی ذاتی تاثیر کے
خلاف سب سے بڑا چیلنج، ان اسباب اور ان کے ماننے والوں کی قوت کا مذاق اڑانے والا اور ان کی
کمزوری اور غیر مفید ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، گویا حضرت ابراہیمؑ مادیت اور اس کے
حاملین کے استخفاف و استہزاء پر مامور ہو کر آئے تھے، جو اس کی تقدیس کرتے، اس کا کلمہ پڑھتے،
اور اس پر ہر طرح بھروسہ کرتے تھے، ان کو حقیر سمجھنے اور خدا کی مدد سے ان پر فتح پانے اور ان کی
تذلیل میں خاص لذت، قلبی تسکین اور روحانی غذا حاصل ہوتی تھی، اور گویا وہ اپنے ایمان پر توحید
کے طویل اور با برکت سفر میں ہر قدم پر مادیت کو اپنے قدموں سے روندنے اپنے عزم سے اسے سخر
کرنے کا التزام کر کے شک پر ایمان کی، مادہ پر روح کی، نظام مشرک پر توحید کی نئی فتح کا مسرے
کر رہے تھے۔

اپنی طویل زندگی میں انھوں نے اپنے ماحول کی قوت و بادشاہت، مادہ اور معدہ کی

عبادت، باطل خداؤں، اور دھمکانے والی طاقتوں کے خلاف ہمیشہ علم بغاوت بلند رکھا، اس کا راز یہ تھا کہ ان کے وقت کی دنیا مادی اسباب کی شدت سے قائل اور اس پر حد سے زیادہ اعتماد کر بیٹھی تھی حتیٰ کہ وہ اسے مستقل اور ذاتی طور پر موثر سمجھنے لگی تھی، اور اسے خدا کے ساتھ ایک خدا کی حیثیت دیدی تھی۔

مادیت کی یہ غلامی، تقدس، اور اس پر اعتماد نے ان کی بت پرستی کے پہلو میں ایک نئی بت پرستی کی شکل اختیار کر لی تھی، جس میں وہ پہلے سے ڈوبے ہوئے اور ان کی بندگی میں پھنسے ہوئے تھے، حضرت ابراہیمؑ کی زندگی دونوں بت پرستیوں کے خلاف بغاوت اور اعلان جنگ، خلاص توحید کی دعوت، اور الشّرکی بسیط و محیط قدرت کا اعلان اور اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ عدم سے چیزوں کو وجود میں لاتا ہے، اور وہ اسباب کا خالق بھی ہے، اور ان کی زمام کا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ اسباب سے تاثیر سلب کر سکتا، اور اشیا کی خاصیت و افادیت کو روک سکتا، اور ان کا اثر پیدا کر سکتا اور ان کو جس کا چاہے تابع و فرمان بنا سکتا ہے۔

لوگوں نے اس بغاوت کے مجرم میں آگ کا الاؤ تیار کیا اور یہ تجویز پاس کی کہ:-

حَرِّقُوْهُ وَانصُرُوْا الْاِلٰهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
فَاعِلِيْنَ ۙ
کچھ کرنا چاہتے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کو یقین کامل تھا کہ آگ، الشّر کے ارادے کی تابع ہے، اور جلنا اس کی ایسی صفت نہیں جو اس سے الگ نہ ہو سکے، بلکہ یہ اس میں بطور امانت رکھی ہوئی، ایک خاصیت ہے، جس کی لگام کبھی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی، اور کبھی کھینچ لی جاتی ہے، اور اسے ٹھنڈک و سلامتی بنا دیا جاتا ہے، چنانچہ آپ اس نارنروڈ میں مومنانہ شان کے ساتھ مطمئن اور پر اعتماد انداز میں

کو دپڑے اور تیر آپ کے یقین کے تابع ہی رہا۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ
إِبْرَاهِيمَ ۚ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُم
لَا خَافِينَ ۚ

ہم نے حکم دیا اے آگ ابراہیم کے لئے ٹھنڈک
اور سلامتی بن جا، اور وہ لوگ اسے نقصان پہنچانا
چاہتے تھے تو ہم نے انہی کو ناکام کر دیا۔

لوگوں کا یہ خیال بھی تھا کہ زندگی بغیر سبزی، خوشحالی اور پانی کی فراوانی کے ممکن نہیں،
اس لئے وہ اپنی آل و اولاد اور اپنے رہنے سہنے کے لئے ایسی زرخیز زمین حاصل کرتے تھے، جن میں
پانی کی افراط و تفرات کی فراوانی ہو اور جہاں صنعت و تجارت کی سہولتیں حاصل ہوں حضرت
ابراہیم نے اس چلی ہوئی عادت اور عام رسم و رواج، اور اسباب پر تکیہ کرنے کے خلاف بھی قدم
اٹھایا اور اپنے چھوٹے سے خاندان کے لئے — (جو ایک ماں اور بیٹے پر مشتمل تھا) — ایک
بے آب و گیاہ وادی پسند کی جس میں نہ زراعت ممکن تھی نہ تجارت اور جو دنیا اور اس کی تجارتی
منڈیوں سے بالکل کٹی ہوئی اور سرمایہ کے مرکوزوں سے بہت دور تھی۔

آپؑ نے اللہ سے رزق میں وسعت کی دعا کی کہ وہ دلوں کو اس وادی کی طرف مائل
کرسے اور یہاں تک پھل اور میوے بغیر کسی معروف طریقے کے پہنچائے آپؑ نے کہا۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ
غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ
رَبَّنَا اقْبَلْ صَلَاتِي فَاجْعَلْ أَفْنِدَةً
مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ
مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝

اے رب میں نے اپنے خاندان کو ایک ناقابل کاشت
وادی میں تیرے معزز گھر کے قریب بسایا ہے،
اے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو
ان کی طرف مائل کرا اور انھیں پھل میسر کر شاید وہ
شکرا داکریں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور انھیں رزق، امن و عافیت کی ضمانت دی اور ان کے شہر کو ہر قسم کے پھلوں اور خیر و برکت کے خزانوں کا مرکز بنا دیا۔

أَوَلَمْ نُعَلِّمْكُمْ خُرْمًا مِمَّا نُنَبِّئُكُم بِهِ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ
شُمُوسُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِمَّا لَدُنَّا وَلَكِنَّ
الَّذِينَ هُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

کیا ہم نے ان کے لئے ایک پُر امن حرم متیانیں کو دیا جس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں اور جو ہمارے طرف سے بطور رزق کے تھے اور لیکن اکثر لوگ انہیں نہیں جانتے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي
أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ
خَوْفٍ ۝

تو انھیں اس گھر کے خدا کی عبادت کرنا چاہئے جس نے انھیں بھوک کے بعد کھانا کھلایا اور خوف کے بعد امن نصیب کیا۔

حضرت ابراہیم نے انھیں ایسی خشک زمین پر اتارا تھا، جہاں پیاس بھلنے اور حلق ترک کرنے کے لئے پانی کا نام و نشان تک نہ تھا، لیکن ریت کے ذروں سے پانی کا چشمہ بھوٹ پڑا، اور وہ اس وقت سے اب تک اس طرح جاری ہے کہ لوگ اسے جی بھر کر پیتے اور اپنے ملکوں کو لے جاتے ہیں، حضرت ابراہیم نے اپنے گھر والوں کو چٹیل میدان میں لاجھوڑا تھا، مگر وہ ایسا مکر کی مقام بن گیا جس کے لئے اطرافِ عالم کے لوگ عزم سفر کرتے، اور رختِ سفر باندھ کر آتے ہیں، دنیا کے گوشہ گوشہ سے نزلوں پر منزلیں ملے کرتے ہوئے پہنچتے ہیں، اور دور دراز علاقوں سے آتے ہیں۔

اس طرح حضرت ابراہیم کی زندگی اپنے زمانہ کی پھیلی ہوئی اور حد سے بڑھی ہوئی مادیت، اسباب کی عبادت اور ان کی بندگی کے لئے چیلنج اور اللہ اور اس کی قدرت مطلقہ، اس کے غالب ارادے پر ایمان کی زندہ مثال تھی، اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا کہ اس نے ان کے

ایک بند صندوق میں، نیل کے گہرے پانی میں، سحرانہ طور پر زندہ رہے۔

آپ دشمن کی گودیں پرورش پاتے اور قاتل کی حفاظت میں پروان چڑھتے ہیں۔

آپ بھاگتے اور نجات پاتے اور ایک درخت کے سائے میں محزون و لاچار ہو کر

جا بیٹھتے ہیں، اور پھر معزز مہمانی، اور پسند کی شادی سے متمتع ہوتے ہیں، اہل و عیال کے

ساتھ روانہ ہوتے ہیں راستے میں ناواقفیت اور رات کی تاریکی سے واسطہ پڑتا ہے،

اس کے ساتھ ہی بیوی کو ولادت پیش آتی ہے، اور ان کے لئے آگ کی تلاش ہوتی ہے، اور وہ

ایسا نور پالیتے ہیں، جس کے ذریعہ بنی اسرائیل کی قسمت چمک جاتی اور ایک عالم راہ یاب

ہو جاتا ہے، نبی ایک عورت کی ضرورت اور مدد کا سامان ڈھونڈتا ہے، تو وہ پوری انسانیت

کی مدد اور ضرورت کا سامان پالیتا ہے، اور نبوت و پیغمبری سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔

وہ فرعون کے خدم و حشم سے بھرے ہوئے دربار میں داخل ہوتے ہیں، حالانکہ وہ کل

مطلوب و مفروز مژم کی حیثیت میں تھے، جس پر فرد جرم لگ چکی اور مقدمہ دائر ہو چکا تھا،

اور ان کی زبان میں لکنت اور ارادوں میں تذبذب تھا، لیکن آج وہ فرعون اور فرعونوں

کو اپنی دعوت و ایمان، اور حجت و بیان سے مغلوب کر لیتے ہیں، اور فرعون، ساحروں کی

مدد سے اعجاز موسوی کو دبا نا چاہتا ہے، جسے وہ ایک کرتب اور جادو سمجھتا ہے، لیکن

ساحر عاجز اور قاتل ہو جاتے ہیں، اور کہہ اٹھتے ہیں:-

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوسٰی
وہا رعونۃ

ہم رب العالمین رب موسیٰ
ایمان لائے۔

انھیں اسرائیلیوں کو لے کر راتوں رات ظلم کی سرزمین سے نجات کی سرزمین کی طرف

کوچ کا حکم ملتا ہے، اور فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کرتا ہے، صبح جب ہوتی ہے تو حضرت موسیٰؑ سمندر کو اپنے سامنے ٹھاٹھیں مارتے دیکھتے اور دشمن کو اپنے پیچھے لیغا کرتے دیکھتے ہیں اور سمندری گھس پڑتے ہیں، سمندر ٹوٹ کر بڑے ہو جاتا اور کھڑا ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے، حضرت موسیٰؑ اور قوم سمندر پار کر لیتی ہے، ان کے دیکھا دیکھی فرعون بھی اپنی فوج کے ساتھ سمندریں اترتا اور غضب ناک سمندر کا لقمہ بن جاتا ہے، اس طرح فرعون اور اس کی قوی جماعت ہلاک ہوتی اور بنی اسرائیل کی محتاج اور کمزور قوم ان کی جگہ لیتی ہے۔

اور ہم نے اس قوم کو زمین کے مشرق و مغرب کا
مَشارِقِ الْأَرْضِ وَمَعَارِبِهَا الَّتِي بَارَكْنَا
فِيهَا وَنَمَتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ
بَنِي إِسْرَٰئِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَوَدَّعَيْنَا
مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ
وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ۔

اور ہم نے اس قوم کو زمین کے مشرق و مغرب کا
جس میں ہم نے برکت دی ہے، مالک بنا دیا جو
مركز بنادی گئی تھی، اور آپ کے رب کی بہترین
بات بنی اسرائیل کے لئے پوری ہو کر رہی، ان کے
صبر کے نتیجے میں، اور ہم نے فرعون اور اس کی
قوم کی کارستانیوں کو مٹا کر کھدایا اور جو کچھ وہ
انگور کی سیلیں چڑھاتے تھے۔

قصہ حضرت یوسفؑ اور معروف طریقوں سے اس کی دوری

حضرت یوسفؑ کا قصہ بھی اپنی ندرت و غرابت اور حوادث کے متعین طبعی اسباب،

۱۔ مصنف کے عربی مضمون "ثورة في التفكير" سے ماخوذ جو اس نے عربی کے نامور رسالہ المسلمون کے لئے لکھا

قانون اور عدالت و عدول کے نام قانون کی کار فرمائی کے خلاف ایک تاریخی شہادت ہے، انھیں بھائیوں کے حسد اور فریب، کنویں کی امدھاری میں ایک مدت تک قیام، قافلہ والوں کی غلامی سے سابقہ پڑا جس میں ہلاکت، تکلیف اور بے عزتی کا قوی اندیشہ تھا، لیکن وہ ان سب سے صحیح سالم بچ نکلے اور زندہ رہتے ہیں۔

انھیں عصمت و عفت، وفاداری اور شرافت کا ایک سخت امتحان دینا پڑا تلے جس میں وہ قوی محرکات اور ہمتیجات، حسن و شباب، اور فریق تائی کی طرف سے طلب و اصرار (جسے اقتدار بھی حاصل تھا، اور جس کا ان پر احسان بھی تھا) سے دوچار ہوتے اور سنگین الزام اور اخلاقی جرم میں اس زمانہ میں جیل میں داخل ہوتے ہیں، جبکہ وہ جرم کی علامت تھی اور جہاں اخلاقی جرم ہی رکھے جاتے تھے، وہ قیاس آرائی اور شہر میں پھیلی ہوئی افواہوں کا پسندیدہ موضوع بھی بن جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سب اپنے شہر سے دور اس جگہ ہوتا ہے، بلکہ ان کا اس قوم سے تعلق ہے، جس سے مصری شدید نفرت و حقارت کا بڑا وکرتے تھے، اور اسرائیلی ہونے کے معنی تھے کہ عزت و اقتدار میں اس کا کوئی حصہ نہیں، ان پر ایک ایسی نسل سے ہونے کا جنم داغ ہے، جس کے لئے غلامی مقدّم ہو چکی ہے، یہ سب حادثات ان کی گم نامی و بدنامی، اور ہر عزت و اعتماد سے محرومی، اور مصری معاشرے کے کسی بھی معزز و محترم مقام (چہ جائیکہ حکومت و سیادت و منصب جلیل جس کے حقدار صرف شرفاء ہی تھے) محرومی کا سبب ہو سکتے تھے، نہ کہ اس کے بعد وہ مصر کے بادشاہ ہوتے اور ان کے فیصلے نافذ ہوتے اور لوگوں پر ان کا رعب و داب ہوتا، لیکن اس کے برعکس لوگوں نے کھلی آنکھوں سے حضرت یوسف کو مصر کے تخت حکومت پر بیٹھتے اور اقتدار سنبھالتے دیکھا۔

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا يُوسُفَ فِي الْأَرْضِ
اور اس طرح ہم نے زمین پر یوسف کے قدم جماے
يَتَّبِعُوهُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ لِنُبَيِّنَ
کہ وہ جہاں چاہے رہ سکے ہم جسے چاہتے ہیں،

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ
الْمُحْسِنِينَ ۝
اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور نیکو کاروں کا اجر
ضائع نہیں کرتے۔

قصہ یوسف اور سیرت نبویؐ میں مماثلت

خاتم النبیین اور قریش کے وہ افراد جو ان پر ایمان لائے اور جنہوں نے ان کے ہاتھ میں
ہاتھ دیئے تھے، وہ بھی ایسے ہی تاریک حالات و مشکلات سے دوچار تھے، اور انھیں بھی 'تعداد کی کمی'
موقف کا کمزوری، اسباب کی نایابی، خاندان کی ملامت، اور قوم کی شدید مخالفت و مقاطعہ،
گھراؤ، دباؤ اور راہ خدا سے بندش، اور مومنین کی مطلوبیت (جنھیں وہ بددین، اور احمق کہتے
تھے) رسولؐ کے قتل کی سازش، مستقل خوف و خطرہ کا سامنا تھا، جس کا قرآن سے زیادہ معنی خیز
بیان اور اس سے بہتر تصویر کشی ممکن نہیں۔

وَاذْكُرْ مَوْلَاكَ اِذْ اَنْتَمُ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ
فِي الْاَرْضِ نَحْنُ تَحَاوُونَ اَنْ يَّتَخَفَكُمُ النَّاسُ ۝
وہ وقت یاد کرو جب تم بہت تھوڑے اور زمین
میں کمزور و ضعیف تھے اور تمھیں یہ ڈر لگا رہتا
تھا کہ لوگ تمھیں کہیں اچک نہ لیں۔

رسولؐ شکر و مدد غیبی اور عظیم مستقبل کی بشارت

ان تاریک حالات میں جو نہ کوئی امید بندھاتے اور نہ کسی مستقبل کی بشارت دیتے ہیں، اور
نہ جن میں روشنی کی کوئی کرن ہی دکھائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے حضرت
یوسفؑ کا قصہ بیان کیا، رسولؐ اللہ کی سیرت قصہ یوسفؑ سے بہت ہی مشابہ ہے، قبلہ قریش

کے معاملات برادران یوسف کے معاملات کے ہم شکل نظر آتے ہیں، یہاں بھی شروع میں حسد اور جنگ سے آغاز ہوتا ہے اور آخر میں اس کی انتہا اعتراض، تعظیم، اور ندامت پر پہنچتی ہے، ابتدا و دوری اور قطع تعلق سے اور جو رستم سے پہنچتی ہے، اور انتہا، تسلیم، اور التماسے رحم پر پہنچتی ہے۔
حضرت یوسفؑ کے سلسلہ میں کنوئیں کی تاریکی اور ہجرت نبویؐ میں غارتور کا مرحلہ اور ابن یعقوبؑ کی داستان میں قید و بند کا باب ابن عبدالمطلب کی سیرت کے شعب ابی طالب والے باب ایک دوسرے کے بہت مشابہ ہیں۔

دونوں کے دشمنوں کی طرف سے یہ اعلان و اظہار کیساں ہے کہ:-

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰتٰرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا
لَخٰطِئِيْنَ ۝۱۰
بند اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور ہم ہی
خطا وار تھے۔

اور دونوں سرداروں نے قوم کو کیساں اور نرم و شریفانہ جواب ہی دیئے۔

لَا تَتْرِبْ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ
وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۝۱۱
آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے
اور وہ رحم کرنے والوں میں سب زیادہ رحم والا ہے۔

قرآن نے اس عظیم قصے کو اس طرح شروع کیا ہے:-

مَنْ نَقَصْ عَلَیْکَ اَحْسَنَ النِّقَصِ
بِمَا اَوْحٰی اِلَیْکَ ۝۱۲ اَلْقُرْآنَ وَاِنْ
کُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝۱۳
ہم آپ سے ایک بہترین قصہ کہنے جا رہے ہیں، اس
سبب سے کہ ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے، اور
اگرچہ آپ اس سے پہلے غافلوں میں تھے۔

اور قصہ کو ختم اس طرح کیا گیا ہے:-

لَقَدْ کَانَ فِیْ قِصَصِهِمْ عِبْرَةٌ ۝۱۴ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝۱۵
ان کے قصہ میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے یہ کوئی

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَوَىٰ وَلَٰكِن تَصَدِّقُ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ
وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

گزشتہ حدیث کی بات نہیں، بلکہ اپنے سے سابق قصہ کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل اور مومن قوم کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

اس طرح یہ سورہہ مکہ کے بوجھل اور نادانوں میں اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک عظیم و تابناک اور شاندار مستقبل کی بشارت ثابت ہوئی گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ آپ کا قصہ ہے، اور مخالف ماحول میں کتنا یہ صراحت سے ہمیشہ ملینا مانا گیا ہے۔

انبیاء کی کامیابی امت کی کامیابی

پھر اللہ نے آنحضرتؐ سے حضرت موسیٰؑ اور فرعونؑ اور اس کے ساتھیوں کا قصہ بیان کیا ہے جو قصہ سورہ قصص میں آیا اس میں حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعونؑ کی چالوں سے آگاہی اور سلامتی اور رسالت عظمیٰ اور نبوت سے سرفرازی (جب کہ وہ صرف اپنی زوجہ کے تاپنے کے لئے آگ کی تلاش میں تھے) دشمن کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کا بیان ہوا ہے یہ حضرت یوسفؑ کے قصہ سے اس کے سوا بالکل مشابہ ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کی نجات، ان کی کامیابی اور سیادت کا قصہ زائد طور پر بیان ہوا ہے۔

اس قصہ کا افتتاح ایک بڑی عمر کے آرا تمہید کے ساتھ ہوا ہے، جس میں قریشی مخالفین کے دل دہلا دینے اور اس کمر و مومن جماعت کے مستقبل کے تصور سے معوج کر دینے کے لئے کافی سامان ہے جسے قریشی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اور اسے نکل جانے کی فکر میں تھے، فرمایا گیا۔

طَسَّرَهُ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ

یہ کھلی کتاب کی آیتیں ہیں، ہم آپ کو موسیٰ و فرعون کا

تَتْلُو عَلَيْكَ مِنْ بَيْنِ أَمْوَالِ فِرْعَوْنَ
بِالْحَقِّ يَقُولُ يُؤْمِنُونَ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا
فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا أَهْلَهَا شِيْعًا يَسْتَضِعُّ
طَائِفَةً مِنْهُمْ يَتَّبِعُ أَبْنَاءَ هُمْ وَيَسْتَعِجِ
نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ وَنُرِيدُ
أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي
الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ
الْوَارِثِينَ وَنَمْلِكُ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي
فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ
مَا كَانُوا يَحْتَدِرُونَ۔

ٹھیک ٹھیک قصہ مومن قوم کی خاطر بتا رہے ہیں،
فرعون نے زمین (مصر) میں بڑا بننے کی کوشش
کی اور اس کے باشندوں کو تقسیم کر دیا اور ایک
طبقہ کو اس نے کمزور کرنا شروع کر دیا، وہ ان کے
لڑکوں کو قتل کر دیتا اور لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا،
وہ مفسدوں میں سے تھا، ہم خاص طور پر ان لوگوں
پر احسان کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں کمزور بنائے
گئے ہیں اور انھیں امام اور وارث بنادینا اور زمین پر
ان کے قدم جما دینا چاہتے ہیں اور فرعون و ہامان اور
ان کے لاؤشکر کو جس انجام بد سے وہ ڈرتے تھے
دکھا دینا چاہتے ہیں۔

داعیوں اور مومن و صالح کا کرنے والوں کے لئے قوتِ اعتماد کا سرشتیہ

یہ مبلغ و مقرر قصے قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقویتِ تسلی کے لئے ہوتے تھے
جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ
الرُّسُلِ مَا شِئْنَا بِمِثْقَادِكُمْ فَبَاءَؤُا
فِي هَذِهِ الْحَقِّ وَمَوْعِظَةً وَذِكْرًا

اور رسولوں کی خبروں میں سے ہم ہر وہ خبر آپ کو
دیتے ہیں جس سے آپ کے قلب کو تقویت دیں اور
آپ کے پاس اس سلسلہ میں حق اور مومنین کے لئے

لَا تُؤْمِنُونَ

نصیحت اور یاد دہانی اچکی ہے۔

یہ سچے قصے داعیوں اور منہاج نبوت پر کام کرنے والوں، اور ایمان و عمل صالح اور تقویٰ کی طرف بلانے والوں، مصیبت پر صبر کرنے والوں، جہاد پر قائم رہنے والوں، اور اللہ کے راستے میں جاگنے والوں کے لئے ہمیشہ قوت و ثابت قدمی کا اور روشنی پیدا کرنے والی امید و فوز و فلاح اور مخالفتوں کے مقابلہ پر فتح و ظفر کے قوی یقین کا سرشتیہ و خزانہ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے قصہ میں فرمایا ہے:-

وَمَتَّ كَلِمَةً رَبِّكَ الْخُسْفَىٰ عَلَىٰ
بَنِي إِسْرَٰئِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَادَّخَرْنَا
مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ
وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ

اور بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کے
نتیجہ میں آپ کے رب کی اچھی بات پوری ہوئی
اور جو فرعون اور اس کی قوم کر رہی تھی، اور جو وہ
بیلین چڑھاتے تھے، اسے ہم نے نیست نابود کر دیا۔

اور یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ نمایاں کامیابیوں کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا:-
قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي قَدْ مَنَّ
اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ
اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ

کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، اللہ نے ہم پر
احسان کیا جو بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے تو
اللہ تعالیٰ انکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

یہ جان لینا چاہئے کہ یہ اللہ کی وہ سنت ہے، جس میں کبھی استثناء نہیں ہوتا اور انبیاء
کے منہاج و طریقہ پر دعوت اور کوشش ایمان و عمل صالح، صبر و طاعت اور اچھی و پاکیزہ
سیرت ایسا مبارک درخت ہے، جو خدا کے حکم سے ہمیشہ سدا بہار اور ثمر دار رہتا ہے، اور ایک
کمزور ترین فرد بھی ان صفات کے ذریعہ تقویٰ ہو جاتا ہے، اور کوئی بھی اقلیت، اگر ان اخلاق و فاضلہ

کی حامل ہو تو وہ اکثریت ہے۔

کَمْ مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً
کَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ
کتنی ہی چھوٹی جماعتیں، بڑی جماعتوں پر الشّر کے
حکم سے غالب آگئیں اور الشّر صبر کرنے والوں
کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَكْثَرُونَ
إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ
نہ ہمت ہارو اور نہ غمگین ہو، تمہیں سر بلند ہو گے
اگر تم مؤمن ہو۔

یہ قصے نسل در نسل قوت و عبرت کا سرخیل اپنے قوی ایمانی طرز اور اس کی دلیل ہونے کی
وجہ سے بنے رہے کہ انبیاء کی دعوت ہی کو فتح و ظفر ملتی ہے، اور الشّر کی پسندیدہ سیرت و صفات
ہی کے ساتھ فوز و فلاح و البستہ ہیں، خواہ اس کے اسباب کتنے ہی مخالف اس کی مخالفت
قوتیں کتنی ہی نبرد آزما اور مادی طور پر اس دعوت کے حامل کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔

فَدَاكَ كَلِمَةُ آيَةٍ فِي فِتْنَتَيْنِ الْفَتَا
فِئَةٍ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَآخَرَى
كَافِرَةٌ يُعْرَضُونَ لَهُمْ مِثْلَهُمْ رَأَى الْعَيْنُ
وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ آتَتْ
فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّلْأُولَىٰ لِأَلَّا يَكُونَ
تمہارے لئے ان دو جماعتوں میں نشانی تھی ایک عت
تو الشّر کے راستے میں جہاد کرتی تھی اور دوسری کافر تھی
اور وہ مسلمانوں کو چشم دید طور پر اپنے سے دو گنا دیکھ رہی
تھی، اور الشّر اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے تائید کرتا
ہے اس میں قتل و داؤں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

انبیاء کی دعوت پر ایمان یا پھر بلا کت و تباہی

انبیاء کی سیرت جسے الشّر تلے نے اپنی کتاب میں کبھی تفصیل اور کبھی اجمال کے ساتھ

بیان کیا ہے اور بتلوا اس کا ذکر کیا ہے اس کے درمیان ایک ایسا متفقہ نقطہ پایا جاتا ہے جس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا، اور وہ ہے ان کا تمام رکاوٹوں کے باوجود کامیاب اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں کامراں ہونا، اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، یا تو یہ مخالفین ایمان لے آتے اور ان کی دعوت قبول کر لیتے، اور اس کے مخلص فدائی بن جاتے ہیں، یا پھر ہلاک اور تباہ و برباد کر دیے جاتے ہیں۔

فَقَطَّعَ دَائِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

پھر کٹ گئی بڑی ظالموں کی اور سب تعریف
الشرب العالمین ہی کے لئے ہے۔

انفرادی اور قومی مصالح کی کوئی قیمت نہیں

جو دعوت انسانیت کی سعادت و نجات کا مدار ہے، اس کی عند الشریعہ قیمت ہے کہ اس کے لئے نوا میں فطرت اور قوانین قدرت بھی ٹوڑ دیے جاتے ہیں، اور اس کے لئے وہ کچھ کیا جاتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور فردی یا اجتماعی مصلحتیں یا سیادت و غلبہ کی خواہش اور وہ بے معنی قیادتیں جو نہ خیر کو اٹھاتیں اور نہ شر کو گرا دیتی ہیں، اور ان سے اسلام و انسانیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اور ان کا شر و فساد اور کفر و فسق کی طاقتوں سے کوئی جھگڑا نہیں ان کا ساری دھڑ دھوپ اور لڑائی اس کے لئے ہوتی ہے کہ ہونے والے تمام گناہ اور فساد ان کی نگرانی، سرپرستی اور ان کے سایہ اقتدار میں ہوں جن کا فائدہ انھیں پہنچے تو ایسی انفرادی و اجتماعی کوششوں کی التمر کے یہاں کوئی قیمت اور مجھ کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں، اور اگر اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ کس وادی میں مرتی اور کون سا دشمن ان پر غلبہ پاتا ہے اور ان کا خاتمہ کب ہوتا ہے۔

ایسی ہی کوششوں کے مقابلے میں سرکش و جابر اور بے رحم بناتیں اٹھ کھڑی ہوتی اور ایسے مشکلات و مسائل سامنے آجاتے ہیں جن کی ابتدا و انتہا معلوم نہیں ہوتی۔

ایک پھیلا ہوا غلط خیال

آج مسلم قوموں اور عالم اسلامی میں یہ خیال مقبول و مروج ہے اور اس پر سب کا ایمان راسخ ہے کہ سیرت و اخلاق کے مقابلے میں مادی طاقت ہی فیصلہ کن میزان اور معیار ہے بہت سے اچھے دینداروں حتیٰ کہ دین کے داعیوں کا بھی یہ غور ہو گیا ہے کہ ”مادی طاقت“ سب سے پہلے؟

یہی وہ طریقہ فکر ہے جس کا ابطال و تردید انبیاء و مرسلین کی سیرت، ان کے ساتھ پیش آنے والے حوادث اور ان کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والے عجائب و معجزات ان پر انشری نصرت و فتح کے انعام اور ان کے دشمنوں سے انتقام میں موجود ہے۔

یہاں ایک بار پھر اپنے رسالہ ”ثورۃ فی التفكير“ سے ایک اقتباس مستعار لیتا ہوں۔

”ایک طویل مدت سے ہم اپنی ذات، اپنی قیمت و حیثیت کو (دنیا کے نقشہ میں) ”مادی طاقت“ ”مصلاحت“ ”وسائل“ ”خام مواد“ ”ملکی پیداوار“ ”عددی طاقت“ ”جنگی پولیشن“ سے تو لے کر اور ناپنے کے عادی ہو گئے ہیں اور ہم کہیں اپنا میٹر ابھاری اور کہیں ہلکا پاتے ہیں اور اس سے خوش یا افسردہ ہوتے ہیں۔

ایک عرصے سے مغرب کی قیادت و سیادت پر ہمارا ایمان ماہر گیا ہے

اور گویا ہم نے مان لیا ہے کہ یہ تقدیر مبرم، امر محکم، اور اٹل قانون ہے، جس میں کوئی تبدیلی اور انقلاب نہیں آ سکتا اور اس طرح وہ قدیم مثل پھر زندہ ہو گئی کہ ”اگر تم سے کہا جائے کہ تاناریوں نے کہیں شکست کھائی تو کبھی اس کو باہر نہ کرنا۔“ ہم اب مغربی اقتدار اور مغرب کی قائدانہ صلاحیت کو چیلنج کرنے کے بارے میں کبھی سوچتے بھی نہیں، اور اگر کبھی ”علم و تحقیق“ سے آنکھ بچا کر اور عقل و فہم کو نظر انداز کر کے سوچتے بھی ہیں تو ہم اپنے وسائل و امکانات، جنگی طاقت، اسلحہ کی پیداوار اور ایٹمی طاقت کی پوزیشن کا جائزہ لیتے ہیں، تو ہم کو ناامیدی اور بدفالی گھیر لیتی ہے، اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہم محکومی و غلامی زندگی کے دھارے سے دو در رہنے، مغرب کا دست نگر، اور دو بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک سے وابستہ رہنے ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

ایمان و اطاعت، مومن کا ہتھیار اور کامیابی کی کنجی

لیکن اللہ نے قرآن میں انبیاء کی سیرت اور ان کے دشمنوں کا جو انجام بتایا اور جس کی ہم نے اپنے مقالے میں کچھ درخشندہ مثالیں پیش کی ہیں، وہ اس انداز فکر سے پوری طرح ٹکراتی ہیں، اور ہم پر یہ واضح کرتی ہیں کہ انبیاء کی کامیابی کا راز اور جن کامیاب ہتھیاروں سے انھوں نے اپنے مخالفین کا مقابلہ کیا اور ان کی چھوٹی سی کمزور جماعت کامیاب اور دنیا کی امامت و ہدایت کے منصب پر فائز ہو گئی وہ ”ایمان“ ”اطاعت“ ”دعوت الی اللہ“ تھی۔:-

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَيْمَةً يَهْدُونَ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ صَبِرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا
يُوقِنُونَ ۝

اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے
حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے یہ ان کے صبر اور
ہماری آیتوں پر یقین کے سبب ہوا۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ
تَبُوا الْقَوْمَ لَكُمَا بِصِرَاطٍ مُّبِينٍ وَأَجْعَلُوا
بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَلَبَّيْ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اور ہم نے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کو وحی
کی کہ تم دونوں اپنی قوم کو مصر میں بساؤ اور اپنے
گھروں کو مسجدوں کی شکل دو۔ اور نماز قائم کرو
اور مومنوں کو بشارت دیدیجئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتُصَرَّوْا لِلَّهِ
تَتُصَرَّكُمْ وَيُثَبِّتُ أَقْدَامَكُمْ ۝

اے وہ جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے
تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم
جما دے گا۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ
الْأَغْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتْرُكَكُمْ
أَعْمَالَكُمْ ۝

تو کمزور نہ پڑو اور امن کی طرف بلاؤ تمہیں
غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور
تمہارے اعمال میں کٹوتی نہیں کرے گا۔

امت مسلمہ کا مستقبل انبیاء کی سیرت سے وابستہ

ان سچے حکیمانہ قصوں کا یہی پیغام اور سبق ہے، جو ہمیں انبیاء کی زندگی اور ان کی
پاکیزہ سیرت سے ملتا ہے،... یہی وہ سیدھا اور صحیح راستہ ہے جس پر بلا استثنا تمام

انبیاء چلتے رہے، اور قرآن نے جس کے نقوش محفوظ رکھے ہیں،... مکر و قوموں کے لئے اگر کوئی
امید کا راستہ ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے، اور صاحب دعوت و عقیدہ قوموں کا مستقبل
اسی طور پر ہی سے وابستہ ہے، اور اللہ ہی حق کنتا اور وہی راستہ دکھاتا ہے۔



پانچواں خطبہ

رسالۃ محمدی کی عظمت

عصر جاہلی کا المیہ

اس جاہلی عصر کا المیہ — جس کے انحطاط و زوال پر مورخین کا اتفاق ہے — کفر و فجور، معاصی اور گناہ، ظلم و سرکشی، انسان کی حیثیت عرفی کا ازالہ اور اس کے حقوق کی پامالی، جابر حکومتوں اور ظالم بادشاہوں کا غلبہ نہ تھا،... اسی طرح یہ المیہ خدا کی عبادت کرنے والے صالح بندوں کی کمی اور ان کی کمزوری بھی نہ تھی، اگرچہ یہ سب چیزیں قابل افسوس ہیں، لیکن یہ سب انسانیت کی طویل تاریخ میں بار بار ہو چکا، اور اس کے خلاف دعوت و اصلاح کے مرد میدان، بیدار ضمیر اور قوی عزائم والے افراد اپنے اپنے زمانوں میں کام بھی کرتے رہے ہیں۔

دراصل جاہلیت کا وہ المیہ جس کے نتائج بد سے انسانیت کو نجات دینے اور انسان کی حیثیت عرفی بحال کرنے کے لئے بعثت محمدی ہوئی، وہ المیہ یہ تھا کہ علم صحیح، انیک اراد

اور حق کے لئے سینہ سپر ہونے والی اور باطل سے بچنے والی کرنے والی جماعت اس وقت کی وسیع دنیا میں کہیں پائی نہیں جاتی تھی، یہ المیہ اس حقانی گروہ کی نایابی کا تھا جو شرکی طاقتوں سے نبرد آزما ہو کر خیر کی بنیادوں پر ایک عالم نو کی تعمیر کر سکے۔

علم صحیح کا فقدان

عصر جاہلیت میں وہ علم صحیح گم ہو گیا تھا جس کے ذریعے انسان اپنے رب کو اچھی طرح پہچانتا اور اس تک پہنچتا ہے، اور جس کے ذریعے صحیح، خالص، اور پسندیدہ عبادت کر سکتا ہے، ایسے زمانے میں اگر صحیح اور قوی ارادہ اور طلب صادق کسی شخص میں پائے بھی جائیں تو اس کے لئے ماحول کی خرابی کے سبب کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتے ایسے زمانے میں جو علم بھی پایا جاتا ہے، وہ بھالت و خرافات کی آمیزش لئے ہوئے اور اپنی اصل سے ہٹا ہوا ہے، اس میں صحت کم، غلطی زیادہ، نفع تھوڑا اور نقصان بہت ہوتا ہے۔

قوی ارادہ خیر کی کمی

اور اگر یہ علم صحیح اپنی کیا بی کے باوجود کسی عالم کے سینے یا کسی حکیم کے سفینے میں یا قدیم زمانے میں نازل شدہ کسی علم کی باقیات کے طور پر کہیں پایا بھی جاتا ہے، تو اپنے حق میں وہ ارادہ خیر نہیں پاتا جو اسے اس کی جگہ سے چٹنے لے اور اسے متاع جان بنائے اور اس کے ذریعہ اپنی نفسانی خواہشات، اور معاشرے کا مقابلہ کر سکے۔

چنانچہ اس عہد میں خدا طلبی اور تلاش حق کا جذبہ مفقود ہو گیا تھا، قوتیں اور عزیمتیں اس کی طلب کے سلسلے میں درماندہ ہو چکی تھیں، وہ طلب معاش، ہوس رانی، نفس کے مطالبات کی

تکمیل، بادشاہوں کی اندھی اطاعت، اور ان کے لئے جاں سپاری میں لگ گئی تھیں، محبت کے شعلے بجھ چکے تھے، دلوں کی انگلیٹھمیاں سرد پڑ گئی تھیں، اور ان پر حب دنیا کی برف جم گئی تھی، دین کے مظاہر و آثار میں سے صرف خرافاتی بت پرستی، اور سطحی قسم کے رسم و رواج باقی رہ گئے تھے۔

حق کی حامی و ناصر جماعت کا فقدان

اگر بغرض محال ایسے ماحول میں کہیں علم صحیح اور ارادہ خیر کا وجود بھی تھا تو کوئی ایسی پشت پناہ جماعت اور طاقت نہ تھی جس کا وہ سہارا لیتے اور کمزور پڑنے پر اس سے طاقت حاصل کرتے چنانچہ یہ دونوں چیزیں انفرادی کوششوں اور شخصی اصلاحات ہی میں ضائع ہو گئیں، اور یہ افراد ————— جو کلیساؤں، مندروں، یا غاروں اور پہاڑی چوٹیوں میں گوشہ گیر تھے ————— ایسے چراغ کی مانند تھے جس کا قلیلہ جل چکا، جس کا تیل ختم ہو چکا اور اس کا نور ہلکا پڑ چکا ہو، ان کی مثال ایسے جگنوؤں کی تھی، جو سرما کی بارش زدہ اور تاریک راتوں میں ادھر ادھر اڑتے اور جھپکتے ہیں، لیکن ان سے نہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر راستہ پاسکتا ہے، اور نہ کوئی سردی سے کپکپایا ہوا غریب گرمی پاسکتا ہے۔

ایک آفتاب تازہ کی ضرورت

وہ علم صحیح جو لوگوں کو اس کائنات کے خالق و مالک کی ذات و صفات و برگزیدہ ناموں کی صحیح پہچان عطا کرے، انھیں اس سے ایک مضبوط اور نئے رشتے میں جوڑ دے، عقل اور دماغوں کو نئے ایمان و یقین سے بھر دے، دلوں کو محبت سے پُر کر دے، غلو کرنے والوں کی

تحریف، اور باطل پسندوں کے غلط الحاق و انتساب کو دور کر کے لوگوں کو اندھیرے سے اُجالتا اور شک سے یقین تک پہنچا دے وہ علم صرف نبوت محمدی کی شکل میں ----- دنیا کو ملا۔۔۔ دہی ان اوہام و خیالات اور مخالطوں کا پردہ چاک کر سکتا تھا، جن میں دنیا کی بت پرست اور خدا نا آشنا قومیں عرصہ سے مبتلا تھیں، وہی یہود و نصاریٰ، اور اہل کتاب کا صحیح احتساب کر سکتا تھا، اور ان میں اگر خوف خدا اور انصاف ہوتا تو وہ اعتراض کرتے کرتے ماندر پڑ چکے، بطن گیتی سے آفتاب تازہ پیدا ہو چکا ہے، اور صبح کی روشنی چراغوں سے بے نیاز کر چکی ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ
رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً ۝
فِيهَا الْكُتُبُ قَيِّمَةٌ ۝

اہل کتاب میں سے کافر لوگ اور مشرکین چھوٹنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دیں یعنی الشریکوں سے رسول نہ آجاتا جو پاکیزہ اوراق کی تلاوت کرتا جن میں قیمتی کتابیں ہیں

فلسفہ اور شرک کی ایمان کو کمزور اور انسان کو گمراہ کرنے کیلئے سازش

ارادہ خیر ہمیشہ علم صحیح اور ایمان قوی کے تابع ہوتا ہے، جب انسان چند حقائق پر ایمان لاتا اور منافع اور مصرتوں کو سمجھتا ہے، اور اس میں امید و بیم، خوف و طمع کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، تو اس کے ارادے بھی اس کا ساتھ دیتے اور اس کے اعضا بھی مدد کرتے ہیں، لیکن عصر جاہلی میں ایمان قوی مفقود ہو گیا اور انسان خدا کے اور جنت و دوزخ کے وجود اور آخرت اور اپنے اعمال کی جواب دہی کے عقیدہ سے محروم ہو گیا تھا، فلسفہ و شرک نے بھی اس ایمان اور خدا و بندہ کے باہمی ربط کو کمزور کرنے میں خاصا حصہ لیا، فلسفہ نے صفات کی نفی میں غلو سے کام لیا

اور شرک نے ان صفات میں مخلوق کو شامل کر دیا، اس طرح دونوں نے عبد و معبود کے رابطہ کو نقصان پہونچایا، چنانچہ جس شخص کا تعلق فلسفہ سے ہوا، (اسے صفات قدرت و حکمت اور حمت و محبت سے مجروح خدا سے رجوع کرنے اور اس سے ڈرنے یا اس سے پر امید ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی اور جو شرک میں مبتلا ہوا وہ مخلوقات ہی سے التجار و التماس میں مشغول رہا اور اسے آنکھوں سے غائب مگر بندوں کے معاملات میں ذخیل خدا سے التجار کی نہ ضرورت پیش آتی تھی اور نہ اس کی فرصت ملتی تھی۔

اس طرح دنیا دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک کیمپ تو اپنے اندر آخرت کے لئے کسی کوشش کا کوئی داعیہ اور جذبہ نہیں پاتا تھا، اور دوسرے کیمپ کو رب الارباب سے سوال کی فرصت ہی میسر نہیں، ان دونوں نظریات نے جاہلیت کی پوری دنیا اور طویل عہد کو خدا سے کاٹ کر رکھ دیا، اور انسانی دل کے اندر محبت اور خدا طلبی کا شعلہ فروزاں کچھ کر رہ گیا، اسی طرح انسانی فطرت میں ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں اور قوتیں جمود و خمود، شرک و خرافات، نفس اور بادشاہوں کی غلامی، طاعت اور شیطان کے فریب کا شکار ہو گئیں اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام انسانی دنیا ان اصنام اور معبودوں کی عبادت میں مبتلا تھی جنہیں اس کے تخیل نے جنم دیا تھا، یا جو موروثی طور پر رسم و رواج کا جز بن چکے تھے، یا ان مقاصد نصب العین اور اقدار حیات کی ماتحت ہو کر رہ گئی تھی جنہیں اس نے خود ہی گرٹھا اور اپنے لئے لازم کر لیا تھا اور ان سب پر حضرت ابراہیم کا یہ قول صادق آگیا تھا۔

اتَّعَبُوا وَمَا تَجْتَنُّونَ ۝
کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم اپنے ہی

ہاتھوں سے گرٹھتے ہو؟

جاہلی ماحول میں تبدیلی نہی کی لائی ہوئی عالمگیر دعوتِ ایمانی نہی سے ممکن ہے

قوتِ قدریہ کے مؤیدین الشرائع انسان کے سوا کسی کے لئے صدیوں سے گم شدہ ایمان کو دلوں میں پھر سے تازہ کرنا اور ایک نئی لگن اور عشق پیدا کر دینا ممکن نہ تھا، اور نہ ہی ممکن تھا کہ اس کے قوی ارادوں کو پرفریب اور لذیذ دنیوی زندگی کی طلب اور نفس کے عزیز و لذیذ تقاضوں کی تکمیل سے باز رکھا جاسکے، اور انھیں عظیم الشان بادشاہوں کی خوشامد سے ہٹا کر ان دیکھے خدا کی طلب پر مائل اور اسے خدا کی مرضی پر راضی، اور اس کے راستہ میں جان و مال اور ہر عزیز شے کی، ثوابِ آخرت کی امید پر قربانی کرنے پر آمادہ کیا جاسکے۔

اس اہم کام بلکہ کارنامے کے لئے تو اس آہنی ارادے کی ضرورت ہوتی ہے جسے ہر بفلک پہاڑ بھی نہ ہلا سکیں، اور جنھیں جن دانس کی مجموعی مخالفت بھی نہ کمزور کر سکے، اسی حقیقت کی ترجمانی زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے اس فقرہ نے کی تھی۔

لو وضعت الشمس فی عینی والقمر فی
یساری ما ترکت هذا لامرحتی یظہرہ
اللہ او اھلک فی طلبہ۔
اگر قریش میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور
بائیں میں چاند بھی رکھ دیں تو میں تسلیم کے اس کام
کو ترک نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے

غالب کر دے یا میں اس کی طلب میں ہلاک ہو جاؤں
اس کام کے لئے اس قوی ایمان کی ضرورت تھی جو اگر تمام دنیا اور دنیا والوں پر تقسیم
کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے اور سب کے شک کو یقین، اور ضعف کو قوت سے
بدل دے، وہ ایمان، صاحبِ ایمان کی زبان سے اس وقت بھی بولتا ہے، جب زبانیں گنگ
۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ایک ٹکڑا تفصیل کے لئے ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ۴/۳ دیکھی جائے۔

ہو جاتی اور نگاہیں چوندھیا جاتی ہیں، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ غار کے وہاں پر جانی دشمن کھڑے ہیں، مگر نبی اپنے ساتھی کو تسلی دے رہا ہے۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

نبی کی نگاہیں بعد مکانی وزمانی اور مختلف پردوں کے حائل ہونے کے باوجود عرب کے ایک فقیر بدوی سراقہ کے ہاتھوں میں شہنشاہ ایران کسریٰ کے کنگن اور بھوک کی شدت اور محاصرے کی طوالت کے باوجود خندق کے ایک تھر کی چکاری میں قیصر روم کا سفید محل دیکھ لیتی ہیں سفر ہجرت کے موقع پر سراقہ بن جحشم جب تعاقب کرتا ہوا پہنچا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اس نے اپنی گستاخی کی معافی چاہی تو آپ نے فرمایا سراقہ وہ کیا وقت ہوگا جب شاہ ایران کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے، مدائن فتح ہونے پر کسریٰ کے جب طلانی کنگن ال غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو پھنسا دیا اور ناقابل قیاس بیشینگی کی حرف بہ حرف پوری ہوئی اسی طرح غزوہ خندق میں جب آپ نے ایک تھر پر کدال ماری اس سے ایک شعلہ سا نکلا تو آپ نے فرمایا کہ اس روشنی میں میں نے قیصر کا سفید محل دیکھا نبوت کی یہ دوہنی بھی حرف بہ حرف ثابت ہوئی اور مسلمان قیصر کے محل پر قابض ہوئے۔

عالمگیر جاہلیت کا خاتمہ اور اس کی جگہ زندگی و یقین اور دینی جوش کا اعادہ ایسے ہی طاقتور اور پیغمبرانہ ایمان کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے، اور انسان کے حق میں خدا کی رحمت کے تحت ظہور میں آتا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وہ ذات جس نے ان پڑھ لوگوں میں انھیں میں سے
ایک رسول بھیجا جو انھیں اللہ کی آیات سناتا،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ
ان کی سیرت کو سدا کرتا، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ
وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے وہ تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ اسے مشرکین کتنا ہی ناپسند کریں۔

دائمی اصلاح و جدوجہد والی قوم کی ضرورت

جاہلیت کا یہ فساد چند مصلح افراد یا کسی مضبوط جماعت، یا کسی بڑے ادارے کے بس سے باہر تھا اس لئے کہ یہ فساد اپنی آخری شکل کو پہنچ گیا اور ناقابل علاج بن چکا تھا، اس کے لئے ایک مستقل امت کی ضرورت تھی جو اس کے لئے متحدہ اور مسلسل جدوجہد کرتی رہے اور خدا کی زمین میں پھیل کر باطل جہاں بھی ہو اس کا مقابلہ کرے، شر کی طاقت جہاں بھی ہو اسے اکھاڑ پھینکے اور خدا کی سر زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے جیسے کہ وہ ظلم و جور سے بھری جا چکی تھی، اس طرح دنیا کو ایک پیغمبر اور الو العزم کی ضرورت تھی جس کی امت ایک عظیم امت ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَكُنْتُمْ مِنْ بَاحِلَةٍ
تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور
الشر پر ایمان لاتے ہو۔

صاحبو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ٹھیک اس وقت ہوئی، جب انسانیت اس کے لئے اسی طرح حشیم براہ اور گوش براہ و ازغشی، جیسے گرمی سے جھلسی ہوئی فضا اور پتی ہوئی زمین موسم کی پہلی بارش کے لئے ہوتی ہے۔

وَبَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا
عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْزَلَتْ وَرَبَّتْ وَانْبَتَتْ
مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ
هُوَ الْحَقُّ وَآيَةُ الْيَوْمِ وَالْآيَةُ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اور تم زمین کو مرجھائی ہوئی دیکھتے ہو اور جب ہم اس پر
پانی برساتے ہیں تو لعلہا اٹھتی، نمودیر ہونے اور
ہر قسم کے دلفریب پھل پھول اگانے لگتی ہے، بیشبوت
ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور وہی مردے کو
جلاتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بعثت محمدی کی انقلابی تاثیر

”یکایک اس مردہ انسانی جسم میں — جسے نسل انسانی کہا جاتا ہے — روح حیات
دوڑنے لگتی ہے، اور اچانک یہ مردہ انگڑائی لینے لگتا ہے، جو سڑنے لگنے کے قریب ہو گیا تھا، اس
حقیقت کو مؤرخین اپنی محدود زبان میں ایوان کسریٰ کے لرزے اور آتش فارس کے بجھنے سے
تعبیر کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ پختہ اور مضبوط عمارتیں اور فلک بوس محلات زمین کے
لرزلے کی ایک حرکت سے خزاں زدہ پتوں کی طرح زمین پر آ رہتے ہیں، تو قیصر و کسریٰ کے نظام
اور فراغت عصر کے کارنامے نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا میں صبح سعادت
کے طلوع سے کیوں زوال پذیر نہیں ہو سکتے؟“

ایک نئی دنیا کا ظہور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت صرف ایک نبی کی یا صرف ایک امت کی، یا ایک عصر ہی کی پیدائش نہیں بلکہ ایک نئی دنیا کی پیدائش تھی، جو آپ کی بدولت ظہور میں آئی اور آپ کی یہ دنیا ناقیام قیامت باقی رہے گی، جب میراث عالم کا آخری وارث خدائے تعالیٰ ہوگا آپ کی بعثت مبارکہ کے آثار اس دنیا کے چپے چپے پر موجود اور اس کے ذرے ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہیں اور دنیا اپنے عقیدے، انداز فکر، تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرہ، علم و ثقافت کے سلسلے میں بعثت محمدی سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات اس میں اس طرح پیوست ہو چکے ہیں کہ کسی طرح اس کا ان سے جدا ہونا ممکن نہیں اور اگر وہ اس سے الگ کر دیئے جائیں تو وہ اپنے بہترین سرمائے اور اثاثے سے محروم ہو جائے گی، دنیا دراصل اپنی زندگی کے لئے بھی بعثت محمدی کی ممنون ہے اس لئے کہ اسی نے اسے زندگی کا استحقاق بخشا اور اس کی عمر میں اضافہ کر دیا، اور خیر کو شر پر غالب کر کے خدائی غضب کی بار اور اللہ کی لعنت اور بد بختی سے اسے بچا یا جس کی وہ مستحق ہو چکی تھی، دنیا بعثت محمدی سے پہلے اس کی بالکل سزاوار تھی کہ اس کی بساط الٹ دی جائے اور اس کی بنیاد کھود ڈالی جائے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضُ الَّذِي
عَمِلُوا ۖ أَعْلَهُمْ يُجْعَلُونَ ۝

لوگوں کے کرتوتوں کے سبب خشکی اور تری میں
فساد پھیل گیا تاکہ وہ انھیں ان کے کئے کا کچھ مزہ
چکھائے شاید وہ اپنے کئے سے باز آئیں۔

حدیث شریف میں اس سلسلے میں آیا ہے۔

ان اھلہ نظر الی اھل الارض
فمقتھم عرہم وعجبہم
الابقایا من اھل الکتاب۔
اللہ نے اہل زمین کی طرف نظر کی اور عرب و
عجم دونوں کو ناپسند کیا سو اٹھوڑے سے
اہل کتاب کے۔

عصر جاہلی کی تصویر

خدا نے جو خیر و علیم بھی تھا زمین پر کیا دیکھا؟ اس نے یا تو کسی کو بت کے آگے سجدہ ریز
دیکھا یا کسی کو پیٹ کا پجاری یا کسی کو سلطان اور شیطان کا بندہ یا یا جہان تک دین خالص
طلب صادق، علم صحیح اور عمل صالح، اللہ سے رجوع، آخرت کی سعی، کا سوال تھا تو یہ چیزیں
نایاب اور کیمیائی طرح عزیز الوجود ہو گئی تھیں، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ
نے اپنی معرکہ الاراء تصنیف ”حجۃ اللہ بالحق“ میں اس دور جاہلیت کی جو تصویر پیش کی ہے،
میں نے اس سے بہتر تصویر کسی مصنف کے قلم سے نہیں دیکھی، فرماتے ہیں:-

”صدیوں سے آزادانہ حکومت کرنے کرتے، اور دنیا کی لذتوں میں مہمک رہنے آخرت کو
یکسر بھول جاتے اور شیطان کے پوسے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے
زندگی آسانوں اور سامان آرائش میں بڑی موثر گافی اور نازک خیال پیدا کر لی تھی، اور
اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے اور فخر
کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکوزوں میں بڑے بڑے
اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے، جو اس سامان آرائش اور راحت میں نزاکتیں
پیدا کرتے تھے، اور نہی نمی تراش، خواش نکالتے تھے ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا
اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا

زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ امرا میں سے کسی کا ایک لکھ درہم سے کم کا پکا باندھنا
 اور نواج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات
 خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس
 پوشاک میں تجمل نہ ہوتا، تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی، اس کی تفصیل بہت
 طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو، اس سے قیاس
 کر سکتے ہو، یہ تمام تکلفات، ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے، اور ان کے
 دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے، کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے
 ایک ایسا لا علاج مرض پیدا ہو گیا تھا، جو ان کی پوری شہری زندگی، اور ان کے
 پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا، یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی، جس سے عام و
 خاص، اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری پر یہ بڑا تکلف
 اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو چکی تھی، جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا، اور
 اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا، بات یہ بھی کہ یہ تکلفات
 ہمیشہ قرار رقیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ رقیں، اور بے پایا
 دولت کا شکاروں، تاجروں، اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس
 بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات
 کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی، اور ان کو سزائیں دی جاتیں، اور
 اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور سیلوں کی طرح بنا لیتے، جن سے آہٹا شمی، اور
 کاشتکاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے، اور

محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی، اس پر شفقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادت اخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور ہمت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوئی^۱۔

نبی عالمی رحمان

بعثت محمدی نے اس جاہلی ماحول کو یکسر بدل دیا اور متدین دنیا میں ایمان و خدا طلبی، جہاد و سعی آخرت، انسانیت کو اس کے دشمنوں سے بچانے، قوموں کو زوال کے بعد عروج، اور لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں اور دنیا کی تنگناے سے آخرت کی وسعت بیکراں اور مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کی طاقتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس مقصدِ عظیم کی طرف اہل عزیمت افراد کی ہمتیں، اصحاب صلاحیت کی صلاحیتیں اذکیار کی ذہانتیں، ادیبوں کا علم و فضل اور شعرا کے ذوق و وجدان، سوراوؤں کی تلواریں اہل علم کے قلم، ممتاز افراد کی عبقریتیں، متوجہ ہو گئیں اور اس دنیا میں جو صرف ایک قسم اور ایک طرز کی نفس کی غلام، شہوت کی اسیر اور ہوس کی پرستار انسانیت ہی کو جانتی تھی، اب ہر زمانے میں اور ہر جگہ خدا کے مخلص بندے، ربانی و خفانی علماء، عادل حکمران، زاہد بادشاہ مجاہد و دانتی کثرت سے پائے جانے لگے کہ شاید ریت کے ذروں اور صحرا کی کنکریوں سے بھی ان کی تعداد — بڑھ گئی، ان پر خدا کو فخر تھا، اور تاریخ ان کے احترام پر مجبور اور دشمن بھی ان کے آگے سرنگوں تھے، اور بالآخر صحیح اور مفید علم، اور صالح اور برگزیدہ عمل، خیر پسندی کا

قوی جذبہ اور مومن و مجاہد جماعت کے افراد ہر طرف پھیل گئے، یونانی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے،
 الشہر پر ایمان لاتے اور اس کے راستے میں جہاد کرتے اور اس سلسلہ میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے،
 اور اس طرح جہاد و اصلاح، دعوت و ارشاد کی ایک مسلسل تاریخ بن گئی جس میں کوئی خلل اور وقفہ نہیں۔

لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق لا ینفیرہم من خذلہم حتی یاتی أمر اللہ
 میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب ہوگا
 اور ان کا مخالف انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا یا ہانکے گا
 آجائے گی۔

امت محمدی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ عظیم ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "الجواب الصحیح" میں بعثت محمدی کے لئے ہوئے
 انقلابی اثر، اس کی اہمیت اور نتائج کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق، اقوال و افعال اور ان کی شریعت
 خدا کی آیات میں سے ہے، اور ان کی امت اور امت کا علم و دین اور اس امت کے
 صالحین کی کرامات بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

رسول اکرمؐ، اللہ کے حکم پر پوری طرح قائم رہے، اور اس میں پوری صداقت،
 عدل اور وفاداری برتنے رہے، کبھی کوئی جھوٹ، کسی پر ظلم کسی سے بے وفائی،
 ثابت نہیں بلکہ آپؐ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، اعتدال پسند اور وفا شعار
 تھے، اگرچہ آپؐ جنگ و صلح، امن و خوف، فقر و خوشحالی، قلت و کثرت کامیابی
 و ناکامی کے مختلف حالات سے برابر گزرتے رہے، لیکن ان تمام حالات میں اچھے اور
 پسندیدہ راستے سے آپؐ کبھی نہیں ہٹے، حتیٰ کہ دعوت اسلام عرب کی اس سرزمین میں

پھیل گئی جو اس سے پہلے بت پرستی، کواکب پرستی، کفر و شرک، قتل و سفاکی، قطع رحمی سے بھر رہی تھی، اور جو لوگ آخرت اور معاد کو جاننے تک نہ تھے، اب وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ علم والے، دین والے، انصاف اور فضیلت والے بن گئے، حتیٰ کہ شام کے نصاریٰ بھی ان کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ: مسیحؑ کے ساتھی اور حواری ان سے بہتر نہ تھے اور روئے زمین پر آج بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے علم و عمل کے اتنا پھیلے ہوئے ہیں اور اہل فہم دونوں کا فرق کھلے طور پر محسوس کرتے ہیں اسی طرح آپؐ کی امت تمام امتوں سے ہر معاملہ میں برتر و بہتر ہے، اگر ان کے علم کا مقابلہ دوسری قوموں کے علم سے، اور ان کے دین اور طاعت و عبادت کا دوسروں کے دین، طاعت و عبادت سے — کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ علم و عبادت میں دوسروں سے بہت آگے ہیں، اور اگر ان کی شجاعت اور الشہ کے راستے میں جہاد اور الشہ کے لئے مصائب کی برداشت کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ اس باب میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں، اور اگر ان کی سخاوت و فیاضی اور دوسروں کے لئے ایشاء و خوش اخلاقی پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ فیاض و شریف ہیں، اور یہ تمام فضائل اخلاق اس امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل ہوئے تھے، اور آپؐ ہی نے ان باتوں کی تعلیم و تلقین کی تھی۔

آپؐ کی امت کے افراد کسی کتاب کے تبع نہیں تھے جس کی تکمیل کے لئے آپؐ آئے ہوں جیسا کہ مسیحؑ شریعتِ توراۃ کی تکمیل کے لئے آئے تھے، اور سچی لوگوں کے فضائل اخلاق، اور ان کے علوم و فنون کا کچھ حصہ توراۃ کے کچھ زبور سے، کچھ دوسرے انبیاء کی تعلیمات سے، کچھ حضرت مسیحؑ سے، اور کچھ آپؐ کے بعد کے لوگوں جیسے حواریوں

اداران کے حواریوں سے ماخوذ ہیں، اس کے علاوہ انھوں نے فلاسفہ وغیرہ کے کلام سے بھی مدد لی اور دین مسیحی میں تبدیلی کے وقت اس میں ایسے امور داخل کر لئے جو مسیحیت کی ضد اور کفر سے تعلق رکھتے تھے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے آنے سے پہلے کسی کتاب سے واقف نہ تھی، بلکہ ان کی بڑی تعداد موسیٰ و عیسیٰ و داؤد علیہم السلام اور توریت و انجیل و زبور پر ایمان بھی آپ ہی کے کہنے سے لائی، آپ ہی نے انھیں حکم دیا کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لائیں اور اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی ہر کتاب کا اقرار کریں اور کسی رسول کے خلاف تفریق و امتیاز نہ برتیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”وَقُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ“



چھٹا خطبہ

نبوت محمدی کا کارنامہ

انسان کی اہمیت

دنیا کا مقدر انسان کے مقدر سے برابر وابستہ رہا ہے اور رہے گا، اس کی سعادت و شقاوت، بلند اقبالی اور نحوست کا تعلق انسان ہی کی ذات سے رہا ہے، چنانچہ اگر حقیقی انسان کا وجود رہے اور دنیا کی ہر قابل فخر چیز مال و دولت اور زیب و زینت ختم ہو جائے تب بھی کوئی ایسی بڑی مصیبت نہیں آجائے گی اور نہ دنیا کا کوئی بہت بڑا خسارہ ہو جائے گا بلکہ حقیقی انسان کا وجود ہر گم شدہ چیز کا نعم البدل، ہر محرومی کی تلافی، اور ہر بچاؤ کی کار در آمد ثابت ہوگا، اور انسان اپنے نشاط کار، جوش عمل، قوت کارکردگی اور محنت و ہمت سے دنیا کو وہ تمام چیزیں دوبارہ ہمیا کر دے گا، جو دنیا نے کھو دی ہوں گی اور صرف یہی نہیں بلکہ پہلے سے بہتر اور بڑھ کر فراہم کر دے گا، اور اگر دنیا یا دنیا کے کسی ذمہ دار کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ انسان بغیر دنیا یا دنیا بغیر انسان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے (اور وہ اس انتخاب میں عقل سلیم اور خدا کی دی ہوئی قوت تمیز سے کام لے) تو اس کا انتخاب یقیناً انسان ہی ہوگا، اور اس میں اسے

لہ عربی سے ترجمہ کیا گیا ہے

کسی نرد و تذبذب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اس لئے کہ دنیا انسان ہی کے لئے بنائی گئی ہے اور اس کی عزت و قدر و قیمت اسی کے سبب سے ہے۔

اس دنیا کی بد بختی و بد نصیبی آلات و وسائل و ساز و سامان کا فقدان نہیں، بلکہ ان آلات و وسائل کا غلط اور بے محل استعمال ہے اس دنیا کی طویل اور حادثات سے بھری ہوئی تاریخ میں دنیا کو جو کچھ مصیبت پیش آئی اس کا سبب انسان کی گمراہی، راہ راست اور اپنی فطرتِ سلیمہ سے انحراف ہے۔۔۔۔۔ وسائل و ذرائع تو انسان کے لئے ہاتھ میں خاموش اور معصوم آلات ہیں، جو اس کا حکم مانتے اور اس کی مرضی پوری کرتے ہیں، ان آلات کا اگر کوئی تصور ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس مصیبت میں سرعت و تندہی اور اس کی کمیت و کیفیت میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں۔

انسانی فطرت کے اسرار و عجائبات

یہ وسیع کائنات اسرار و رموز اور عجائب و غرائب سے اس طرح بھری ہوئی ہے کہ اس کا حسن و جمال عقلوں کو مبہوت بنا دیتا اور دہشت و حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر انسانی فطرت کے اسرار و عجائب، اس کے امکانات اور مخفی صلاحیتوں، قلبِ انسانی کی گہرائی اور گیرائی، فکرِ انسانی کی بلند پروازی اور ذہنی افق کی وسعت، روحِ انسانی کے سوز و گداز، اس کی لامتناہی امیدوں اور آرزوں، اس کی بلند ہمتی و عالی نظری (جس کی کوئی انتہا نہیں اور جو فتوحات، لذتوں اور مسرتوں، ملک و حکومت اور خوشحالی و آسودگی کی کسی مقدار پر قانع نہیں ہوتی) اس کی متنوع اور متنقض، بے شمار اور لامحدود صلاحیتوں کا دنیا کے اسرار و عجائب سے مقابلہ کیا جائے تو یہ وسیع کائنات اس کے سامنے مسند کے آگے

ایک قطرہ یا صحرا کے مقابل ایک ذرہ کی طرح معلوم ہوگی اور اپنی پوری وسعت کے ساتھ قلب انسانی کی وسعت اور گہرائی میں اس طرح گم ہو جائے گی جیسے ایک چھوٹی سی کنکری ایک بحرِ بیکراں میں گم ہو جاتی ہے، اس کے مضبوط اور غیر متزلزل ایمان کے آگے پہاڑ ہیچ ہو جائیں اس کی محبت کے بھر پور ہونے جذبات کے تند شعلوں کے سامنے آگ سرد اور خاکستر نظر آئے اور خوفِ خدا، ایکسی ناواں پر ترس کھانے یا گناہوں سے ندامت پر نکلے ہوئے، آنسو کے ایک قطرہ کو دیکھ دہشتِ رپائی پانی ہو جائے اور اپنی تنک ظرفی کا ماتم کرے، انسانی سیرت کا جمال، اس کے اخلاق کا حسن اور اس کے جذبات کی لطافت اگر آشکار ہو جائے تو اس عالم کی تمام رنگینوں اور دلفریبیوں پر پانی پھیر دے اور حسنِ کائنات کو مات دیدے، انسان کی ذات اس کائنات میں گوہرِ مقصود اور بیتِ الغزل کی حیثیت رکھتی ہے اور خلاقِ عالم کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی ہے جسے اس نے بہترین صورت، مکمل سیرت، اور عمدہ ترین ساخت عطا کی ہے۔

انسان ہر پہاڑ سے بلند ہے

دنیا اپنے تمام خزانوں اور دہنیوں اور دولت و حکومت کے ساتھ بھی اس انسانی عقیدے کا بدل نہیں بن سکتی، جو شک اور کمزوریوں سے بالاتر ہوتا ہے، اور نہ اس محبت کی قیمت بن سکتی ہے، جو مادی فوائد و مصالح سے بے نیاز ہوتی ہے، اور نہ اس جذبے کی قائم مقامی کر سکتی ہے، جو حدود و قیود سے آشنا نہیں، نہ اس اخلاص کی جگہ لے سکتی ہے، جو اغراض و منافع سے بے نیاز ہوتا ہے، اور نہ اس کے اس اخلاق کی قیمت بن سکتی ہے، جو سودے بازی اور انتقام سے بلند ہوتا ہے، اور نہ اس مخلصانہ خدمت کے برابر ہو سکتی ہے، جو بدلے اور شکریے سے بھی مستغنی ہوتی ہے۔

انسان اگر اپنے آپ کو پہچان لے اور اپنی قیمت طلب کرے تو یہ دنیا اس کے دام لگانے سے عاجز ہو جائے، اور اگر اس کی ذات وسعت اختیار کر لے اور اپنے عزم و ہمت کی عنان ڈھیلی چھوڑ دے اور اپنی فطرت کو اس کے بہاؤ پر ڈال دے تو یہ دنیا اس کے لئے ننگ ہو جائے، اور سمٹ کر اس کے لئے ایک بے روشی اور ہوا کا پنیر ثابت ہو۔
گھٹے اگر تو بس ایک شتِ خاک ہے انسان
بڑھے تو وسعتِ کونین میں سمانہ سکے

فطرتِ انسانی کی گہرائیوں کو نہ ناپا جاسکتا ہے نہ اس کی تہ تک پہنچا جاسکتا ہے، نہ اس کے اسرار کا احاطہ ہو سکتا ہے نہ اس کی ماہیت و حقیقت کا پتہ لگایا جاسکتا ہے اس کی حیرت انگیز اور اعجاز نما صلاحیتیں، اس کا علم و حلم، اس کی شرافت و کریم انہسی، اس کی شفقت و محبت، اس کا رحم و کرم، اس کے شعور کی لطافت اس کے احساس کی نزاکت، اس کا زہد و ایثار، اس کی خود داری و انکسار، معرفتِ الہی کی استعداد اور فانی اثر ہونے کا ذوق، بنی نوع انسان کی خدمت کا شوق اور سچیدہ، مشکل اور نئے نئے علوم و فنون کی لگن، یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی اور ذہن ترین لوگوں کا دماغ پھرا جاتا ہے۔

نبوتِ محمدیہ کا کارنامہ

انسان کا وجود ہر خیر و برکت اور اقبال و سعادت کی کنجی اور ہر مشکل اور ہر مسئلہ کا حل ہے اور جب اس کی ساخت میں کجی آجاتی اور اس کی تہذیب فاسد ہو جاتی ہے حقیقی انسان نادر و نایاب ہو جاتے ہیں، اور جب اچھے انسان بنائے کا رواج اٹھ جاتا ہے تو یہی چیز تمام نبوتوں کا

موضوع نبی ہے اور سہری اپنے زمانے میں اسی مہم کو لے کر اٹھا ہے اور ایسے انسانوں کا ایسی کمیت و کیفیت میں اٹھ کھڑا ہونا جس کا منظر تاریخ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا ہو نہ ایسا نظارہ چشم فلک کے سامنے آیا ہو وہ ایک سلک گہر ایک سیسہ پلائی دیوار اور مضبوط ملت و جماعت بن گئے ہوں اور ایک مشترک مقصد و عقیدہ کے لئے باہمی تعاون کرنے لگے ہوں یہ نبوت محمدی کا کارنامہ اور عظیم معجزہ ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردم سازی اور آدم گری کا کام اس سطح سے شروع کیا، جہاں سے کسی نبی یا مصلح کو نہیں کرنا پڑا تھا، اور نہ وہ اس کا مکلف بنایا گیا تھا، اس لئے کہ عام طور پر دیگر انبیاء کی قوموں کی معاشرتی سطح، زمانہ جاہلیت سے بہت بلند تھی اس کے باوجود آنحضرتؐ نے اپنے اس عظیم کام کو اس سطح تک پہنچا دیا جہاں تک کسی نبی کا عمل نہیں پہنچا تھا۔

آپؐ نے اس سطح سے کام شروع کیا، جہاں حیوانیت کی انتہا اور انسانیت کی ابتدا ہوتی تھی اور اس اعلا سطح تک پہنچا دیا جو انسانیت کی انتہائی منزل ہے اور جس کے بعد نبوت کے سوا کوئی اور درجہ نہیں اور جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔

واقعہ جو خیال و تصور سے زیادہ دلکش ہے۔

امت محمدیہ کا ہر فرد اپنی ذات سے ایک مستقل معجزہ، نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، اس کے ابدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ اور نوع انسانی کے اشرف و افضل ہونے کی ایک روشن دلیل ہے، کسی مصور نے اپنے فن کار موئے قلم اور صنائع ذہن سے اس سے بہتر تصویر نہیں بنائی ہوگی، جیسے کہ حقیقت واقعہ اور تاریخ کی شہادت کی

روشنی میں وہ افراد موجود تھے۔

کسی شاعر نے بھی اپنے شاداب تخیل، متواج طبعیت اور شعری صلاحیت سے کمالے کر ایسے اوصاف جمیلہ ایسی پاکیزہ سیرتوں اور ایسے برگزیدہ محاسن کا خیالی پیکر نہیں تیار کیا ہوگا جس کا نمونہ ان کی ذات میں موجود تھا، دنیا کے اگر تمام ادیب جمع ہو کر انسانیت کا کوئی بلند ترین نمونہ پیش کرنے کی کوشش کریں تو ان کا تخیل اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا، جہاں واقعی زندگی میں وہ لوگ موجود تھے، جو آغوش نبوت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے اور جو درسا گاہ محمدی سے فارغ ہو کر نکلے تھے، ان کا قوی ایمان، ان کا عمیق علم، ان کا خیر پسند دل، ان کی ہر تکلف اور ریا و نفاق سے پاک زندگی، انانیت سے ان کی دوری، ان کا خوفِ خدا، ان کی عفت و پاکیزگی اور انسان نوازی، ان کے احساسات کی نزاکت و لطافت، ان کی مردانگی و شجاعت ان کا ذوقِ عبادت اور شوقِ شہادت، ان کی دن کی شہسواری اور راتوں کی عبادت گزاری، متاعِ دنیا اور آرائشِ زندگی سے بے نیازی، ان کی عدل گستری، رعایا پروری اور راتوں کی خبر گیری اور اپنی راحت پران کی راحت کو ترجیح، ایسی چیزیں ہیں کہ اگلی امتوں اور تاریخ میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

فرد صالح مختلف پہلوؤں اور زندگی کے میدانوں میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت و رسالت کے ذریعہ ایسا صالح فرد پیدا کیا جو خدا پر ایمان رکھنے والا، اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والا، دیندار و امانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادیت کے مظاہر کو نظرِ حقارت سے دیکھنے والا، اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوت سے فتح پانے والا تھا، جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے

اور وہ آخرت کے لئے بنایا گیا ہے، چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے میدان میں آتا تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا، اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو وہ ایک شریف و محنتی انسان نظر آتا، وہ جب کبھی کسی علاقے کا حاکم ہوتا تو ایک محنتی اور بہی خواہ عامل ہوتا، وہ جب مالدار ہوتا تو فیاض اور عنخوار مالدار ہوتا، جب وہ مسند قضا اور عدالتی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف دوست اور معاملہ فہم قاضی ثابت ہوتا، وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا، اسے سیادت و ریاست ملتی تو وہ متواضع اور شفیق و عنخوار حاکم اور سردار ہوتا، اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محافظ اور صاحب فہم خازن ہوتا۔

بنیادیں، جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوا

انہی انیٹوں سے اسلامی معاشرت کی عمارت بنی تھی، اور اسلامی حکومت انہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی، یہ معاشرت و حکومت اپنی فطرت میں ان افراد کے اخلاق و نفسیات کی بڑی صورتیں اور تصویریں تھیں، اور ان افراد ہی کی طرح ان سے بنا ہوا معاشرہ بھی صالح، امانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، اور مادی اسباب پر حاکم نہ کہ اس کا محکوم تھا، اس معاشرے کے اقدار میں تاجر کی صداقت و امانت، ایک محتاج کی سادگی و مشقت، ایک عامل کی محنت و خیر خواہی، ایک غنی و مالدار کی سخاوت و ہمدردی، ایک قاضی کا انصاف اور معاملہ فہمی، ایک والی ملک کا اخلاص و امانتداری، ایک رئیس و سردار کی تواضع و رحمت، ایک فادار خادم کی قوت کار اور ایک امانت دار محافظ کی نگرانی و نگہبانی جمع تھی، اور یہ حکومت دعوت و ہدایت کی علمبردار حکومت تھی جو عقیدے کو منفعت و مصلحت اور ارشاد و ہدایت کو مالگزاری اور ٹیکس وصولی پر ترجیح دیتی تھی، اس معاشرے کے اثر و نفوذ اور اس حکومت

خرچ سے کچھ پس انداز کر لیا، جب حضرت صدیق اکبرؓ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے وہ رقم بیت المال کو واپس کر دی اور اپنے روزانہ کے وظیفہ سے بقدر اس رقم کے کم کر دیا، انھوں نے کہا کہ تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ اتنی رقم زائد تھی اور اس سے کم میں اب کبھی گھرانے کا گزارا ہو سکتا ہے مسلمانوں کا بیت المال اس لئے نہیں کہ اس سے حاکم کا خاندان عیش کی زندگی بسر کرے اور کھانے پینے میں توسع سے کام لے۔

یہاں ایک دوسری سچی تصویر جلوسِ خلافت کی ہے اور اپنے وقت کی سب سے بڑی مملکت کے طاقتور حاکم کے اس سرکاری دورے کی تفصیل پر مبنی ہے جو سرکاری کام ہی کے لئے ہوا تھا۔

یہ ایسے باجبروت حاکم کا سفر تھا جس کا نام سن کر لوگوں کے دل ہل جاتے اور وہ تھرا اٹھتے تھے، ہم ایک مؤرخ کا بیان نقل کرتے ہیں جو اس عجیب سفر کا راوی ہے اور اس پر یخ انداز میں روشنی ڈالی ہے ابن کثیر کا بیان ہے۔

”حضرت عمر بن الخطابؓ بیت المقدس جاتے ہوئے ایک خاکستری رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے، دھوپ میں آپ کے سر پر کوئی ٹوپی اور عمامہ نہ تھا، کچا وہ کے دونوں طرف آپ پاؤں لٹکائے ہوئے تھے، اس میں رکاب بھی نہ تھی، اونٹ پر ایک موٹا اونٹنی کپڑا تھا، جسے آپ اتر کر بچھاتے تھے، آپ کی گٹھری جو چمڑے یا اون کی تھی جس میں پتے بھرے ہوئے تھے، سواری کی حالت میں اسی پر ٹیک لگاتے اور اترنے کے بعد اسی کا نکیہ بناتے تھے، آپ کی قمیص ایک پرانے گزی کے کپڑے کی تھی، جو نبیل کی طرف پھٹی ہوئی تھی۔“

آپ نے وہاں کے سردار کو بلایا چنانچہ لوگ جلوس کو بلانے گئے، اس کے بعد

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا کرتا دھودو اور اس کے پھٹے ہوئے حصے میں سپوند لگا دو اور میرے لئے عاریۃ کوئی کپڑا لایا کرتا فراہم کرو، چنانچہ ایک ریشمی کرتا حاضر کیا گیا آپ نے اسے دیکھ کر حیرت سے پوچھا یہ کیسا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ریشم ہے آپ نے پھر فرمایا ریشم کیا ہوتا ہے، لوگوں کے بتانے پر آپ نے اپنا کرتا اتار کر غسل فرمایا اور آپ کا سپوند لگا کرتا حاضر کیا گیا تو آپ نے ان کا ریشمی کرتا اتار کر اپنا وہی کرتا پہن لیا

جلوس نے ان سے مشورۃ کہا کہ آپ بادشاہ عرب ہیں، اور یہاں کے لوگوں میں اونٹ کی کوئی اہمیت نہیں، اس لئے آپ اگر کوئی اچھا کپڑا پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہوں تو یہ اہل روم کو متاثر کر سکے گا، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا ”ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی تو اب اللہ کے بدلے ہم کی اور چیز کو نہیں اپنائیں گے، ایک گھوڑا لایا گیا جس پر آپ نے اپنی چادر ڈال دی اس پر نہ نکام استعمال کی اور نہ رکاب باندھی بلکہ یونہی سوار ہو گئے، لیکن تھوڑی سی دیر بعد فرمایا روکو روکو میں نے اس سے پہلے لوگوں کو شیطان پر سوار ہوتے نہیں دیکھا تھا“ چنانچہ آپ کا اونٹ لایا گیا اور آپ اس پر سوار ہوئے۔

اسی طرح مؤرخ طبری نے آپ کے ایک سفر کا حال لکھا ہے:-

”ایک بار حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر سفر پر نکلے آپ کے ساتھ کچھ صحابہ بھی تھے، آپ مقام ابلہ کے مقابل جا رہے تھے (جو بحر احمر کے ساحل پر ہے) جب اس کے قریب پہنچے تو راستے کے کنارے ہو گئے

اور اپنے غلام کو سمجھے کر لیا، آپ نے اس مقام پر پہنچ کر استغی کیا، اور لوٹ کر اپنے غلام کی سواری پر سوار ہو گئے (جس پر ایک لٹی فرد پڑی ہوئی تھی) اور اپنی سواری غلام کو دیدی، چنانچہ جب لوگوں کا پہلا گروہ آپ سے ملا تو اس نے آپ سے دریافت کیا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے سامنے ہیں، چنانچہ وہ آپ کے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، جب ابلۃ پہنچے تو ان ملنے والوں سے جب کہا کہ امیر المومنین ابلۃ پہنچ گئے تو لوگوں نے آپ کو پہچانا اور آپ کی طرف یکے لے

انسانیت کا مثالی نمونہ

زہد و تواضع، ایثار و ہمدردی، عدالت و شجاعت، حکمت و صداقت کے یہ بہترین اور مثالی نمونے خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں اس کثرت سے ملتے ہیں کہ اگر انھیں کوئی مؤرخ و ادیب یا نفسیات و اخلاق کا کوئی عالم جمع کرے اور ان سے ایک جامع اور منفرد شخصیت تیار کرے تو انسانی سیرتوں میں ایک ممتاز ترین سیرت و شخصیت تیار ہو جائے اور انسانیت کے عظیم مرقع اور انسانیت کی عالمی تاریخ کی جلوہ گاہ میں ایک حسین ترین پیکر کا اضافہ ہو جائے، لیکن افسوس ہے کہ ہم اس برگزیدہ جماعت کی مکمل اور جامع تعریف و تصویر کتابوں میں نہیں پاتے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت کا ثمرہ اور نمونہ تھی، پھر بھی بعض شخصیتوں کے کچھ جلوے، ادبیانہ بلاغت، پیکر نگاری اور مرقع کشی کے ساتھ کتابوں میں محفوظ ہو گئے ہیں، اس لئے کہ عرب قدیم زمانے سے اپنی زبان دانی، جادو بیانی، منظر نگاری اور صداقتِ تعبیر کے لئے مشہور رہ چکے ہیں،

ان کی اس خاک نگاری کی مدد سے ہم تربیت نبوی کے اثرات و آثار اور اس کی کامیابی و نادرہ کاری کا کچھ اندازہ لگا سکتے، اور اس معاشرے کے بلند نمونے دیکھ سکتے ہیں جس کی وساطت سے رسول اللہ کا اعجاز اپنی دلکش ترین شکل میں ظہور میں آیا تھا، ان تصویروں میں ایک تصویر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہے، یہ تصویر اپنی تاثیر و تعبیر کے اعتبار سے عالمی اور غیر فانی ادب کے بہترین نمونوں میں شامل ہونے کی مستحق ہے۔

ایک موقع پر امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے رفیق قدیم صرار بن ضمہ سے جنہیں ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے اور انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا (حضرت علیؓ کے اوصاف و محاسن بیان کرنے کی فرمائش کی تو انھوں نے کہا:-

”واللہ وہ بڑے بلند سمت اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے، آپ کی بات قول فیصل اور آپ کا فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا، آپ کے ہر پہلو سے علم کا چشمہ ابلتا تھا، آپ کو دنیا اور اس کے زیب و زینت سے وحشت رہتی تھی، رات کی تنہائی اور تاریکی سے آپ بہت مانوس تھے، خدا کی قسم آپ بہت ہی ارٹنے والے، طویل غور و فکر میں رہنے والے تھے، آپ اپنی ہتھیلی کو پلٹ کر اپنے آپ سے مخاطب ہوتے اور اپنا محاسبہ کرتے، آپ کو موٹا جھوٹا لباس (اور روکھا پھیکا کھانا پسند تھا، وہ ہم میں بہائے ہی طرح رہتے تھے، جب ہم کوئی بات پوچھتے تو بشارت سے جواب دیتے اور جب ہم ان کے پاس آتے تو خیریت طلبی میں پہل کرتے، آپ ہماری دعوت پر ہماری یہاں تشریف لاتے لیکن ان کی شفقت اور اپنی نیازمندی اور بے تکلفی کے باوجود ہم رعب کے مانے زیادہ گفتگو نہ کرتے اور نہ گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے، مسکراتے تو ان کے دانت

موتوں کی لڑی معلوم ہوتے، وہ دینداروں کی تعظیم کرتے اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے کوئی بااثر شخص ان سے کسی غلط کام کی امید بھی نہیں کر سکتا تھا، اور نہ کمزور آدمی ان کے عدل سے محروم واپس ہو سکتا تھا۔

میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انھیں کبھی بھی اس حال میں بھی دیکھا ہے کہ رات ڈھل چکی ہے اور تارے ڈوبنے لگے ہیں اور آپس وقت اپنی محراب میں اپنے محاسنِ شریف پکڑے ہوئے سانپ کاٹے ہوئے شخص کی طرح بے چین ہیں، اور کسی غمزدہ کی طرح رو رہے ہیں، اور میں انھیں یہ کہتے سن رہا ہوں کہ ”لے دنیا! کیا تو مجھے نشانہ بنانا چاہتی ہے، اور میرے لئے بن سنور کرائی ہے؟ دور ہو! دور ہو!! اور میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے میں نے بغیر رجعت کے تجھے تین طلاقیں دیں، تیری عمر مختصر، تیرا عیش حقیر، اور تیرا خطرہ بہت بھاری ہے، آہ! زادِ سفر کم، سفر لیا، اور راستہ و شتاک ہے۔“

پہلا اسلامی معاشرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے نتیجے میں قائم ہونے والا یہ معاشرہ جب آپ کی تربیت نے کندن بنا دیا تھا، وہ انسانیت کی پوری تاریخ میں بہترین انسانی معاشرہ ثابت ہو، جو دلکش کامل، اور تمام انسانی محاسن کا جامع تھا، اس معاشرے کا تعارف اس کے ایک فرد، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بڑی بلاغت، مختصر لیکن ہمہ گیر اور معنی خیز اور وسیع امکانات رکھنے والے الفاظ میں اس طرح کرایا ہے ”وہ لوگ تمام لوگوں میں

پاکیزہ ترین دل، عمیق ترین علم، اور کم سے کم تکلف والے تھے، جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت بابرکت اور دین کی سر بلندی و نصرت کے لئے انتخاب فرمایا تھا۔

جب اس معاشرے کا کسی اور معاشرے سے مقابلہ کیا جائے گا تو بحیثیت مجموعی اس کا پلہ بھاری نکلے گا، اور اس کی کمزوریوں کا پہلو (جس سے کوئی بشر خالی نہیں) اس کے محاسن، اور اس کے عظیم بشری نمونوں کے مقابل میں بہت ہی حقیر دکھائی دے گا، اور اس کے اخلاقی کمالات کے ایسے نادار شاہکار نظر آئیں گے جن سے تاریخ انسانی خالی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بڑی بلاغت اور دقیقہ رسی کے ساتھ فرمایا ہے:-

”اس امت کے بہترین لوگ صحابہ کرامؓ ہیں، اس لئے کہ امت میں ان سے بڑھ کر ہدایت اور دین حق پر جمع ہونے والا، اور تفرقہ و اختلاف سے ان سے بڑھ کر دور رہنے والا کوئی اور نہیں، ان کی طرف جو تھوڑی سی کوتاہیاں منسوب کی جاتی ہیں، اگر ان کا امت کے دیگر افراد سے مقابلہ کیا جائے تو وہ بہت ہی کم دکھائی دیں گی اسی طرح جب امت کی کوتاہیاں دوسری قوموں کی کوتاہیوں کے مقابلے میں رکھیں تو ان کا پلہ بھی ہلکا نظر آئے گا، اور جو یہ غلط بیانی کرتا ہے، وہ گویا ایک سفید کپڑے کے ایک کالے دھبے کو بڑا کر کے دکھاتا ہے، وہ دوسری قوموں کے جائز مباح کو نہیں دیکھتا جس میں سفیدی چند لفظوں کے برابر ہے، اور اس طرح فیصلہ کر دینا بڑا ظلم اور جہالت ہے۔“

رسالت محمدیہ کا اثر بعد کی نسلوں پر

دعوت نبوی، تعلیمات محمدی اور ان بلند پایہ نمونوں کی تاثیر (جنہیں آپؐ نے اپنی

اور اپنے اصحاب کی سیرت کی شکل میں پیش کیا، اور بعد کے آنے والوں کو جن کی اتباع کی تلقین کی تھی) اور آپ کی عظیم شخصیت (جو تمام احوال اور تمام ادوار کے لئے کامل مثال روشن چراغ اور دائمی رہنما رہی ہے) کا اثر اسی عہد تک موقوف نہ تھا، جس میں آپ مبعوث ہوئے تھے اور نہ اس معاشرے تک محدود تھا، جس نے آپ کا مبارک زمانہ پایا اور آپ کی صحبت سے استفادہ کیا تھا، وہ تو اس نیر اعظم کی طرح تھا جس کی روشنی و گرمی میں کھیتیاں اور پھسل ہر زمانے اور ہر جگہ میں پکتے ہیں اور جو اپنی بلندی سے اپنی حسین، سنہری، اور قوت و حیات سے بھری ہوئی کرنیں دنیا کی طرف بھیجتا رہتا ہے، جن سے ہر دور نزدیک کی چیز مستفید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کے لئے آپ کی دعوت، اللہ کی نگرانی کا استحضار اس کے غیظ و غضب کا خوف، اس کے اجر و ثواب کی طرح، جہنم کا ڈر اور حبت کا شوق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متاع دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب، زندگی میں سادگی، لوگوں کو اپنے اور اپنی آل و اولاد پر ترجیح، بیگانہ کے ساتھ ایثار اور خویش و اقارب پر اس کو مقدم رکھنا اور قریبی اعزاء کو جہاد و مشقت اور قربانی کے موقعوں پر آگے بڑھانا، مکارم اخلاق، اور ایسے نازک و لطیف احساسات کو فروغ دینا (جنہیں ذکی و ذہین لوگ سوچ بھی سکیں) یہ سب چیزیں ایک عالمگیر ابدی اور ہمہ گیر مدرسہ کی طرح تھیں جس سے یکے بعد دیگرے نئی نسلیں فیض یاب ہوتی رہیں اور علماء و قائدین، بادشاہ اور حکام، عابد و زاہد، اس سے مستفید ہو ہو کر نکلتے رہے، سب نے اسی مثالی مدرسہ میں اخلاق و انسانیت کے پہلے سبق لئے اور پھر سب پر فائق ہو گئے، اور اپنے اخلاق فاضلہ کی بلندی، لطافت جس شعور کی نزاکت امانت داری، عیش و طرب کا سامان، خزانوں کی کنجیاں، حکومتوں کی باگ ڈور اور قوموں کا مستقبل اپنے ہاتھ میں رکھنے کے باوجود زہد و کثرت عبادت میں تمام قوموں سے بڑھے ہوئے

نظر آتے ہیں۔

اس نبوی تاثیر سے فیض یاب ہونے والوں میں زمان و مکان کے بہت سے فاصلے ہیں، لیکن وہ ہر حال ایمان کی کھینٹی، نبوت کی فصل، دعوت اسلامی کا ثمر اور رسالت محمدیہ کا کارنامہ ہیں، اور ان کی سیرت و اخلاق میں جو کچھ حسن نظر آتا ہے، وہ نبوت محمدی کی جلوہ سالانہ کاپر تو ہے، اس عقیدہ و سیرت اور اس اخلاق کے حصول میں ان کے والدین، ماحول اور ان کی ذہانت کا اس میں کوئی دخل نہیں، اس لئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور تعلیمات اور ان افراد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور سیرت نبوی کی اتباع کا ذوق اور اسلام کا احسان نہ ہوتا تو وہ عقیدے میں بتوں کے پجاری اور اخلاق میں درندہ اور چوپایوں کی طرح ہوتے نہ تو حید ہوتی نہ تقویٰ ہوتا نہ زہد و ایثار ہوتے نہ عفو و عالی ظرفی، نہ لطافت جذبات ہوتی اور نہ حسن اخلاق۔

عالمگیر اور ابدی درگاہ محمدی کے بعض تلامذہ اور ان کے اخلاق و زندگی کے چند نمونے

اس مدد سے کہ تلامذہ و فضلاء میں سے ایک شخص کو لیں جسے نبوت محمدی نے گوارہ اسلام جزیرۃ العرب و ہمد رسالت سے بہت دور تیار کیا تھا، اور نسل و نسب کے اعتبار سے جس کی رگیں عربی خون سے خالی تھیں، وہ سلطان صلاح الدین کُرْدی عجیب ہیں، جن کو صلاح الدین ایوبی کے نام سے تاریخ اسلام جانتی ہے، جو چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ہیں، ان کے بارے میں ان کے رفیق اور معتمد خاص (SECRETARY) ابن شداد کہتے ہیں۔

”ان کی حکومت میں کیا کچھ نہیں آیا لیکن مرتے وقت ان کے پاس چاندی کے

لے صلاح الدین کی وفات ۶۵۸ھ میں ہوئی تھی، ایوب سلطان صلاح الدین کے والد کا نام تھا۔

کل ۲۷ ناصری درہم اور ایک سونے کا سکہ نکلا جس کا وزن مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔
میں نے انھیں ایک بار بیت المقدس میں وفود کے درمیان دیکھا اور وہ دمشق
جانے کی تیاری میں تھے، لیکن ان کے خزانے میں ان وفود کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا،
میں اس سلسلے میں گفتگو کرتا رہا آخر انھوں نے بیت المال کی کچھ چیزیں فروخت
کیں اور ان وفود کو دیدیا اور ایک درہم بھی باقی نہیں بچا۔

وہ تنگی کے حال میں بھی اسی طرح داؤد ہش سے کام لیتے جس طرح خوش حالی
کے وقت فیاضی برتتے تھے، اسی لئے ان کے خزانہ داران سے کچھ چیزیں چھپا کر
اہم فوری ضرورتوں کے لئے رکھ لیتے تھے، اس لئے کہ انھیں جب بھی کسی شے کا علم
ہو جاتا تو اسے باہر منگا لیتے، ایک گفتگو کے دوران میں نے انھیں یہ کہتے سنا کہ
لوگوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جو مال کو مٹی سمجھتے ہیں، گویا یہ ان کا اپنی
ہی ذات کی طرف اشارہ تھا، وہ سائل کی توقع سے زیادہ ہی قیہ تھے۔

جب عظیم بادشاہ جو شام کے شمالی حدود سے جنوب میں صحرائے نوبہ تک حکومت
کرتا تھا، دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے خزانے میں اس کے کفن دفن تک کا پیسہ نہ تھا،
ابن شداد کا بیان ہے کہ:-

”پھر ان کے غسل اور کفن کی تیاری ہونے لگی تو ہمیں اس کا انتظام اس طرح کرنا پڑا
کہ معمولی چیزیں بھی قرض سے لینا پڑیں حتیٰ کہ گھاس کے پوے جو قبر میں رکھے جاتے ہیں۔
قرض ہی سے لئے گئے نماز ظہر کے بعد ایک معمولی کپڑے سے ڈھکے ہوئے تابوت
میں آپ کا جنازہ لایا گیا، کفن کے تمام کپڑے قاضی فاضل نے مہیا کئے تھے۔“

صلاح الدین کا یورپین سیرت نگار لین پول (STANLEY LANPOOL) اپنی مشہور کتاب 'صلاح الدین' میں لکھتا ہے:-

”اگر دنیا کو صلاح الدین کی شرافت و مالی حوصلگی کے اس معاملہ کے سوا اور کچھ نہ معلوم ہو جو اس نے بیت المقدس کی فتح اور اسلام کے لئے اس کی بازیابی کے وقت اپنے سبھی دشمنوں کے ساتھ کیا تھا، تب بھی یہ ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ اس کے زمانے میں مالی ہمتی، عظمت و شجاعت اور مردانگی و بسالت میں کوئی آدمی اس سے بڑھا ہوا نہیں تھا، بلکہ اس معاملے میں تو وہ ہر زمانے کے لوگوں میں بھی عظیم تھا۔“

یہ محمدی تاثیر، قوت و فیضان اور امکانات سے بھرپور اور وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں کار فرما رہی اور ان ملکوں میں جو عالم اسلامی کے دور دراز کناروں پر واقع ہیں اور نو مسلم قوموں اور افراد میں جو اسلام کے اولین داعیوں سے نسل و زبان اور ثقافت کا کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے، اپنے عجائب و غرائب ظاہر کرتی رہی، چنانچہ ایسا اکثر ہوا ہے کہ ایسے لوگ کسی داعی اسلام یا روحانی مرشد کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اور پھر ان کی اولاد میں بادشاہ یا بادشاہ کی صورت میں زاہد متراض اور ولی کامل پیدا ہوئے، جن میں خشیت و تقویٰ، عدل و توازن، ہمدردی و سخاوت، رحم و کرم، احتساب و اخلاص نیت اور صدق و صفا کے وہ نمونے پائے گئے کہ دوسری قوموں کے اجار و رہبان اور پوپ پادریوں میں بھی ایسے نمونے نہیں پائے گئے، ان کے ملوک و سلاطین کا تو سوال ہی نہیں۔

میں یہاں ہندوستان کی طویل اسلامی تاریخ سے (جو ایسے بلند نمونوں سے بھری

ہوئی ہے) ایک ہی نمونے پر انکشاف کروں گا، جسکی جدت و ندرت اور تازگی و طرفگی مرورایا
اور اعادہ و تکرار کے باوجود اب تک کم نہیں ہوئی ہے، گجرات کے بادشاہ مظفر حلیم (م ۹۳۲ھ)
اور اس کے معاصر سلطان محمود خلجی والی ماندو کے درمیان پرانی رنجش تھی، سلطان خلجی برابر
جہادیت سے کام لیکر گجرات پر حملہ آور ہوا کرتا تھا جس کے نتیجے میں سلطان مظفر حلیم کو اپنے ملک کا
دفاع اور جوابی حملہ کرنا ہوتا تھا، قسمت کی بات کہ محمود پر زوال آیا اور اپنی قوت و شوکت پر
ناز کرنے والے اس بادشاہ کو ایک پناہ گزین کی حیثیت سے اپنے کریم النفس پرانے دشمن سے
فریاد رسی اور امداد طلبی کرنی پڑی اس لئے کہ اس کے ملک پر اس کے وزیر منڈلی رائے نے قبضہ
کر لیا تھا، سلطان محمود کو، سلطان مظفر کے دامنِ عاطفت اور اسلامی غیرت کے سوا کہیں
جائے پناہ نظر نہیں آئی، چنانچہ حسب توقع وہ سلطان مظفر کے لطف و کرم، مدد و تعاون
کا سزاوار ٹھہرا، یہ معاملہ وہ شخص کبھی نہیں کر سکتا تھا، جو جاہلی عصبیت کا شکار اور مادیت و
موقع پرستی کے فلسفہ میں گرفتار ہوتا، سلطان مظفر نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوئی
کوشش نہیں کی اور نہ اپنے لاچار اور نہتے دشمن کو کوئی طعنہ دیا بلکہ صرف اللہ کی رضا کے
لئے اور نفس و شیطان کے علی الرغم اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور اپنے شکر جزار کے ساتھ ماندو
کی طرف بڑھا اس نے اس حریف سلطنت کے معاملے کو اپنی سلطنت کے معاملے کی طرح، بلکہ
اس سے بھی بڑھ کر اہمیت دی اور ایک اسلامی مملکت کی آزادی کی حفاظت اور شوکت اسلام
کے اعادہ کے لئے اپنی حکومت اور اس کی حریت و سالمیت کو داؤں پر لگا دیا، ادھر سے کافر
فوجیں اور بت پرست طاقتیں بھی اپنے حلیف ملک ماندو کی مدد کے لئے میدان میں آگئیں اور
ایک فونی و جنونی لڑائی چھڑ گئی، جس میں کشتوں کے پشنے لگ گئے اور کئی کوچوں میں خون کی ندیاں
بہہ گئیں، بالآخر سلطان مظفر کو فتح اور دشمن کو شکست فاش ہوئی، راجپوت بادشاہوں کے

پرانے طریقے کے مطابق ہندوستانیوں اور بادشاہ کی سیگمات نے جوہر کی پرانی رسم ادا کی اور بالآخر یہ ملک پھر مسلم حکمرانی میں آگیا۔

یہاں انسانی شرافت اور اسلامی اخلاق کا ایک اور بہترین نمونہ سامنے آتا ہے، سلطان مظفر کے بعض فوجی مشیروں نے اسے یہ شورہ دیا کہ بادشاہ اس زرخیز اور خوبصورت ملک پر قبضہ کر لے، جس کے خوشنما محلات، مضبوط قلعوں، اور بھرے ہوئے خزانوں کی (جو کمزور و مغرور بادشاہ کی حماقت سے خطرہ میں پڑ گئے تھے) ہندستان میں کوئی مثال نہ تھی، ان کی منطق یہ تھی کہ اب بادشاہ نے اسے از سر نو فتح کیا ہے، اس لئے اب وہ اس کا حقدار ہے، ملک تو قوت و غلبہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور شرف و فاتح کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں۔

سلطان کو جب اس رائے اور فوجیوں کی خواہش کا علم ہوا تو سلطان محمود کو حکم دیا کہ اس کے فوجیوں میں سے کسی کو شہر میں نہ جانے دے، سلطان محمود نے اس سے قلعہ میں کچھ ٹھہرنے اور غسل وغیرہ کی دعوت دی لیکن سلطان مظفر نے یہ دعوت شکریہ کے ساتھ نامنظور کر دی اور اپنی فوجوں کو احمد آباد اور اپنے ٹھکانوں پر واپسی کا حکم دیدیا اور محمود خلجی سے کہا کہ میں تو اس ملک میں صرف الشکر کی رضا، اس کے ثواب کی طمع اور اس کے اس حکم پر عمل کرنے آیا تھا کہ:-
وَإِنِ اسْتَضَرُّوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلٰیْكُمْ
النَّصْرُ ۝

پر مدد لازم ہے

والمسلم اخو المسلم لا یسلم ولا یخذلہ
مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے جسے نہ دشمن کے
سپر دے نہ تباہی اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔

اب میرا یہ مقصد پورا ہو گیا، اور اللہ نے مجھے، آپ کو، اور اسلام کو مسخر و کیا ہیں نے

اپنے ساتھیوں سے ایسی باتیں سنیں جن پر اس عمل کرتا تو میرا عمل رائگاں اور میرا جہاد ضائع ہو جاتا اور اس معاملے میں میرا نہیں بلکہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے اس سعادت کا مجھے موقع دیا، اور اس کا سبب بنے، اب میں اپنے ملک واپس جا رہا ہوں، اس لئے کہ اپنے عمل کو قیمت نہیں بنانا چاہتا، اور نیکی کے ساتھ بدی کو ملانا چاہتا ہوں، بادشاہ کے یہ کہتے ہی اس کی فوج ظفر موج حرکت میں آگئی، شہسواروں نے احمد آباد کی طرف عنان عزیمت موڑ دی، اور ایک مثال قائم کرنے ہوئے اپنے ملک کو لوٹ گئے۔

منظر کے ”مانڈو“ فتح کرنے اور فاتحانہ اور باعزت داخلہ کے وقت محمود نے اپنے دوست مظفر کو سیر کرنے اور اس ملک کے خزانوں اور عجائبات دکھانے کے لئے ساتھ لے لیا، یہاں کی ہر چیز تعجب خیز اور حیرت انگیز تھی، شہر مانڈو حسن و سرسبزی، ثروت و امارت، خوش جمال باندیوں اور عورتوں کا ایک مینا بازار تھا، لیکن سلطان مظفر سر جھکا نظر نیچے کئے ہوئے اور اس مال و جمال کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے تھا، محمود نے اپنے اس شرمیلے دوست سے حشم و خدم اور جواری اور کنیزوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے (جو فاتح کے استقبال کے لئے کھڑی مسکرا رہی تھیں) کہا کہ ”جناب عالی! کیا بات ہے؟ آپ نہ سراٹھاتے ہیں نہ اس منظر کو دیکھتے ہیں؟ سلطان مظفر نے کہا کہ ”محمود! میرے لئے یہ جائز نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَعْصُوْنَ اَمْرًآ اَبْصَارِهٖمْ ۝

مومنوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

محمود نے کہا کہ وہ میری باندیاں ہیں، اور میں آپ کا غلام ہوں جسے آپ نے اپنے

احسان سے بندہ بے دام بنالیا ہے، اس لئے وہ دوسرے طریقہ پر بھی آپ کی باندی اور غلام ہیں، لیکن مظفر کو یہ نکتہ مطمئن نہیں کر سکا، اس کا یقین تھا کہ اللہ نے جسے حرام کیا ہے اسے

کوئی حلال نہیں کر سکتا۔

اس طرح زاہد مفتی بادشاہ نے اپنی شرافت اپنے باطن اور روح کی عفت اسلام سے خدمتِ تائثر، اور بلند اسلامی اخلاق کا نمونہ قائم کر دیا جن کی محبت اس کی گھٹی میں پڑی تھی، اور جن پر وہ زندگی بھر کا رہنما رہا، بادشاہ کا اسلامی نسب دو تین واسطوں کے بعد ہندی نژاد غیر مسلم خاندانوں اور ناپاک برادری کے پشتوں میں کھو جاتا ہے، جن کا ایک فرد شرف بہ اسلام ہو کر اس عظیم سلطنت کا بانی ہوا تھا، اور اسلامی مورخ کو اس کے دادا کے بعد اسلامی نام نہیں ملے جو فیروز تغلق کے وقت میں آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان ہوا تھا، اور اس کے بعد ہندوستانی نام آنے لگتے ہیں، جن کی اصلیت و مفہوم کا پتہ نہیں چلتا، سلطان مظفر نے یہ شرافت اور نقوی درگاہ محمدی ہی سے سیکھا تھا، جس کا وہ مخلص و محنتی شاگرد تھا، اور جو اسلام کی نعمت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و احسان کا قدردان اور اس دین سے پوری کچھپی اور احترام کے ساتھ متعلق تھا۔

اس دائمی و مبارک مدرسہ کی ہر زمانے اور ہر قوم میں کارگزاری

اس بابرکت اور مردم خیز مدرسے کے کتنے فرزند شرق و غرب اور عرب و عجم، قرونِ اولیٰ و وسطیٰ اور عہدِ حاضر میں پھیلے ہوئے، اور ان عظیم فرزندوں کے کتنے کارنامے اور فتوحات، اور فضائل و محاسن انسانی زندگی کے ہر گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔

اس مدرسہ کی تربیت کی تاثیر اور اس کے بانی کا فیض کبھی طارق کی شجاعت، محمد بن قاسم کی بسالت اور موسیٰ بن نصیر کی ہمت کے پردے میں چمکا، کبھی امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ کی نزاکت و ذہانت کی شکل میں ظاہر ہوا، کبھی امام مالکؒ و امام احمد بن حنبلؒ کی صلابت و استقامت کے لئے تفصیل کے لئے ملاحظہ یہ آصفی کی عربی تاریخ ”ظفر اللوا“

پیکر میں آشکارا ہوا، کبھی نور الدین زنگی کے لطف و کرم میں جلوہ گر ہوا، کبھی صلاح الدین کے عزم و حکم اور سعی بہیم سے ہویدا ہوا، کبھی امام غزالی کا جوہر کمال بن کر سامنے آیا، اور کبھی شیخ عبدالقادر جیلانی کا تقدس و روحانیت بن کر دلوں کا دوا بنا، کبھی ابن جوزی کی تاثیر بنا، کبھی محمد فاتح کی شمشیر بنا، کبھی محمود غزنوی کی ہم جوئی اور کبھی حضرت نظام الدین اولیا کی رقت و شفقت ثابت ہوا، کبھی فیروز شاہ خلجی کی بلند طبعی میں صودت پذیر ہوا، کبھی ابن تیمیہ کے تبحر علمی میں کبھی شیر شاہ سوری کے حسن تدبیر کی شکل میں سامنے آیا اور کبھی اورنگزیب عالمگیر کے آہنی عزم کی ہیئت میں، کبھی شرف الدین بھٹی منیری کے معارف و حکم میں نمایاں ہوا، اور کبھی مجدد الف ثانی کے آثارِ قلم و قدم میں، کبھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت بن کر ابھرا اور کبھی شاہ ولی اللہ کی حکمت بن کر، اور کبھی ان کے بعد کے آنے والے داعی و مصلحین اور علمائے ربانی کی خدمات بن کر۔ ان تمام عبقرتیوں اور ان کی علمی و علمی خدمات کا سلسلہ نسب و نسبت اس مدرسہ اور اس کی تربیت اور اس نئے اور خوش آئند عہد پر منتہی ہوتا ہے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا جس میں انسانیت کے افضل ترین اسکانات کو ابھرنے اور سرگرم ہونے کا موقع ملا، اور جس میں ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے والے افراد ملنے لگے، یہ مدرسہ — زلزلے کی چیرہ دستی اور لوگوں کی نا آشنائی — کے باوجود تاریخ میں بے مثال افراد پیدا کرتا رہا، اور خدا کے حکم سے اپنے مفید اثرات و ثمرات سے انسانیت کی جھولی بھرتا رہا ہے، وہ اپنے ان مخلص قائدین اور ربانی علماء کے ذریعہ انسانیت کی خبر گیری اور دلوری کرتا رہا ہے، جن کے بارے میں قرآن میں ہے کہ۔

اَذَلَّتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعْرَاجَهُ عَلَى
الْكَافِرِينَ، يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وہ مومنوں کے سامنے نرم اور کافروں کے مقابل
سخت ہیں، اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةً لَّائِمَةً

اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ
نہیں کرتے۔

اور زبان غیب یہ صد الگاتی ہے کہ:-

فَإِنْ يَلْفُظْ بِهَا هُوْلًا فَقَدْ وُعِلَتْ
بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَ فِرِينِ

تو اگر یہ لوگ اس کا انکار اور اس نعمت کی
نا شکری کریں گے تو ہم نے اس کے لئے ایسی قوم
مقرر کر رکھی ہے۔ جو منکر اور کافر نعمت نہیں۔



ساتواں خطبہ

ختم نبوت (۱)

حضرات! اب جبکہ توفیق الہی سے منصب رسالت و نبوت، اس کے عالی مرتبہ حاملین، اور ان کے خاتم و مکمل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اہم پہلوؤں اور گوشوں پر قرآن عظیم کی رہبری و رہنمائی، اور تاریخ و سیرت کی روشنی میں اپنے معروضات اور فکر و مطالعہ کا خلاصہ اور نتیجہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی، ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے مسئلہ پر قرآن مجید ہی کی رہبری و رہنمائی میں اور سیرت و حدیث و تاریخ ادیان و ملل، مذاہب کے تقابلی مطالعہ اور فلسفہ اجتماع و تمدن کے بدیہی اصولوں، اور طویل تجربوں کی روشنی میں گفتگو کی جائے کہ یہی ہمارے اس علمی سفر کی آخری منزل، اور ہمارے اس قلمی طواف و سعی کا آخری نقطہ اور منتہی اور ان خطبات کا ”حسن خاتمہ“ ہے، چونکہ اس زمانہ میں کچھ غلط اندیش اور مفاد پرست لوگوں نے اس واضح اور متفق علیہ عقیدہ کو غبار آلود کرنے، اور اس کو ایک متنازعہ فیہ علمی مسئلہ کی شکل دینے کی کوشش کی ہے، اس لئے پچھلے خطبات کے مقابلہ میں اس مسئلہ پر ہم کو قدرے تفصیل اور

نسبتاً دارِ نفسی کی ضرورت پیش آئے گی اور شاید اس کو دو حصوں اور مجلسوں میں تقسیم کرنا پڑے۔

دین کی تکمیل اور امت کی نیابت انبیاء

خدا کے عظیم و خیر کار ارادہ قاهر و غالب دین اسلام کو نقطہ کمال پر پہنچانے اور اس کو ہر بعد و دیار کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل بنانے میں پورا ہو کر رہا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیغام اور دین کی امانت کو بندوں تک پہنچانے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کا پورا حق ادا کر دیا اور ایک ایسی امت تیار کر دی جس نے نبوت کا منصب پائے بغیر کائنات کی ذمہ داریاں سنبھال لیں اور اسے دعوت اسلام کو لے کر کھڑے ہونے، دین کو تحریف و تبدیلی سے بچانے، دنیا کی خیر خواہی اور ہر زمانے میں اور ہر مقام پر انسانیت کا اقتساب کرنے پر مامور متعین کر دیا گیا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا أُمَّةً أَخْرَجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَذُوْنُ مَنُونٍ بِإِذْنِ اللَّهِ

تم بہترین امت ہو انسانوں کے لئے سامنے
لائی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے
روکتے اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

خدا کے علم ازلی میں یہ پہلے سے مقدر تھا کہ دنیا میں پیغمبروں کے جانشین، علم و ہدایت کے روشن مینار و رہنما و استقامت کے کوہ و قارہر دور میں موجود رہیں گے جو اس دین کو ہر زمانے میں، غلو اور زیادتی کرنے والوں کی تحریف، باطل پسندوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی بے جا تاویل سے بچاتے رہیں گے، تقدیر الہی کے اس فیصلہ کی خبر اور بشارت دیتے ہوئے زبان نبوت نے کہا۔

لا تزال طائفة من امتی ظاہرین
 علی الحق لا ینصرهم من خذلهم حتی
 یاتی امر الله وھم کذلک۔
 میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق پر
 قائم اور غالب رہے گی، اور ان کا ساتھ نہ دینے
 والا ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا
 آخری فیصلہ (قیامت) آجائے گی، اور وہ اسی
 حال میں ہوں گے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت کے خاتمہ اور ان کے بعد اس کے منقطع ہو جانے کا اعلان
 جب عالم تکوین و تشریع میں یہ سب طے ہو گیا تو اس کا اعلان کر دیا گیا کہ انسانوں کو
 ان عقائد و شریعت کی تعلیم (جس پر ان کی دنیوی فلاح اور اخروی نجات کا مدار ہے) اب وحی و
 ملائکہ کے ذریعہ، اور نئے نبی کے واسطے سے نہیں دی جائے گی اور نبوت و وحی کے نزول
 کا سلسلہ آخری طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کیا جا رہا ہے۔
 نبوت و وحی کے نزول، اور ملائکہ بالخصوص جبرئیل کے ذریعہ انبیاء سابقین اور محمد
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلق خدا کی ہدایت و تعلیم پر مامور کرنے کے تذکرے سے قرآن مجید
 بھرا ہوا ہے، یہاں پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ مسلم بروایت ثوبان ۱۵ آیات قرآنی اور انبیاء و مرسلین کے بارے میں سنت الہیہ پر نظر کرنے سے
 معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اور عام طور پر نبوت و شریعت کے سلسلے کی وحی پیغمبروں پر ملک (فرشتہ) کے ذریعہ
 اور خصوصیت کے ساتھ حضرت جبرئیل ہی کے واسطے سے آتی تھی، اور ہم نے جو آیتیں نقل کی ہیں ان سے یہ بات
 بخوبی واضح ہو جاتی ہے، لیکن اکثر متکلمین اور عقائد کی کتابوں کے مصنفین نے عام طور پر مطلق وحی کا ذکر کیا ہے، ملک
 یا جبرئیل ان کی تخصیص نہیں کی ہے، حالانکہ اس سلسلہ میں قرآن مجید عام طور پر اس وساطت کا ذکر کرتا ہے۔

مَنْزِلُ الْمَلَائِكَةِ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِ عَلَى
مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ۝

وہ فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے
بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا
ہے کہ تم یہ اعلان کر دو کہ میرے سوا کوئی اور موجود
نہیں، تو مجھی سے ڈرو۔

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ
الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ
الْمُنذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝

اور یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل
ہوا ہے جسے امانت دار فرشتہ لے کر آپ کے
دل پر اترا ہے تاکہ آپ کھلی عربی زبان میں ڈرانے
والوں میں سے ہوں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا
أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا
فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ

کسی بشر کا یہ مرتبہ نہیں کہ اللہ براہ راست اس سے
بات کرے مگر یہ کہ وہ بات وحی اور پر دے کی
اوٹ سے ہو، وہ فرشتہ بھیجے اور وہ رسول کو اس کے
حسب جازت اس کے نشان سے آگاہ کرے اللہ تعالیٰ
بلند اور حکمت والا ہے۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ
لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ
لِلْمُسْلِمِينَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اس کتاب کو روح القدس فرشتہ
آپ کے رب کے پاس سے ٹھیک ٹھیک لے کر
اترا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کو ثابت قدم
رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و بشارت کا سامان ہو

۱۔ النحل ۲ ۵۷ الشعراء ۱۹۲-۱۹۵ ۵۸ الشوری ۵۱۔ اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ

”یرسل رسولاً“ سے مراد فرشتہ ہے، ۵۷ النحل ۱۰۲۔

اور نبی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا، یہ تو صرف وحی ہے اس کی طرف بھی جاتی ہے اور اسے بھرپور طاقت اور قوت والے فرشتے نے اسے سکھایا، تو وہ پورے نظر آئے اور وہ بلند افق پر تھے، پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے، تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم، پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف بوجھیا بھیجا۔

کہہ دو کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو (اس کو غصہ میں مرجانا چاہیے) اس نے تو (یہ کتاب) خدا کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔

بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے جو صاحب قوت، مالک عرش کے ہالہ و نچے درجہ والا سردار (اور) امانت دار ہے اور (مذکر والی) تمہارے رفیق (یعنی محمد) دیوانہ نہیں ہیں، بیشک انھوں نے اس (فرشتہ) کو (آسمان کے کھلے یعنی) مشرقی کنارہ پر دکھا ہے اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۖ ذُو مِرَّةٍ ۖ فَاسْتَوَىٰ ۖ وَهُوَ بِالْأَفْقِ الْأَعْلَىٰ ۚ لَمَّا دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ ۖ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۖ لَهُ

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْبَيْتِ فَلَنَا نَزْلُهُ ۖ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۖ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۖ

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۖ ذِي قُوَّةٍ ۖ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۖ مُطَاعٍ ۖ ثَمَّ أَمِينٍ ۖ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۖ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ۖ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۖ

لیکن جہاں تک وجدانی اور لدنی علوم اور حکم و معارف اور ان اطلاعات کا سوال ہے، جو بعض پاکیزہ نفوس اور باصنعت و مجاہدہ اور علوم و تحقیقات کے سمندر میں غواصی کرنے والوں کو الہام کر دی جاتی ہیں اور جو کچھ لوگوں کو نوائے سروش یا ندائے غیب کی صورت میں سنائی دیتی ہیں، اس کا نبوت سے تو دور کا بھی تعلق نہیں، بعض اوقات اس کے لئے ہدایت و حقانیت کی بھی شرط نہیں ہوتی لیہ۔

لہٰذا کبھی ایسی آوازیں غیر مسلموں کو بھی سنائی دیتی ہیں، اور اس کے بہت سے واقعات سننے میں آچکے ہیں، اس کا انکار ہٹ دھرمی اور تواتر و اقعات کا انکار ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَءِیْلَ رَجَالٌ
تَمَّ سَبْعَ مِائَتٍ مِنْهُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا
تَمَّ سَبْعَ مِائَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا
تَمَّ سَبْعَ مِائَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا
تَمَّ سَبْعَ مِائَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا
تَمَّ سَبْعَ مِائَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا
تَمَّ سَبْعَ مِائَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا
تَمَّ سَبْعَ مِائَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا
تَمَّ سَبْعَ مِائَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا
تَمَّ سَبْعَ مِائَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا

مشہور عارف شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی معروف بربیع اکبر (م ۶۳۸ھ) نے اس کی صراحت کی ہے کہ اولیاء اور اصحاب ریاضت کے الہام علوم و اجازت تک محدود ہوتے ہیں، احکام و شریعت میں ان کو کچھ دخل نہیں اور اگر وہ احکام و شریعت پر متسل ہوں تو وہ قابل اعتماد نہیں اور نہ ان کی کچھ حیثیت ہے (فتوحات مکیہ باب ۳۱۰ جلد ۳ ص ۵ اور جلد دوم باب ۲۸۳ ص ۲۲۳)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے کتاب النبوات میں اس ذکر کے بعد کہ وحی کا لفظ انبیاء وغیرہ پر تیار ہے اصحاب اہم انھیں مخاطبت و مکالمات غیبی کا شرف حاصل ہوتا ہے سب کے لئے آئندہ لکھا ہے کہ ان اصحاب اہم اور طہیین غیب کو کچھ باتیں الہام کی جاتی ہیں، لیکن وہ نہ مضمون ہوتے ہیں اور نہ ان تمام واقعات کی تصدیق کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ کبھی شیطان انھیں کچھ ایسی باتیں بھی سنا دیتا ہے جو وحی ربانی نہیں بلکہ وحی شیطانی ہوتی ہیں اور ان دونوں چیزوں کا فرق انبیاء کی تعلیمات ہی معلوم ہوتا ہے (۷۶ ص) اس موضوع پر محققین صوفیہ و راہگم معرفت تحقیق نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے، جسے ان کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے خاص طور پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات دیکھنے کی چیز ہیں۔

یہ اعلان الشرفائے کی طرف سے ہے کہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دی گئی اور یہ مضمون و مفہوم ایسے صریح اور واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور اس بارے میں کج بحثی اور شبہات پیدا کرنے کی کوشش وہی شخص کرے گا جس کے دل میں چور ہو یا اس سے اس کا کوئی مفاد وابستہ ہو۔

وہ صفات جو دائمی نبی اور آخری رسول ہی کے ہو سکتے ہیں

قرآن مجید نے سلسلہ نبوت کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ختم ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کی عملاً ضرورت نہ ہونے کے اظہار کے لئے گونا گوں اور نہایت بلیغ اسالیب بیان اختیار کئے ہیں، جو بیک وقت قلب و دماغ کو پورے طور پر اپیل کرنے والے ہیں، اس کے لئے کبھی تو قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و اوصاف ایسے انداز میں بیان کئے ہیں جن سے عقل سلیم رکھنے والا ہر انسان باسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ ایک زندہ جاوید پیغمبر اور قیامت تک کے لئے قابل تقلید نمونہ اور مثالی شخصیت ہیں، چنانچہ ارشاد ہوا:-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ
وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے
کسی کے والد نہیں ہیں، بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں
(کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کر دینے والے) ہیں

اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

لے الاحزاب ۴، اس آیت کا آخری جزو "وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا" قرآن مجید کے اعجاز کا ایک نمونہ ہے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ ایک پیغمبر قیامت تک کے لئے (باقی صفحہ ۲۰۶ پر)

قرآن نے آپ کے آخری نبی ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اسی قوم کی زبان اور تعبیر سے کام لیا ہے جن کی زبان میں وہ اتر رہا ہے اور جو اس کے اولین مخاطب اور اس کے سمجھنے اور پھر دنیا کو سمجھانے اور بتانے پر مامور تھے، یہ زبان ان کے درمیان رابطے بول چال، اور ادائے مطلب کی زبان تھی، لیکن اس زبان کی محیر العقول وسعت و صلاحیت کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اس میں کمال و انتہا بتانے والا کوئی لفظ خاتم سے بہتر موجود نہیں اور اس مطلب کے لئے یہی لفظ گفتگوؤں اور شعر و ادب میں ان کی نوک رباں رہتا تھا، اسی لئے ان کی زبان میں خاتم ختام، اور ختم کے وہی معنی پائے جاتے ہیں، جو قرآن مراد لیتا ہے، یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول اور خاتم الانبیاء ہیں، جن کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے۔

قرآن نے آخری رسالت کے حامل رسول کی ایسی صفتیں بیان کی ہیں، جو آپ کی رسالت کی بادیت اور بلا استثناء ہر نسل، ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے لئے مثالی نمونہ اور اسوۂ حسنہ بننے کی صلاحیت و اہمیت کی طرف واضح اشارے کرتی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ

(باقی صفحہ ۲۰۷) کیسے کافی اور مختلف انسانی نسلوں کے لئے رہنا اور اسوۂ کامل ہو سکتا ہے، اور اس کی شریعت و تعلیمات کس طرح تمام انسانی ضروریات، نئے نئے تقاضوں اور عہد بعہد کی تبدیلیوں کو عمدہ برآ ہو سکتی ہے تو اس کا جواب مختصر لفظوں میں دیدیا گیا کہ "وكان الله بكل شئ عليماً"

لے ابن منظور کی "لسان العرب"، جو ہری کی صحاح العربیہ، ابن سیدہ کی "المحکم"، مجد الدین فیروز آبادی کی "القاموس المحیط"، اور اس کی شرح جو علامہ سید مرتضیٰ زبیدی بگرامی کے قلم سے ہے یعنی "تاج العروس"، اور دوسرے مستند معاجم (لغات) اور مستند علیہ تفسیریں ملاحظہ ہوں۔

حَسَنَةً لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ
وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝
اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت
(کے آنے) کی امید ہو، اور وہ خدا کا ذکر کثرت
سے کرتا ہو۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبِّكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝
(اے پیغمبر لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست
رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تمہیں دوست
رکھے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور
خدا بخشنے والا مہربان ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاحِدًا
وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۚ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ
بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝
اے پیغمبر ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری
سنانے والا، اور ڈرائیوالا بنا کر بھیجا ہے، اور خدا
کی طرف بلانے والا، اور چراغ روشن۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ خدا اے علام الغیوب کی ذات تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے
عقل مندوں اور مبلغ ادیبوں کا بھی یہ شیوہ نہیں کہ وہ کسی ایسے بادشاہ کی مدح و توصیف میں سحر طرائف
اور نفس درازی سے کام لیں جس کی سلطنت عارضی اور جس کا ستارہ اقبال رو بزوال ہے،
اور اس کی جگہ کوئی دوسرا صاحب تاج و تخت لینے والا ہے، اسی طرح ان حکیموں اور
دانشوروں کی جو انجام کار پر گہری نظر رکھتے اور خوب ناپ تول کر کوئی بات کہتے ہیں، طبیعت
و افتاد طبیعت نہیں کہ وہ کسی ایسے بچے کی ولادت پر مبارک باد دینے میں فصاحت و بلاغت
کے جوہر کھائیں جس کے متعلق کسی قرینہ سے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی زندگی مختصر اور اس کی
بہار چند روزہ ہے، وہ ایسی ہستی کی درازی عمر اور بلند اقبالی کے گیت بلند آہنگی سے

نہیں گاتے، جس کے متعلق بعد میں کہنا پڑتا ہے۔

خوش درخشد و لے دولت مستعمل بود

محمد رسول اللہ کی سیر و حیات تک کے انسانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ واسوہ اور اس کے لئے غلبی انتظامات

جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام انسانی طبقات اور ہر زمانے اور ہر مقام کی انسانی نسلوں کے لئے مثالی نمونہ اور نصب العین ٹھہری تو اللہ کی رحمت عنایت ان کے اخبار و آثار، احوال و کوائف، اخلاق و خصائل اور عادات و شمائل کی حفاظت لئے اسی بنیاد پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحقؑ کے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا، اس لئے کہ یہ بات اس وعدہ اور اعلان کے منافی ہے، جو حضرت اسحقؑ کے فرزند تولد ہونے کے باوجود میں کیا گیا تھا، ان کے تلمیذ رشید ابن قیم نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ذبح اسحاقؑ تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ کی والدہ کو ان کے اور ان کے بیٹے یعقوب کی بشارت دی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اس طرح بشارت دی کہ۔

قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوطٍ
وَأَمْرًا ۖ قَائِمَةً مِّمَّنْكَ فَفَشَّرْنَاَهَا
بِاسْمِ اللَّهِ وَبِإِسْمِ اللَّهِ وَبِاسْمِ اللَّهِ وَبِاسْمِ اللَّهِ
اور اسحاقؑ کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔

اس لئے یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ایک طرف بشارت دے کہ ان کے یہاں لڑکا ہوگا اور پھر انھیں اسی کو ذبح کرنے کا حکم دے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۶)

کی طرف متوجہ ہوئی اور مسلمانوں کے قلوب و اذہان آپ کے اقوال و افعال، عادات و عبادات، نشست و برخاست اور علوت و خلوت کی حرکات و سکنات کے معلوم کرنے اور محفوظ کر دینے کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے اور ان کو اس میں ایسی محویت و انہماک ہوا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مخفی طاقت ہے جو ان کو اس منزل کے لئے سرگرم سفر اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایسا رواں دواں رکھے ہوئے ہے کہ اس کے بغیر ان کو چین نہیں آتا، اور ان کی زبان حال کہتی تھی کہ

رشتہ در گردنم افکنده دوست

می بردہر جا کہ خاطر خواہ دوست

اس توجہ اور اعتناء باریک بینی و دقیقہ رسی کا اندازہ، حدیث و سیرت و شمائل کی کتابوں اور خطبہ و سرایاے نبویؐ کی ان روایتوں سے ہوتا ہے جو خاندان نبوت کے بعض افراد اور ہر وقت کے حاضر باش اصحاب کرام سے منقول ہیں۔

ادب و تاریخ، سیرت و انساب کے وسیع ذخیرہ میں اس سے زیادہ باریک بینی و انضباط و احتیاط کسی اور بشری پیکر کی مرقع نگاری اور اخلاق و عادات کی ائینہ داری کے سلسلے میں دکھائی نہیں دیتی۔

مثال کے طور پر امام ابو عیسیٰ ترمذی (۲۰۹-۲۴۹ھ) کی کتاب شمائل پر ایک نظر ڈالنے ہی سے یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ خلقی و خلقی اوصاف، عادات و معمولات، مرغوبات و نامرغوبات کی باریک تفصیلات کو قلمبند کرنے کا یہ اعجازی اہتمام اور اس ذات گرامی سے ادنیٰ تعلق رکھنے والی چیزوں کے تفصیلی احاطہ کی مثال، انبیاء کی سیرتوں اور مشاہیر عالم کے تذکروں میں تلاش کرنا ایک سعی لاحاصل

ہے یہ کوشش محض اتفاقی و اقویٰ کسی شخصی رجحان کا نتیجہ نہیں قرار دی جاسکتی۔

اسی طرح جو شخص امام بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ) کی "الأدب المفرد" کو غور سے دیکھے گا، جسے اس کے عظیم المرتبت مصنف نے اسلامی آداب، مکام اخلاق، حسن معاشرت، حقوق صحبت، تہذیب و تربیت نفس، زندگی کے اقدار و اطوار کے موضوع پر تصنیف کیا ہے اور جو تمام ترازاوال و افعال و تعلیمات نبوی پر مبنی ہے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ کوشش کوئی حادثہ اور اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ یہ خدا کے عز و علیم کی عین منشاء کے مطابق ہے، اور یہ سب اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر زمانے اور ہر نسل میں اللہ کے ان ارشادات پر عمل ہو سکے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبِّبْكُمْ اللَّهُ
تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات ہی اچھا نمونہ صل ہے
کہدیکھو کہ اگر تمہیں خدا سے محبت ہے تو میری اتباع کرو خدا تم سے محبت کرے گا۔

اور تاکہ کسی بہانہ جو طبیعت کے لئے یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ وہ نقش قدم باقی نہیں جن پر ہم چل سکیں، وہ واقعات و حالات محفوظ ہی نہیں جن کو ہم اپنے لئے اسوہ و نمونہ بنا سکیں، لہٰذا امت مسلمہ کے علماء نے حیات نبوی کی باریک تفصیلات، آپ کے عہد مبارک کے صنعت و حرفت، تجارت و معیشت، عہدوں اور مناصب اور ان گونا گوں علوم و فنون اور امتیازات کو قلمبند کرنے کی پوری کوشش کی ہے، جو اسلامی اور نبوی تہذیب کے زمانہ آغاز میں سامنے آئے تھے اور یہیں کسنا پڑتا ہے کہ پچھلے انبیاء کی امتوں کی تاریخ اور کارناموں میں یہ کوشش تو جہ کہیں نہیں دکھائی دیتی، ناظرین اس کا ایک نمونہ ابو الحسن علی الغزالی (۱۰-۸۹ھ) کی کتاب "التحریج" اور اس کے تکرار صدی کے ایک نامور عالم علامہ عبدالحی الکنتانی کے قلم سے الترتیب الاداریہ کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں جو عہد نبوی کی تمام اہم معلومات اور اس زمانہ کے حالات کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔

جیسا کہ ان انبیاء کے سلسلہ میں ہوا جن کا صرف نام اور کچھ ادھوے واقعات باقی رہ گئے جو تقلید و پیروی کے لئے کافی نہیں۔

حدیث نبوی کو ہم ایک طرح کا "روزنامہ" اور اس میں ۲۳ سالہ زندگی کا بولتا ہوا مرقع کہہ سکتے ہیں، جو آپ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اس کرۂ ارضی پر گزاری، یہ محتاط ریکارڈ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کس طرح گزارتے تھے اور آپ کے روزِ شب کے معمولات کیا تھے، اسی طرح ہم اس سے اخلاقِ نبوی کی باریکیاں، عادات و رجحانات، جذبات و خیالات، قول و عمل کی وہ تفصیلات جان سکتے ہیں، جو ہم عہدِ ماضی بلکہ حال کی بھی بہت سی معاصر شخصیتوں کے متعلق بھی نہیں جان سکتے، اس کے ذریعہ کوئی بھی انسان اپنے نبی کو اس طرح جان پہچان سکتا، آپ کی صحبت سے مستفید اور آپ کے انفاسِ قدس سے فیضیاب ہو سکتا ہے کہ گویا وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہے، اور آپ کی باتیں سن رہا ہے اور آپ کے ساتھ رہ رہا ہے، یہ طریقہ، حفاظت و تعارف ان تمام خطرات اور مفسد سے پاک ہے، جو تصویر کشی اور مجسمہ سازی میں پائے جاتے ہیں، اور جن کی وہ پچھلی امتیں بری طرح شکار ہوئیں، جنہوں نے اپنے پیغمبروں اور روحانی پیشواؤں کی یاد قائم رکھنے کے لئے تصویر کشی اور مجسمہ تراشی کا سہارا لیا اور بالآخر کھلی بت پرستی میں ملوث ہو گئیں۔

ناظرین کو حدیث کی کتابوں میں سے حجۃ الوداع کا قصہ ہی اندازہ کرنے کے لئے کافی ہوگا، راویوں نے اس سفر کی وہ تمام جزئیات اور چھوٹی چھوٹی تفصیلات اور احوال و واقعات بھی نقل کئے ہیں، جن کی طرف عام طور پر توجہ بھی نہیں ہوتی اور جن کی کوئی بڑی تاریخی قدر و قیمت نہیں سمجھی جاتی اور جن کا ذکر عام طور پر مشاہیر و اکابر، بادشاہوں اور سربراہوں اور اہل فضل و کمال کے سفر ناموں میں

حدیث کے اس وافر ذخیرہ کی مدد سے ہر زمانہ اور ہر مقام کے فاضل و وسیع النظر مصنفین نے مسلمانوں کے لئے ایسی کتابیں مرتب کیں، جو ان کی پوری زندگی کے لئے مکمل دستورِ اعمال اور ہدایت نامہ کا کام دے سکیں، اسی لئے اگر آج کسی بھی طبقہ اور مشغلہ سے تعلق رکھنے والا کوئی مسلمان یہ ارادہ کرے کہ وہ ہر قدم پر ہر معاملہ میں اور زندگی کی ہر سرگرمی میں سیرتِ نبویؐ کی اتباع کرے گا تو یہ چیز اس کے لئے ممکن ہے، جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، یہ کتابیں عالم اسلام کی بیشتر زبانوں میں ہیں، اور ان کے حجم اور ان کے موضوع کا دائرہ مختلف ہے، کوئی بہت مبسوط ہے، کوئی مختصر، ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگرد رشید اور امت کے ایک ممتاز فرد علامہ ابن قیم (۶۹۱-۷۵۱ھ) کی کتاب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد امتیازی شان رکھتی ہے۔

۱۵ صحاح ستہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر احرام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگانے، پچھنا لگانے، قربانی کے جانور پر علامت (اشعار) لگانے کا تفصیل سے ذکر ہے، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جانور کے جسم کے کس حصہ پر یہ عمل کیا گیا، اور اس سفر میں کس مقام پر یہ واقعہ پیش آیا، اس طرح اس طویل سفر کی تمام منزلوں کا بالتفصیل تذکرہ ہے، حتیٰ کہ راوی نے منیٰ کی رات میں ایک سانپ کے بچہ کو نکل جانے اور زد پر نہ آنے کے معمولی واقعہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا، اس سفر میں آپ نے جن لوگوں کو اپنا رفیق بنایا (یعنی سواری پر پیچھے بیٹھا لیا) ان کا نام بنام تذکرہ ہے، یہی نہیں بلکہ ساری عمر میں جن لوگوں کو یہ شرف حاصل ہوا، ان کے نام بھی سیرت میں محفوظ ہیں۔

۱۶ اس کتاب کے ہندوستان اور مصر میں کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، ہمارے سامنے مطبعہ مبینہ مصر کا ۱۳۲۵ھ کا ایڈیشن ہے جو دو ضخیم جلدوں میں اور بڑے سائز اور باریک ٹائپ کے ۹۲۶ صفحات پر (باقی صفحہ ۲۱۳ پر)

سیرت نبوی اور انبیاء سابقین کے تذکروں کا تقابلی مطالعہ

خدا کی مصلحت و حکمت، سیرت نبوی کی وضاحت و ہدایت اور اتباع کرنے والوں کے لئے سہل الحصول اور آسان ہونے سے آشکار ہوتی ہے، جب انسان اس سیرت اور دوسرے انبیاء کی سیرتوں کا تقابل اور موازنہ کرتا ہے تو اسے وہ سیرتیں جہل و تغافل، تابیغ کے فونی حوادث کی تاریکیوں میں گم نظر آتی ہیں، اور یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انھوں نے خاص زمانہ میں ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور شعل راہ کا کام کیا، لیکن ہمیشہ ان کے محفوظ رہنے اور قیامت تک کی نسلوں تک بے کم و کاست پہنچنے کی عمل کوئی ضرورت نہ تھی۔

اس کے لئے ہمیں حضرت مسیحؑ کی سیرت کا مطالعہ ہی کافی ہے، حضرت مسیحؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آخری نبی ہیں، اور ان کی حلقہ بگوش ایک ایسی امت ہے جس کا علمی و تصنیفی شغف تمام دنیا پر روشن ہے، اس کی محبت و عقیدت اپنے پیغمبر سے غلو و مبالغہ کی حد تک پہنچ گئی ہے، اور اس نے ان کو بشریت کے دائرہ سے نکال کر الوہیت کے دائرہ میں داخل کر دیا ہے، لیکن وہ بھی دنیا کے سامنے اپنے نبی کے صرف ایسے مختصر اور ادھورے معلومات ہی پیش کر سکی، جو کسی طرح ایک مکمل انسانی زندگی کی تصویر نہیں بناتے جسے انسان اپنی نجی زندگی میں سامنے رکھے، یا جس کی روشنی میں کوئی صالح معاشرہ وجود میں آسکے، ابھی کچھ دنوں پہلے تک مسیحی دنیا کا خیال تھا کہ ”عہد جدید“ یعنی ”نہیل سیرت مسیحؑ“ (باقی ص ۲۱۴ کا) مشتمل ہے، یہ کتاب سیرت، حدیث اور فقہ کے ایک چھوٹے کتاب خانہ کی حیثیت رکھتی ہے اور

ہر زمانہ کے علماء کے نزدیک مقبول و پسندیدہ رہی ہے۔

کے آخری تین سالوں کے واقعات پر مشتمل ہے، لیکن اب محققین اور اس موضوع کے ماہرین اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کے پچاس دنوں سے زیادہ کے واقعات و معلومات کا مواد نہیں ملے۔

دوسرے انبیاء اور پہلے مذاہب کے رہنماؤں کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے واقعات اور نقوش حیات ماضی کے طبع کے نیچے دفن ہو گئے ہیں، اور ان کی وہ اہم کڑیاں (جن کے بغیر تاریخ مکمل ہی نہیں ہو سکتی) اور جن کے بغیر اتباع و اقتدار کا کوئی قدم ہی نہیں اٹھایا جاسکتا) اس طرح گم ہیں کہ اب انھیں پانا ناممکن نہیں ہے، اور یہ بات حکمت الہیہ کے عین مطابق اور نظام عالم کے قوانین کے بالکل موافق بھی معلوم ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی کرداروں کی جو نمونہ و مثال اور اسٹیٹیل کا کام دیں، ایک محدود عمر ہوتی ہے، جس کے ختم ہو جانے پر ان اقدار کو نسل پس نسل منتقل کرنے کی کوئی فادیت نہیں رہ جاتی، لیکن جب ان کی ضرورت باقی اور دائمی ہوتی ہے تو وہ زمان و مکان کے انقلابات کے باوجود باقی رہتی ہیں، ان کا تسلسل قائم رہتا اور وہ سدا بہار و زندہ جاوید بن جاتی ہیں، جن کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔

لے فاضل پادری ڈاکٹر چارلس انڈرسن اسکاٹ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۱) چودھواں ایڈیشن میں اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:-

”یسوع کی سیرت لکھنے کی کوشش ہی سے صاف صاف دستبردار ہو جانا چاہیے،“

اس کے لئے سامان ہی موجود نہیں ہے یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ حقیقی ایام زندگی کے متعلق کچھ

”معلومات“ موجود ہیں، ان کی تعداد پچاس سے زیادہ نہیں ہے (ترجمہ از صدق جدید جلد ۱ ص ۲۷)

۲۷ تفصیل کے لئے مولانا سید سلیمان ندوی کی گرافڈر کتاب ”خطبات مدراس“ کا دوسرا تیسرا اور چوتھا

خطبہ ملاحظہ ہو:-

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کا مضبوط دائمی رشتہ

جو شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ ہدایات و تعلیمات اور آداب و احکام پڑھے گا جن کا سورۃ الاحزاب، الحجرات، التحریم، المجادلہ میں ذکر ہے اور ان انعامات الہیہ و امتیازات و معاملہ خصوصی کا تذکرہ دیکھے گا جن کی طرف سورۃ الفتح، الضحیٰ، الانشراح میں اشارات آئے ہیں تو اس کی عقل اور اس کا ذوق سلیم اس کی شہادت دے گا کہ یہ صفات اس پیغمبر کی ہیں، ہوتا تمام نسلوں اور زمانوں کے لئے مبعوث ہوا ہے اور جس کے آفتابِ اقبال کو کبھی گہن نہیں لگتا اور جس کے عروج کا ستارہ کبھی ڈوبتا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب کسی بھی نبی کی بعثت (خواہ وہ کوئی جدید شریعت لے کر نہ آئے) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں، خدا کی زبان سے اس عطر آگین تذکرے اور مشک بیز مدح و ثنا کے منافی ٹھہرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی نبی کریمؐ سے امت کے مضبوط، ابدی اور دائمی رشتہ کو کمزور کرتی ہے آپ کی تعلیمات و اسوہ حسنہ آپ کے اصحاب و اہل بیت آپ کے مولود و منشا (کہ مدینہ اور سرزمین عرب) کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کو نقصان پہنچاتی اور اسکو متاثر کرتی ہے، اس لئے کہ جو نبی بھی آپ کے بعد مبعوث ہوتا اس کا امت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان (دانستہ و نادانستہ) حائل ہو جانا، اور شعوری و لاشعوری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے امت کے رشتہ اور تعلق کو کمزور بنادینا ضروری تھا، ایسا ہونا قانون قدرت اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ کہ ۱۔

۱۔ جیسے کہ حقیقہ امامت فرقا امامیہ کے غالی افراد کے اس جذباتی لگاؤ، جوش و خروش اور اس والہانہ تعلق کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا، جو ایک امتی کا اصلاً اپنے نبی کے ساتھ ہونا چاہئے، ان غالی پیر پنتوں (باقی صفحہ ۲۱۶)

ما جعل الله لرجل من قلوبی فی جوفه الشرنے کی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔
 اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل اور نفسیات انسانی کا رمز آشنا،
 جس کی تاریخ ادیان و ملل پر گہری نظر ہے، یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ کسی امت میں نئے نبی کی
 بعثت پہلے نبی کے ساتھ امت کے تعلق اور محبت سے متصادم اور مزاحم نہیں ہوگی اور اس کا
 وہ تعلق کمزور نہیں پڑے گا، جو نبی اول کے وطن و قوم، رفقاء و اصحاب، اہل بیت و متعلقین،
 زبان و تہذیب، اور سوانح و تاریخ سے قائم تھا، یہ ٹکراؤ لازمی اور ان قوانین قدرت میں سے
 ہے جو کبھی نہیں بدلتے۔

قرآن و حدیث کا صریح مطالبہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی ذات گرامی امتی کو دنیا
 و مافیہا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز و محبوب ہو، اور وہ اس کو اپنی ذات اور متعلقین پر کھلی
 ترجیح دے۔

حدیث صحیح میں آتا ہے۔

لایؤمن احدکم حتی اکون احب
 الیہ من والدہ و ولدہ والناس
 اجمعین
 تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا
 جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کے
 لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب
 نہ ہو جاؤں۔

(باقی صفحہ ۲۱۵ کا) اور جہلاء کا معاملہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں جنہوں نے خاص ذہنی تربیت کے اثر
 سے بعض اولیاء امت باخصوص سیدنا عبدالقادر جیلانی کو شریک فی النبوة اور بعض حالات میں شریک
 فی الالوہیت بنا دیا ہے، اور جن کی ساری عقیدت و محبت سمٹ کر انھیں کی ذات اور سیرت و واقعات
 میں آگئی ہے۔ لہٰذا روایت شیخین و نسائی، بعض روایتوں میں "من نفسه" بھی ہے (طبرانی معجم کبیر و اوسط)

اور قرآن کہتا ہے:-

الَّذِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَلْفِهِمْ
وَأَزْوَاجَهُمْ أَهْلَهُمْ

پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

لیکن ایک نئے نبی پر ایمان لانے کے بعد محبت و تعلق کی یہ وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور اس محبوب ترین شخصیت کے رقیب و سہم قدر تا پیدا ہو جاتے ہیں یہ فطرت انسانی کا عین تقاضا ہے اور فطرت انسانی ہمیشہ سے ایک ہی چلی آ رہی ہے۔

بعثت محمدی کے وہ خصائص جو نبوت کے متحمل نہیں

قرآنی اسالیب میں سے ایک اسلوب بیان وہ بھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر رسالت اور آپ کی شریعت کے تعارف میں استعمال ہوا ہے، یہ بلند آہنگ علاناتِ تصریحات ثابت کرتی ہیں کہ نبوتوں اور آسمانی رسالتوں کا سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوگا چنانچہ قرآن مجید نے واضح عربی زبان میں جس میں کوئی پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں، یہ کہا کر دین اپنے کمال انسانی ضروریات کی تکمیل اور بقائے دوام کی اہلیت و صلاحیت کی ارتقائی منزل پر پہنچ گیا چنانچہ ارشاد ہوا۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ
دِينًا

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں، اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت عرفہ کے دن حجۃ الوداع کے موقع پر سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جس کے بعد

جیسا کہ اکثر احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے، علت و حرمت کا کوئی حکم نہیں نازل ہوا اور اس دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ۸۱ دن اس دنیا میں رہے اور اکابر صحابہ جو اس دین کے اسرار کو سب سے بہتر سمجھتے اور مقاصد شریعت کے جاننے والے اور حضور و رسل کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ محبت کرنے والے اور آپ کی زندگی کے آرزو مند تھے، اور جن کے سرخیل حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے، وہ اس آیت سے آنحضرت کے وقت مفارقت کے قرب اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت آجانے کو بھانپ گئے تھے، اس لئے کہ آپ اللہ کا پیغام پہنچا چکے، دین پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا، اور اللہ کی نعمت اس کے بندوں پر تمام ہو چکی تھی، چنانچہ ان میں سے بعض حضرات رونے لگے اور بعض لوگوں نے قیامت کی اس گھڑی کے قریب آجانے کی خبر دی، اور بعض ذکی و فہیم علماء یہود نے (جن کی تاریخ و مذاہب پر نظر تھی) یہ کہا کہ یہ آیت ایک امتیازی اعزاز ہے جس سے مسلمان سرفراز کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس دین کے لئے وہ فخر ہے جس میں کوئی دوسرا دین شریک نہیں، اور انھوں نے بیخیال ظاہر کیا کہ جس دن میں یہ آیت انزی ہے اسے یادگار دن بنا دینا چاہئے آنے والے زمانوں میں بھی اس کا جشن منانا اور مسلمانوں کو اس دن اپنی مسرت و تشکر کا اظہار کرنا چاہئے۔

نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جن پر یہ آیت انزی تھی، یہی سمجھا، چنانچہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں (جسے ایک لاکھ انسان کان لگائے سن رہے اور یاد کر رہے تھے) فرمایا:

ایہا الناس! انہ لا نبی بعدی، ولا ائمۃ
 بعدکم، لا فاعبدوا ربکم واصلوا خمتکم
 اے لوگو! نہ میرے بعد کوئی نبی بعثت ہونے والا
 ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت آنے والی ہے

لے حدیث و سیرت اور تفسیر کتابیں ملاحظہ ہوں۔ لے لفظ ہو صحیح بخاری کتاب التفسیر اور صحیح مسلم جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد اور تفسیر ابن کثیر۔

وصوموا شهرکم، وادوا زکوٰۃ أموالکم
 طیبۃ بہا انفسکم، واطیعوا ولایۃ
 امرکم تدخلوا جنۃ ربکم ۱
 خوب سن لو کہ اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچواں
 پڑھنا، ایک ماہ کے روزے رکھنا، اور خوشی سے
 اپنے مال کی زکوٰۃ دینا اور اپنے حاکموں کی اطاعت
 کرنا، ایسا کر کے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے
 اسی طرح قرآن نے اس کی صراحت کی کہ اس دین کے لئے بقائے دوام، غلبہ و اقتدار
 اور شہرت و مقبولیت طے کر دی گئی ہے، وہ عزت و حرمت کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ کر اور
 اس کا کلمہ بلند ہو کر رہے گا، اس کی روشنی ضرور پھیلے گی اور اس کی صداقت یقیناً عالم انکشاف
 ہو کر رہے گی ارشاد ہوا:۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ
 وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
 كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۚ ۱
 وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کا کتاب)
 اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر
 غالب کرے، اور حق ظاہر کرنے کے لئے خدا ہی
 کافی ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ
 وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
 كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۲
 وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین
 حق دے کر بھیجا، تاکہ اس (دین) کو (دنیا
 کے) تمام دینوں پر غالب کرے، اگرچہ کافر
 ناخوش ہی ہوں۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ
 یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو

۱۔ ابن جریر، تہذیب الآثار، اس کی ابن عباس نے تخریج کی ہے (کنز العمال ۵/۲۹۵ طبع حلب)

روکتے اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو ان کے قومی دائرے ہی تک محدود رکھتے ہیں، اس کا طبعی اور فطری نتیجہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل اور دوسری قوموں کے درمیان تفریق کریں اور خیر و شر انکی ویدی کے مختلف پیمانے بنائیں جو نسلوں اور خاندانوں کے اختلاف سے بدلتے رہیں۔

تو مسلم فاضل خاتون حریم جمیلہ (MARGARET MAREUS) جو پہلے یہودیہ تھیں، اپنی کتاب 'اسلام اور اہل کتاب' ماضی و حال' میں کہتی ہیں، "علمائے ایسا نہیں کہ یہود دوسروں کو اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہوں، وہ دوسروں کو اپنے دین میں آنے پر خوش آمدید نہیں کہتے، ان کی طویل تاریخ میں دو مثالوں کے علاوہ مجھے کوئی مثال معلوم نہیں، جب غیر یہودی بڑی تعداد میں یہودی ہوئے ہوں، ایسا ایک بار مین میں بعثت محمدی سے چند صدی پہلے ہوا تھا، اور دوسرے موقع پر تانازاری الاصل مملکت خزر میں غیر یہودی ایک بڑی تعداد یہودی ہوئی تھی، جو روس میں کچھ عرصہ رہی۔"

عہد عتیق کا اسلوب اور جو روح اس کی سطر سطر میں کارفرما ہے اس حقیقت کی واضح طور پر نقاب کشائی کرتی ہے، اور اس کتاب کے پڑھنے والے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہود کا 'شاہنامہ' یہود کی کتاب المناقب یا مخصوص کتاب الانساب پڑھ رہا ہے، اس میں روحانی و اخلاقی تعلیمات، مکام اخلاق کی ترغیب، مساوات انسانی، اور احترام آدمیت کا تصور، زہد و تہذیب نفس، دنیا کے مقابل دین اور جنت کی لذتوں کی کوئی ترغیب اور دوزخ کے عذاب کے لئے کوئی تحذیر و ترہیب اور ڈراوا نہیں ملتا، جس سے نفس کا تزکیہ

لے تو ریت کے ان احکام و بیانات اور ہدایات و اشارات کی تفصیل دیکھنی ہو، تو قاضی محمد سلیمان صاحب مملتان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کی مقبول کتاب 'رحمۃ العالمین' کی جلد دوم میں خصوصیت نمبر ۲۲ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

قلب میں رقت اور گداز پیدا ہو، اور غیر اسرائیلی قاری کے اندر اپنی شرافت و مسکونیت کا کوئی شعور بیدار ہو، یہ کتاب اپنے تمام قصوں، حکایتوں اور احکام سمیت یہودیہ کے گرد گھومتی ہے، جنہیں ان کا دین اور ان کی کتاب، خدا کی برگزیدہ قوم، قرار دیتی ہے۔

اسی طرح حضرت مسیح کی دعوت بھی بنی اسرائیل کے لئے خاص تھی، انہوں نے اس کی خود مہراحت کی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کی کھوئی بھڑوں کے لئے آئے ہیں، انہوں نے اپنے شاگردوں سے صفائی سے کہا کہ:-

”میں اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔^۱
اور جب ان کی توجہ ان مصلیوں کی مسیحائی کی طرف منعطف کی گئی، جو بنی اسرائیل سے نسل و نسب کا تعلق نہیں رکھتے تھے، تو انہوں نے معذرت کر دی اور فرمایا:-
”راکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔“

ان کی رسالت ان کے زمانہ ان کے علاقہ اور انہیں کے آدمیوں تک موقوف و محدود رہی، انہوں نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لئے بھیجا تو ان کو حکم دے کر کہا:-
”غیر قوموں کی طرف نہ جانا، اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھڑوں کے پاس جانا۔“^۲

دوسرے مشرقی اہل ایشیائی مذاہب جیسے ہندومت وغیرہ کا معاملہ اور بھی حیرت انگیز ہے، جن کے یہاں غیر آریوں اور غیر برہمنوں کو نجس اور پلید سمجھا جاتا تھا، انہیں جانوروں کا درجہ دیا جاتا اور کبھی ان کے ساتھ کتوں کا معاملہ کیا جاتا تھا۔^۳

۱۔ نمل متی باب ۱۵: آیت ۲۴ ۲۵۔ ۲۶ ایضاً باب ۱: آیت ۶۔ ۷ تفصیل کے لئے مصنف کا کتاب ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“ کے باب اول کے مضامین طبع واریت ۱۲۷ پر قسمت شود ۶۵ دیکھے جائیں جس میں تفصیل کے ساتھ منشا سر کے احکام و ہدایات پیش کی گئی ہیں۔

اس لئے خدا کی رحمت و حکمت کا تقاضا تھا کہ کوئی نیا نبی آئے جو نئی تعلیمات اور شریعت و قانون میں نئی اصلاحات کا حامل ہو، جو بدلے ہوئے زمانے اور حالات کے تقاضوں کو پورا کر سکے اس لئے کہ ادیان سابقہ میں کبھی تو عیش پسندن آسان امرا و حکام کی خاطر شریعت میں ایسا لوچ اور ڈھیل پیدا کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے مذہب رخصتوں کا مجموعہ اور ہوا و ہوس کی تسکین کا سامان بن گیا تھا کبھی تشدد پسند طبیعتوں اور غالی عابدوں اور زاہدوں کی سخت گیری اور دقت پسندی کی وجہ سے مذہب ایک ناقابل عمل ضابطہ زندگی اور ایک ظالمانہ شکنجہ بن کر رہ گیا تھا جس کی موجودگی میں زندگی کی جائز لذتوں اور آزادیوں سے بھی متمتع ہونے کا موقع باقی نہیں رہا تھا، اسی بنا پر وقتاً فوقتاً اس صورت حال کی اصلاح کے لئے انبیاء کو مبعوث و مامور کیا گیا، چنانچہ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ
وَلِأَهْلِ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي هُرِّمَ عَلَيْكُمْ
وَمِنْكُمْ بَابِيتٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَانْقُوا لِلَّهِ
وَاطِيعُونَ لَهُ

اور مجھ سے پہلے جو تورات (ناناں ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لئے بھی (آیا ہوں کہ) بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لئے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، تم خدا سے ڈرو اور میرا کماناؤ۔

قرآن نے نبوت جدیدہ کے ان دو اسباب کے خاتمہ کا اعلان کر دیا، اس نے ایک طرف اعلان کیا کہ رسالت مجددی ایک آفاقی اور عالمگیر پیغام اور دعوت ہے جس کے فیض سے نہ کوئی قوم و ملت محروم ہے اور نہ اس کے خطاب سے کوئی طبقہ یا جماعت مستثنیٰ ہے۔

ارشاد ہے:-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ
إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ

(اے محمد) کہدو کہ کو ایس تم سب کی طرف خدا
کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں، (وہ) جو
آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی
معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا، اور وہی موت
دیتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ
بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ

اور (اے محمد) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری
سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر
لوگ نہیں جانتے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

اور (اے محمد) ہم نے تم کو تمام جہاں کے لئے
رحمت ہی (بنا کر) بھیجا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى
عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

وہ (خدا) عزوجل بہت ہی بابرکت ہے،
جس نے اپنے بندہ پر قرآن نازل فرمایا، تاکہ
اہل عالم کے لئے ڈرانے والا ہو۔

إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام سب کا حق اور تمام اقوام و ملل، تمام قومیتوں اور
نسلوں، تمام خاندانوں اور خاندانوں، تمام ملکوں اور خطوں کی دولت مشترکہ اور اجتماعی میراث

لے الاغات ۱۵۸ ۵۵ بابا ۲۸ ۵۵ الانبیاء ۱۰۷ ۵۵ الفرقان ۱

۵۵ ص ۸۷، اس معنی میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

ہے اس میں یہودی، ہندو برہمنوں جیسی کوئی درجہ بندی نہیں، اس میں کوئی قوم دوسری قوم سے کوئی نسل دوسری نسل سے ممتاز و برتر نہیں، اس میں رنگ و نسل کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ یہاں شمار ذوق و شوق حسن قبول و طلب، قدردانی اور احسان شناسی، جہاد و اجتہاد اور دین و تقویٰ میں مسابقت و مقابلہ کا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
أَتْقَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار رہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا

(اور) سب سے خبردار ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے موقع پر اعلان فرما دیا:-

النَّاسُ بَنُوا أَدَمَ وَآدَمَ خَلِقَ
مِنْ تَرَابٍ، لَا فَضْلَ لِعَرَبٍ عَلَىٰ عَجِي
لَا بِالْتَقْوَىٰ ۝

سب لوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے، کسی عرب کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی سند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ

آپ نے فرمایا:-

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ بِالتَّوْبَةِ لَنَالَهُ الْإِنْسَانُ
اگر علم توبہ کا لوگوں کے پاس ہو تو اسے ایران کے کچھ لوگ

من ابناء فارس^۱۔
پالیں گے۔

دوسری طرف اس دین کے سہل و مطابق فطرت و قابل عمل ہونے کا جا بجا اعلان کیا گیا ہے:-

يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ
الْعُسْرَ^۲ خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، اور سختی
نہیں چاہتا۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمُ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ^۳ تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔

پچھلی امتوں اور ملتوں میں جو غایبانہ اور تشددانہ قوانین وضع کر لئے گئے تھے، اور
انتہا پسند زاہدوں، عابدوں اور محدو علم رکھنے والے قانون سازوں نے زندگی کا دائرہ
تنگ کر دیا تھا، اس کو آخری نبوت و شریعت نے ختم کر دیا، اور ان قوموں کو اس مصیبت
سے نجات دی، قرآن مجید میں اس نبی کی تعریف میں کہا گیا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا
وَيْحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَمُحَرَّمٌ عَلَيْهِمْ
الْمُنكَرَاتُ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ
وَالْأَثْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ^۴ وہ انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں، اور برے کام
سے روکتے ہیں، اور پاک چیزوں کو ان کے لئے
حلال کرتے ہیں، اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام
ٹھہراتے ہیں، اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو

ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔

۱۔ مسند احمد ۲/۲۹۶ فتح الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی شہور کتاب "الجواب الیٰ صمیم" میں بعثت محمدی کی

عمومیت کی قرآن و حدیث اور آثار و اخبار کی روشنی میں تفصیل کی ہے ملاحظہ ہو جلد اول

ص ۱۲۶ تا ۱۲۷ اور ص ۱۶۱ تا ۱۶۲، ۲۔ البقرہ ۱۸۵ ۳۔ الحج ۷۸

۴۔ سورۃ الاعراف ۱۵۷

قرآن مجید نے اس کی بھی وضاحت کر دی کہ اگر بڑے سے بڑے عاقل اور قانون ساز لوگ بھی بشری ضروریات اور مختلف احوال کی رعایت رکھنا چاہتے تو بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے جہاں تک اللہ کے علم محکم کی رسائی ہے، آیت میراث میں فرمایا گیا ہے۔

اَبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُفُونَ اِيْهِمْ
اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنْ اِلٰهِ
اِنَّ اِلٰهَكُمْ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں، اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدہ کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے، یہ جسے خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور خدا سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

يُرِيْدُ اِلٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ
سُنْنَ الذِّنِّ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ
عَلَيْكُمْ وَاِلٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِلٰهُ
يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ
الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهْوَاتِ اَنْ
تَمِيْلُوْا مِيْلًا عَظِيْمًا ۝ يُرِيْدُ اِلٰهُ
اَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ
ضَعِيْفًا ۝

خدا چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے، اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقہ بتائے، اور تم پر مہربانی کرے اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے، اور خدا تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے، اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستہ سے بھٹک کر دور جا گرو، خدا چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے۔

ان خصوصیات کی بناء پر اب نہ کسی ایسی نبوت و شریعت کے آنے کی ضرورت ہے

جو (ادیان سابقہ کے برخلاف) ہر زمان و مکان اور مل و اقوام کے لئے عمومی، اور نوع انسانی کے لئے ہدایت کا پیغام ہو، اور نہ ایسی نبوت و شریعت کی آمد کی ضرورت ہے جو گذشتہ مذاہب اور شریعتوں کے قوتی احکام و قوانین کو منسوخ، اور اس تشدد و غلو، مروج آزاری اور فطرت بیزاری کے رجحان کی اصلاح کرے، جس نے مذہب کو ایک شکنجہ، اور زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا، اور دنیا میں ایک سہل الفہم اور سہل العمل دین پیش کرے، جو صحیح معنی میں دین فطرت ہے، اس لئے کہ یہ دونوں خصوصیتیں خدا کے دین اسلام اور اس کی شریعت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

گذشتہ آسمانی صحیفے اور قرآن علم و تاریخ کی میزان میں

قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف و تبدیلی کا نشانہ اور تلف و تباہی کا تختہ، مشق بنتے رہے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ و بقا کی کوئی ذمہ داری خود نہیں لی تھی، بلکہ اسے ان کے علماء و حاملین کے سپرد کر دیا تھا، اس کے علاوہ بشریت اور ان کی مخاطب امتوں کو ان کی ضرورت ایک عرصہ ہی کے لئے رہی، جیسا کہ کہا گیا۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَفُورٌ
يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا
لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ
وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُعْفِظُوا مِنْ كِتَابِ
اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ

بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء و خدا کے فرمان بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے ہیں، اور مشائخ اور علماء بھی، کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان و مقرر کئے گئے تھے، اور اس پر گواہ تھے،

(یعنی حکم الہی کا یقین رکھتے تھے)

اور یہ تاریخی طور پر ثابت اور ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان امتوں اور فرقوں نے کیا ہے جن کے پاس یہ صحیفے آئے تھے، عہد عتیق کے صحیفے برابر غارت گری اور آتشزدگی کا کھلے طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں، اور خود یہودی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے مواقع پیش آئے ہیں، پہلی دفعہ جب نبوت نصر (NEBUCHADEZZAR) (۶۰۵-۵۶۲ ق م) بابل کے بادشاہ نے یہودیوں پر ۴۰ سالہ ق م میں حملہ کیا اور بیت المقدس کو آگ لگا دی، جس میں حضرت سلیمان نے تورات کی تختیاں اور آل موسیٰ و آل ہارون کے تبرکات محفوظ کر دیئے تھے، اور جو یہودی قتل سے بچ گئے انھیں وہ قید کر کے بابل لے گیا، جہاں وہ پچاس سال تک رہے، اور عزرائیلی نے پانچ پہلے صحیفوں کو جو "تورہ" کہلاتے ہیں، اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور واقعات کو تاریخی اسلوب میں لکھا، پھر نحمیا نے کتابوں کے دوسرے سلسلہ کا اضافہ کیا اور داؤد کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

دوسری بار جب انطیوخوس چہارم (ANTIOCHUS) نے جس کا لقب یقائن تھا، اور جو یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا، بیت المقدس پر ۱۶۸ ق م میں حملہ کیا اور صحیفہ مقدس کو جلا دیا اور تورات کی تلاوت اور یہودی شعائر و روایات کو حکماً روک دیا، یہود امقابلی نے مقدس صحیفوں کو پھر سے جمع اور مرتب کرنا شروع کیا، اور عہد عتیق میں صحیفوں کے تیسرے سلسلہ کا اضافہ کیا۔

تیسری بار ٹائٹس (TITUS) (۶۹-۷۰) رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ۷۰ء میں حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمان سمیت برباد کر کے اس کو ویرانے اور ملبہ میں تبدیل کر دیا اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے فتح کی یادگار کے طور پر اپنے رومی دارالحکومت لیتا گیا، اور یہود کو جلا وطن کر کے شہر کے گرد دوسروں کو بسا دیا۔

۱۷۰ء مقدس صحیفوں کی تاریخ کی کتابیں اور جیوش انسا کی کمپیوٹریزڈ ایڈیشن "ان حوادث کی طرف صحیفہ نحمیا و مقابلیں بھی اشارے کرتے ہیں

پیغمبروں کے ان صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی صحت و حفاظت اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار اور نقطہ نظر، اس معیار اور نقطہ نظر سے قطعاً مختلف ہے، جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے، مسلمان قرآن مجید کے ہر لفظ کو کلام الہی، منزل من اللہ اور اپنے زمانہ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ مانتے ہیں، یہودیوں کے نزدیک ان کتابوں میں ترمیم و کمی بیشی ان کی آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں، وہ انبیاء کو ان کا مصنف کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں، مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرز فکر اور اپنی کتب مقدسہ کے بارے میں نقطہ نظر کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے، ممتاز ترین یہودی فضلا اور ماہرین فن کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلو پیڈیا میں ہے۔

”یہودی روایات اگرچہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم انھیں کرداروں کی تصنیف ہے جو ان میں مذکور ہیں، اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے، مگر انھیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد میں ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔“

”قدیم یہودی روایات کے مطابق تو ریت کی پہلی پانچ کتابیں (آخری آٹھ آیات کو چھوڑ کر جن میں موسیٰ کی موت کا ذکر ہے) موسیٰ کی تصنیف ہیں، لیکن ان صحیفوں کے متعدد تناقض اور اختلافات کی جانب ربی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انھیں درست کرتے رہے ہیں۔“

لے جیوش انسائیکلو پیڈیا ص ۹۳

(VELLINTINES ONE VOLUME JEWISH ENCYCLOPAEDIA, LONDON, P.93)

لے ایضاً جلد ۹ ص ۵۸۹

۱۰ اسپینوزا (SPINOZA) کا کہنا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰؑ

کی نہیں عذر کی تصنیف ہیں۔

”جدید ترین تحقیق نے آخر کار یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی

پہلی پانچ کتابیں کم از کم ۲۸ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔“

جہاں تک اناجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ

”عہد عتیق سے بھی گیارہ گزرا ہے“ اس کی تدوین اور اس کے مولفین کے بارے میں بڑی

پیشیدگیاں اور دشواریاں اور شک و شبہ پایا جاتا ہے، اور ان کے اور حضرت مسیح علیہ

الصلوة والسلام کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے جس کا پائنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی

محقق اور مورخ کے امکان میں نہیں، رہ گیا ہے، یہ انجیلیں دینی کونسلوں اور مختلف زمانوں

میں برابر تغیر و تبدیلی اور اصلاح و ترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں، اس کے علاوہ وہ آسمانی کتابیں

اور وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر و سوانح اور واقعات و حکایات کی کتابیں زیادہ

معلوم ہوتی ہیں، اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس کی ان کی تاریخ و ادوار پر وسیع

اور گہری نظر ہوگی، جن سے یہ کتابیں گذرتی رہی ہیں۔

یہ انجیلیں مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجہ کے مجموعہ ہائے حدیث و سنن

کا استناد اور اعتماد و اعتبار بھی نہیں رکھتیں، چہ جائیکہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں، اس لئے کہ

۱۱ ایضاً ص ۵۹ ۱۲ ایضاً ص ۵۹ ۱۳ ماخوذ از حواشی تفسیر باجدی انگریزی۔

۱۴ اناجیل اربعہ کے مرتبین کے زمانے تعین ان کی ترتیب زمانی اور ان ماخذ اور سرچشموں کے بارے میں جن سے

ان صحیفوں کا مواد حاصل کیا گیا اختلافات معلوم کرنے کیلئے ملاحظہ ہو، پرنسپل ای او جیمس (E.O. GAMES) پروفیسر تاریخ

مذہب، لندن یونیورسٹی کی فاضلانہ کتاب تاریخ مذاہب (HISTORY OF RELIGIONS) لندن (۱۹۵۶ء)

۱۵۴۱۴۸۸

یہ کتابیں اپنے مولفین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط و دیا ندری کے ساتھ، سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو، اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (علت و شذوذ) نہ ہو، اس کے برخلاف تمام اناجیل، سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں، ان کی ان کے مولفین تک کوئی سند متصل نہیں، اور نہ ان کے مولفین سے حضرت عیسیٰؑ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں، وہ اب اس زبان میں نہیں ہیں جن میں وہ نازل ہوئے تھے اور جسے حضرت مسیح اور ان کی قوم بولتی تھی، بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آ رہے ہیں، اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں... ہم تک پہنچے ہیں اس لئے یہ درحقیقت سیرت و تاریخ کی کتابیں اور قصص و مواضع کے مجموعے ہیں، اگر انھیں احتراماً مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلادناموں سے یاد نہ کریں تو انھیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتب حدیث کا درجہ دیا جاسکتا ہے، جن میں صحت و تحقیق کا بلند معیار قائم نہیں رہا، انھیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے سے غلط ہے، اور ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ موازنہ اور مقابلہ ایک درجے کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

نوسلم فرانسیسی مستشرق موسیو اتین دینیہ (EATON DIEN) نے ان اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی و تاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ:-
 ”اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰؑ کو ان کی اور ان کی قوم کی زبان میں دی تھی وہ تو

لف تفصیلات اور حدیث کی اقسام اور ان کے شرائط کے لئے وہ کتابیں ملاحظہ ہوں، جو اصول حدیث و اقسام و مصطلحات حدیث پر لکھی گئی ہیں، اور ان کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

کوئی شک نہیں کہ ضائع ہو چکی ہے، اور اب اس کا کوئی نام و نشان بھی نہیں رہ گیا ہے، یا وہ خود تلف ہو گئیں یا عمدتاً تلف کر دی گئیں، اسی وجہ سے عیسائیوں نے اس کی جگہ چار تالیفات کو اپنالیا، جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک ہے، کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں جس کا مزاج حضرت عیسیٰؑ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، اسی لئے ان یونانی انجیلوں کا پنچا تارنے والے سے رشتہ اور رابطہ یہودی تورات اور عربوں کے قرآن سے کہیں کمزور ہے۔

بائبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی صریح تاریخی غلطیوں، واضح تضادات، اور عقلا محال چیزوں کی طرف اشارے کرتی ہیں، جیسے اس میں اللہ کی طرف ان چیزوں کا انتساب کیا گیا ہے، جو اس کے جلال و کمال کے کسی طرح شایان شان نہیں، اور نہ اس کی ان صفات ہی کے مطابق ہیں، جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں، اور جنہیں عقل سلیم تسلیم کرتی ہے، اس میں بنیاد پر ایسے اتہام و الزام ہیں جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے داخلی شواہد تورات و انجیل میں (جنہیں مجموعی طور پر بائبل (BIBLE) یا کتاب مقدس کہا جاتا ہے) الحاق و اضافہ اور تبدیلی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہ ان صحیفوں کا حال ہے، جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے

۱۷۱۳ء و ۱۳۰۵ء (م) ۱۳۰۵ء و ۱۳۰۵ء (م) کے قلم سے ہے، ملاحظہ ہو، مصنف نے کتاب مقدس کے ۱۲۲ نفی اختلافات کی نشان دہی کی ہے، اور ۱۰۸ ایسی غلطیاں شمار کی ہیں، جن کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

”انہما رآحق“ اصل عربی زبان میں ہے، ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کا ترجمہ کروایا، اور اس پر ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا، یہ کتاب کراچی سے بائبل سے قرآن تک کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو گئی ہے۔

لگائے ہوئے ہیں اور دنیا کی دو متمدن ترین قومیں (ہیودی اور عیسائی) ان کی حلقہ بگوش اور علمبردار ہیں اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو اہل کتاب کا لقب اور اتنا زدیا، باقی رہے ہندوستان کے "وید" اور ایران کی "اوستا" تو ان کا زمانہ اتنا قدیم، ان کے بارے میں تاریخی معلومات اس قدر کم، اور ان کے اصل مطالب اور حقیقی مقاصد تک پہنچنا اس قدر دشوار ہے، اور ان کے ساتھ بھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی صحت اور بھی مشکوک، ان کے زمانہ کا تعین اور بھی دشوار، اور ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے

اے بار تھ (A. BARTH) ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پیرس
(THE SOCIÉTÉ ASIATIQUE DE PARIS) اپنی کتاب "ہندوستانی مذاہب"
(THE RELIGIONS OF INDIA) میں لکھتا ہے:-

"اگر ہم کچھ احاطی مواد الگ کر دیں، جسے تنقید کے ذریعہ جدا کرنا مشکل نہیں ہے، تو پھر اس صحیفہ کی بحیثیت مجموعی صرف اصل عبارت باقی رہ جاتی ہے، جیسا کہ یہ ہے، اس کی کادجی بھی کرتا ہے، یعنی نہ تو یہ مینا بن خدا ہونے کا مدعی ہے، اور نہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی عمر ہی پوشیدہ رکھتا ہے، اس کی عبارت میں بہ کثرت اضافے اور تحریفات لگائی ہیں لیکن یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے، پھر بھی ان صحیفوں کی عمر کا تعین کرنا یا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، برہمن (BRAHMANAS) وہ جسے جو سب سے بعد میں تحریر کئے گئے ہیں، وہ ہمارے عہد کی ابتدا سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے نہیں ہیں، ویدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے، اس قدر قدیم کہ متعین طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں

کہا جاسکتا، اور اس کی قدیم ترین تحریروں کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے۔
خود ممتاز ہندو فضلا اور ہندوستانی ماہرین فن و محققین ان صحیفوں کے متعلق کیا
رائے رکھتے ہیں، اور ان کی بے لاگ تحقیق اور فکر و نظر نے ان کو کس نتیجے تک پہنچایا ہے اس کا
اندازہ ذیل کے دو اقتباسات سے ہوگا۔

مشہور فاضل سریش چندر چکرورتی (SURESH CHANDRA CHAKRAVARTI)
لیکچرر کلکتہ یونیورسٹی اپنی کتاب (PHILOSOPHY OF THE UPANISHADS) میں
لکھتے ہیں:۔

”اس سلسلہ میں دو مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک کی
نمائندگی بال گنگا دھرتلک کرتے ہیں اور دوسرے کی کس ملر (MAX MULLER)
تک کا خیال ہے کہ ویدوں کے مناجات ۲۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے
جبکہ کس ملر (MAX MULLER) رگ وید کو ۲۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ
قدیم نہیں سمجھتا حالانکہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریائی فکر و خیال کی قدیم ترین
دستاویز ہے..... رگ وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتماد کے ساتھ
کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ رگ وید کے مناجات ایک مجموعہ میں منضبط کر دیئے گئے
ہیں، لیکن اس کے مختلف حصے ایک ہی زمانے میں تحریر نہیں کئے گئے تھے اور
اس لئے ان کی تاریخ تحریر کا تعین کر کے رگ وید کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا
جاسکتا، یہ ماننا پڑے گا کہ رگ وید کے اول سے آخر تک تمام مناجات
کئی صدیوں میں تصنیف کئے گئے تھے۔“

ویدوں کے بنیادی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے نامور ہندوستانی عالم ڈاکٹر
 رادھا کرشنن (ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ) اپنی مشہور کتاب "انڈین فلاسفی"
 (INDIAN PHILOSOPHY) جلد دوم میں لکھتے ہیں:-

"ویدوں کا پیش کردہ مجموعی فکری تصور تو معین ہے اور نہ واضح اور

اس وجہ سے مختلف مکاتب فکر اسے مختلف طریقوں سے استعمال کر سکتے ہیں،

علاوہ ازیں، ویدوں کی وسعت میں بذات خود اس امر کی پوری گنجائش موجود

ہے کہ مصنفین پوری آزادی کے ساتھ اپنے اعتقاد کے مطابق اس سے اپنے

حسب منشا سند اخذ کر سکتے ہیں۔" www.KitaboSunnat.com

رہا ایران قدیم کا مذہبی صحیفہ (اوستا) جس کو پارسی مقدس آسمانی کتاب مانتے

ہیں تو اس کے متعلق ایک ایسے مغربی فاضل کی شہادت پیش کی جاتی ہے جس کے مطالعہ کا

یہ خاص موضوع رہا ہے۔

رابرٹ ایچ پفالف (ROBERT H. PFEIFFER) (سابق) صدر شعبہ

سامی لسانیات (DEPARTMENT OF SEMITIC LANGUAGES) ہارڈورڈ

یونیورسٹی این انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن (AN ENCYCLOPEDIA OF RELIGION)

میں لکھتے ہیں:-

"اہل اوستا (ملاحظہ روایات) تمام علوم کا مجموعہ تھا، اس کا زیادہ حصہ سکندر نے

برباد کر دیا اور پھر کچھ اجزاء سے ۲۱ حصوں یا ناسک (NASK) پر مشتمل ایک کتاب

تیسری صدی عیسوی میں ترتیب دی گئی، لیکن اس میں سے کل ایک جز یا ناسک (NASK)

جس کا نام ویندیداد (VENDIDAD) ہے پوری طرح باقی بچا ہے، نویں صدی عیسوی کے بعد صرف عبادات سے متعلق کچھ حصہ ہندوستان لے جایا گیا، اور وہاں پانچ حصوں میں پایا جاتا ہے، جن کے نام 'یا سنا' (YASNA) بشمول گاتھا (GATHA) ویسپرد

(VESPERED) ویندید (VENDID) اور نورداوتا (KHORDA AVASTA) ہیں۔

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری کتاب اور سب کا مصدق و نگران ہے، اور جس پر انسانیت کی ہدایت، مخلوق کا خالق سے رابطہ اور بعثت محمدی سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے، تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے، اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی، کمی اور زیادتی سے دور رکھنے کا ذمہ لیا اور فرمایا ہے۔

وَإِنَّا لَكُنَّا بِعَزِيزِهِ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ
تَنْزِيلٍ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ
(اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے، اس پر جھوٹ کا
دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور) دانا
(اور) خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔)

اسی طرح سے مسخ ہونے اور کسی ہرزہ کاری کا نشانہ بننے، حافظہ سے نکل جانے اور سینوں سے محو ہو جانے یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جانے سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے، جیسا کہ توراۃ کے بارے میں بارہا پیش آیا، اسی لئے فرمایا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ
لَكَا فِظُونَ
بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری
ہے، اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس وعدہ حفاظت میں قرآن کے حفظ و بقا، اشاعت و فروغ و تلاوت کے جانے، پڑھے اور سمجھے جانے، متروک و ازکار رفتہ، و ناقابل عمل، ناقابل فہم اور نقش طاق نسیان ہو جانے کی پوری نفی موجود ہے، اس لئے کہ عربی کا بلیغ لفظ "حفظ" بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس کی اصلیت اور اس کے تمام لوازمات کے ساتھ (جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) باقی رکھنے کا فیصلہ کر لیا، تو اس کے لئے اللہ نے نفوس بشری، فطری اور خارجی اسباب، اور حوادث عالم کو اس مقصد جلیل کی تکمیل میں لگا دیا، چنانچہ جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت زبان نبوت سے نکلتی اور کانوں میں اس کی آواز پڑتی، مسلمان اسے حرز جان بنانے اور دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ کرنے کے لئے پروانہ وار کرتے، اس مابقت میں اس فطری محبت کو بھی دخل تھا، جو قرآن کی طرف سے ان کے دلوں میں رکھی گئی تھی، اور خود قرآن کے اعجاز و بلاغت اور اس کے الفاظ و تلفظ کی ترمی و تلاوت کے علاوہ حفاظ و حاملین قرآن کے فضائل کی آیات و متواتر احادیث کو بھی دخل تھا، اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن سے نماز و عبادت، قانون و احکام، تمدن و معاشرت اور علم و ادب کے مختلف پہلوؤں کے ذریعہ متعلق کر دیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن سے مسلمانوں کا قلبی تعلق، عشق و وارفتگی کی حد کو پہنچ گیا، اور آغاز اسلام ہی سے ان میں حفاظ کی حیرت انگیز کثرت ہو گئی، چنانچہ واقعہ بیرعونہ میں جو ۳۰۰ میں پیش آیا، مسلمانوں میں سے ایسے ستر آدمی شہید ہوئے جو قاری یعنی حافظ و حامل کلمات تھے

لے مثال کے طور پر ملاحظہ ہو فضائل قرآن، از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ
۱۰۰ البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۰۰ بیرعونہ کی حدیث، حدیث مشہور ہے جسے بخاری و مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے

اور اسی طرح حفاظ کی تعداد، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے تناسب اور حفظ کی رغبت کے سبب بڑھتی ہی رہی ہے اور تعجب خیز سلسلہ ہر چھوٹے بڑے شہر اور مسلم معاشرے میں جاری ہے، مسلمان قرآن کو ایک سینہ سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف منتقل کرتے رہتے ہیں، اور وہ اس کے حفظ میں وہ مہارت و کمال اس کی قرأت اور صحیح پڑھنے اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے، اس کی تلاوت اور اس کے ذریعہ عبادت کا وہ شوق و شغف رکھتے ہیں کہ عام غیر مسلموں کو اس کا یقین نہیں ہوگا، البتہ وہ غیر مسلم جو کسی اسلامی ماحول میں رہتے، اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں حد شمار سے باہر رہی ہے، اور اس زمانہ میں تو ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار لوگوں کو اس طرف الہامی طور پر متوجہ کیا تھا، جنگ یا مہم میں جب کثرت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے، تو انھیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت سے قرآن کی بقا کو (اگر اس کا دار و مدار حافظہ پر ہی رہا) خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوا، جو صحابہ میں مسلمانوں کی مصلحت و ضرورت کو سمجھنے میں اولیت رکھتے تھے، اور جن کے دل کی آواز اکثر مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہوتی تھی، چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جو خلیفہ وقت تھے، قرآن کو جمع اور قید تحریر میں لانے کی تجویز رکھی جو اس وقت تک چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھانوں اور سنگ سفید کی پتھر کی تختیوں پر لکھا ہوا، اور لوگوں کے لئے عربی میں مخاف کا لفظ آتا ہے، جو مخفہ کی جمع ہے، اور سفید و تیلے پتھروں کے معنی میں ہے، دوسرا لفظ عصب آتا ہے، جو عصب کی جمع ہے، یہ کھجور کی وہ شاخ ہوتی ہے جس پر پتیاں نہیں آئیں۔

کے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع و مکمل اتفاق رہا ہے اور اب تو قرآن تحریر اور حسب مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے علماء و حفاظ کی کثرت، اور لوگوں کے درمیان اشاعت اور کثرت طبع کے سبب بالکل محفوظ ہو گیا ہے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ:-

”قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے“

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے جسے بذریعہ وحی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہو، وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں، چنانچہ ہم یہاں کچھ مسیحی محققین کے اقوال درج کرتے ہیں، سرولیم میور جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے تصدیق کے لئے مشہور ہیں، جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو ان کی کتاب ”اللف آف محمد“ کے جواب میں ”خطبات احمدیہ“ لکھنی پڑی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں:-

”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے ربع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیال پیدا ہو گئیں، جن کے نتیجے میں حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے، اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں، لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے، ہر زمانہ میں تو اتر کے ساتھ ان سبھی فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی صحیفہ ہے، جو اس بد قسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو، قرآن

میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان اعراب کی وجہ سے ہیں جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے^{۱۵}۔
 و ویری (WHERRY) اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے کہ "تمام قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص (PUREST) ہے"^{۱۶}۔
 قرآن کا معروف انگریزی مترجم پامر (PALMER) لکھتا ہے:-
 "حضرت عثمان کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلمہ صحیفہ رہا ہے"^{۱۷}۔

لین پول (LANE POOLE) لکھتا ہے:-

"قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے، ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں، کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے بغیر تبدل رہا ہے"^{۱۸}۔

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے اسلام میں کسی نئی نبوت کی ضرورت نہیں پڑی جو شک و شبہ کو ختم، حق و باطل کی تمیز اور کسی دروغ گو کے جھوٹ کا پردہ چاک کرے اور نہ کسی اور کتاب کی ضرورت واقع ہوئی جو منسوخ کتاب کی جگہ لے، جو تحریفات اور زیادتی کا نشانہ بن چکی تھیں۔

۱۵ SIR WILLIAM MUIR: LIFE OF MOHAMMED (1912) P XXXIII

۱۶ مکتبہ آیات دی قرآن ج ۱ ص ۳۲۹ COMMANTA / OF THE QURAN

۱۷ SELECTION FROM THE QURAN INTRODUCTION P 70

۱۸ THE KORAN P.C. (یہ شہادتیں اور اقتباسات مولانا عبدالمجید صاحب دریا آبادی کی انگریزی تفسیر مآخوذ ہیں)

کسی نئے نبی کی آمد سے متعلق قرآن خاموش ہے

یہ ابدی کتاب، جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی اور بذات خود حقیقت کی میزان اور لوگوں کے لئے واضح اعلان و بیان ہے، اور جس نے اصولِ دینی میں سے کسی اصل کو نظر انداز نہیں کیا ہے، اور جس پر دین و دنیا کی فلاح، اور سعادت و نجات موقوف ہے، کسی نئے نبی کی آمد کی اطلاع سے بالکل خاموش ہے، جب کہ یہ ایسا اہم معاملہ تھا کہ سکوت تو درکنار کسی گول مول اور مبہم بات کا بھی کوئی موقع نہ تھا، جو کتاب علامات قیامت کی بہت سی جزئیات اور اخیر زمانہ کے حوادث جیسے دُخان، دابہ، یا جوج و ماجوج کا ذکر کرتی ہے، وہ اس نبی کا ذکر کیوں نہ کرتی جو اس امت یا کسی امت میں مبعوث ہونے والا تھا، اور اس کے لئے عقول و اذہان کو مانوس اور آمادہ کرنے کی کوشش کیوں نہ کرتی (جو ہر نئی چیز سے بھاگتے اور بدکتے اور فرارِ نفس و ذمہ داریوں سے پھینچا چھڑاتے ہیں) تاکہ وہ اسے خوش آمدید کہیں اس کی دعوت قبول کریں، اور اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں، اس کے علاوہ قرآن و سنت کا دنیا و آخرت کے نفع کی طرف انتہائی توجہ و اہتمام کرنا اور نقصان رساں اور اثر کے غضب کو بلانے والی چیزوں سے سختی سے روکنا اور اس کی شدید خواہش کہ مسلمان راہِ راست پر ہیں، اور اپنے دین کو پیش آنے والے چیلنج (جو عقیدہ کو فاسد اور ان کے ایمان کو غارت لے) یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا آيَةُ الْيَوْمِ (الدخان ۱۰) اَمَّا وَاقِعَ الْقَوْلِ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ (النمل ۸۲)

۳۳ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَاجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ (الانبیاء ۹۶)

کرے) مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہیں، چنانچہ مسیح دجال کے بارے میں روایتوں اور اس آزمائش کے بیان سے احادیث کے مجموعے بھرے ہوئے ہیں تو کیا خدا کے عزوجل کی نازل کردہ کتاب اور اس نبی سے جس کے بارہ میں قرآن کہتا ہے کہ:-

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ۱۰۰
تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے
اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں

اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے

(اور) مہربان ہیں۔

اس کی توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی امت کو تاریکی اور دھندلکے اور تباہ کن جہان و حیرت کی حالت میں چھوڑ دے اور اس بڑے حادثہ اور عظیم واقعہ (نبوت جدیدہ) کی خبر نہ دے جو ان چیزوں سے کہیں مہتمم باشند بقی، جنہیں زبان نبوت نے ذکر کیا، اور سنت کے ذخیرے جن کی تفصیلات سے پر ہیں۔

ختم نبوت کے بارے میں صریح و صحیح اور متواتر احادیث

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قرآن کے بیانات ہی پر اکتفا نہیں کیا جو اس دین کے مکمل ہونے اور آپ پر سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے بارہ میں اس طرح آئے ہیں کہ عربی سے واقف شخص کے لئے کسی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتے، جو فساد ذوق بدینیتی اور فتنہ پر بازی کا شکار نہ ہو، بلکہ آپ نے امت کے لئے اس حقیقت کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں چھوڑی، اور نہ اس سے زیادہ شرح و تفصیل کا تصور ہو سکتا ہے،

اس کے لئے آپ نے نہایت بلیغ اور دلنشین مثالیں دیں، حدیث کی کتابیں ان روایات سے (جن کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول اور آخری نبی ہیں) بھری پڑی ہیں، ہم یہاں صرف پانچ حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں، جو صحاح میں وارد ہوئی ہیں تاکہ دیکھنا رکھنے والوں کے سامنے یہ حقیقت جلوہٴ صبح کی طرح روشن ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء
كلما هلك نبي خلفه نبي واناء
لا نبي بعدى وسيكون خلفاء^{۱۲}
بنی اسرائیل کے نبی ان کے حاکم بھی ہوتے تھے
اور جب کوئی نبی وفات پاتا تو اس کی جگہ
دوسرا نبی لے لیتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں،
بلکہ میرے خلفاء ہوں گے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ان مثلی ومثل الانبياء من قبلی
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور میرے
پہلے کے انبیاء کی مثال اس شخص کی ہے، جس نے

لے محدث زمانہ مولانا نور شاہ کشمیریؒ نے اپنی کتاب ”عقیدۃ الاسلام“ میں لکھا ہے کہ ”ختم نبوت کے بارے میں دو سو حدیثیں ہیں“ (ص ۳۱۸) اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی کتاب ”ختم نبوت“ میں ایسی ۲۱۰ حدیثیں نقل کی ہیں، یہ تعداد اور بھی بڑھ سکتی ہے۔

مولانا محمود حسن خاں صاحب ٹونکی (متوفی ۱۳۶۶ھ) مصنف ”معجم المصنفین“ نے اپنی کتاب ”معیار السنۃ نختم النبوة“ میں احادیث اور علماء کی تصانیف و صوفیہ و اہل اصول کے اقوال کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، یہ کتاب اس موضوع کی ان چند بہترین کتابوں میں سے ہے، جو ہماری نظر سے گزریں۔

۱۲ صحیح بخاری کتاب المناقب باب با ذکر من نبی اسرائیل وسلم (کتاب الامارہ) مسند احمد ابن ماجہ ابن جریر اور ابن ابی شیبہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

مکمل رجل بنی بیتاً فاحسنه واجمله
 الاموضع لبسة من زلوة، فجعل
 الناس يطوفون به ويعجبون
 له ويقولون، هلا وضعت هذه
 اللبنة، فانا اللبنة وانا خاتم النبيين
 ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
 قال فضلت على الانبياء بست
 اعطيت جوامع الكلم، ونصرت
 بالرعب، واحللت لي الغنائم و
 جعلت لي الارض مسجداً وطهوراً،
 وارسلت الى الخلق كافة، وختم
 بي النبيون۔^۲

ایک خوبصورت گھر بنایا لیکن اس کے ایک
 کونے کی ایک اینٹ چھوڑ دی اور لوگ اسے
 گھوم گھوم کر دیکھتے، تعجب کرتے اور کہتے ہیں کہ
 یہاں پر یہ اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی، تو میں وہی
 اینٹ اور خاتم النبیین ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اور
 انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی
 ہے، مجھے جامع کلمے عطا ہوئے ہیں، رعب و
 ہمیت سے میری مدد کی گئی ہے، مال غنیمت
 میرے لئے حلال کیا گیا ہے، اور زمین کو میرے
 لئے عبادت گاہ اور پاک کرنے والی چیر بنایا
 گیا ہے، میں تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا ہوں
 اور مجھ پر سلسلہ انبیاء کو مکمل کر دیا گیا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 ان الرسالة والنبوة قد انقطعت
 فلا رسول بعدى ولا نبي۔^۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رسالت
 ونبوت منقطع ہو گئی تو میرے بعد نہ کوئی رسول
 ہوگا نہ کوئی نبی۔

لہ صحیح بخاری (کتاب المناقب باب خاتم النبیین) اسے مسلم احمد ترمذی ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے، الفاظ
 بخاری کے ہیں، ۲۵ مسلم ترمذی ابن ماجہ ۳۵ ترمذی نے کتاب الروایین روایت کی ہے اور صحیح حدیث
 کہا ہے، اور ابن کثیر نے کہا ہے کہ امام احمد نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

عن جبرین مطعم من النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال انا محمد
انا احمد وانا الماحی الذی یحو
اللہ بہ الکفر وانا الحاشر الذی یحشر
الناس علی عقبی وانا العاقب
الذی لیس بعدہ نبیؑ

جبرین مطعم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، اور میں محو
کرنے والا ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو
محو کرے گا اور میں حاشر ہوں کہ اللہ لوگوں کو
میرے بعد حشر کے موقع پر اٹھائے گا اور میں
عاقب (بعد والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں

صحابہ کرام اور ملت اسلامیہ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
ختم نبوت پر اجماع اور دعویٰ نبوت سے ان کی نفرت

ان واضح اور محکم آیات اور صحیح و صریح متواتر حدیثوں کے پیش نظر صحابہ کا اس
پر اجماع ہے، اور ان کا اجماع قوی ترین شرعی دلائل میں سے ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد نبوت ختم ہو گئی، اور اب کوئی نبی (نبوت کے کسی بھی مفہوم میں) آنے والا نہیں
صحابہ اس لفظ کے مفہوم کو سب سے بہتر طور پر سمجھتے تھے، اسی لئے مسلمہ کذاب کے
خلاف قتال کرنے اور اسے کافر و مرتد قرار دینے پر بلا استثناء ان کا ہر فرد متفق تھا، حالانکہ
مسلمہ بھی نبوت محمدی کا اقرار کرتا تھا، اور اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ کہتا اور کہلاتا تھا
اسی طرح قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے اس پر عمل کو فرض کہتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن
کی من مانی تفسیر اور الہام کا دعویٰ بھی کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ نبوت محمدی میں اسے بھی شریک
بنایا گیا ہے، اس طرح اس ضمنی نبوت کا دروازہ کھولنے والا تھا، جو شریعت محمدی کی تابع ہے

اور بعد کے زمانوں کے مدعیان نبوت کو یا اسی کے متبع تھے، وہ پیامہ کی جنگ میں مارا گیا جس میں بارہ سو منتخب مسلمان شہید ہوئے، جیسا کہ حضرت خالد بن ولید کے نام حضرت ابوبکرؓ کے خط میں ذکر ہے، اسی طرح اسود غنسی بھی جس نے عہد نبوی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسی زمانہ میں قتل کیا گیا۔

پھر ہر عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انقطاع نبوت پر اجماع رہا اور یہ کہ مدعی نبوت دین سے خروج کرنے والا اور مسلمانوں سے الگ راستہ بنانے والا ہے، یہ عقیدہ عالم اسلام میں ہر دور میں معروف و مشہور رہا، اور مسلمانوں کے ان دینی عقائد کا ایک جزو بن گیا جنہیں وہ دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں، اور سلا بعد سلا منتقل ہوتے آئے ہیں، اور اس کے اثر سے مسلمانوں کی ذہنیت و طبیعت دعوائے نبوت کے سننے کی بھی روادار نہ تھی، اسی لئے مسلم معاشرہ میں تینیسویں کی تعداد عالم اسلامی کی وسعت، دین کے فہم اور

۱۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۲ ۲۔ قاضی عیاض (م ۴۴۵) نے اپنی مشہور کتاب الشفا میں

اس پر اجماع نقل کیا اور تفصیلاً لکھا ہے (الشفا، جلد ۲، ص ۲۴۱، ۲۴۲) اور علامہ شہرستانی (م ۴۴۸) نے

تے الملل والنحل جلد ۳ ص ۲۲۹، علامہ ابن نجیم (م ۹۷۰) نے "الاشباہ والنظائر" ص ۷۹، علاء الدین قاری

(م ۸۱۶) نے شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲ اور اکبر صوفیہ میں امام عبد الوہاب شہرانی نے کتاب البیواقیت

و الجواہر ص ۳۵ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اور مسلمانوں کے معتبر علماء میں سے اگر کسی عالم سے

اس کے برعکس نقل ہے تو وہ اس پر افتراء ہے یا اس کی کتاب میں احاق و تحریف ہے، یا اس کی کسی عبارت

کو سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش کیا گیا ہے، یا اس کی اصل مراد (بالا راہ یا بلا راہ) غلط سمجھی گئی ہے

۳۔ مدعیان نبوت کے ناموں کو تاریخ نے محفوظ کر دیا ہے، اور مسلمانوں نے ان کے نام متنبی (جھوٹا

نبی) رکھ چھوڑا ہے، اور اس طرح یہ فضیحت و بدنامی ان کے نام کا جزو بن گئی ہے، حتیٰ کہ (باقی ص ۲۴۹)

دین کے قلیل علم اور مسلمانوں کی بھاری تعداد کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں، پھر جب یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تاریخ اسلام میں بہت سے دور ذہنی، سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے بڑے انتشار اور اضطراب کے گزرے ہیں، ذاتی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے (مسلمانوں کی دینی افتاد طبع کو دیکھتے ہوئے) دعویٰ نبوت ایک مختصر راستہ اور جادو کا اثر رکھنے والا نعرہ تھا، تعداد کی اس قلت پر اور بھی تعجب ہوتا ہے، اس کے برخلاف اہم سابقہ کی تاریخ میں جغرافیائی رقبہ کے محدود ہونے اور پیروان مذہب کی قلیل تعداد کے باوجود مدعیان نبوت کی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔

پھر جن لوگوں نے مسلمانوں میں نبوت کا دعویٰ کیا انھوں نے کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل کی، اور نہ اپنے پیروؤں کی کوئی معتد بہ تعداد بنا سکے، جس کا مسلمانوں کی بھارت اور مدعیان نبوت کی چالاکی و ذہانت کی وجہ سے قوی اندیشہ تھا، صحیح احادیث میں قیامت تک پیدا ہونے والے مدعیان نبوت کی تعداد ستر سے زیادہ بیان نہیں کی گئی۔ یہ تعداد بھی امتداد زمانہ، امت کی وسعت، بھارت کی کثرت، اور عقائد کے اختلاف کے

(باقی صفحہ ۲۴۸ کا) تاریخ نے عربی کے مشہور ترین شاعر کو بھی نہیں بخشا جو اپنے زمانے کا ملک الشعراء اور امام ادب تھا، اور جس کا نام ابو الطیب احمد بن الحسین الکندی تھا، (م ۳۵۴ھ) چنانچہ "مقتبہ" کے لقب نے اس کے نام کو گم کر دیا ہے، اور اب اس کو ادبی و درسی حلقوں میں، بلکہ عوام و خواص میں اسی نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

دیکھتے ہوئے بہت کم ہے، اور یہ مسلمانوں کے ذہن میں ختم نبوت کے عقیدہ کے راسخ ہونے اور ان کے رگ وریشہ میں سما جانے کا اور ان واضح آیات اور صریح و متواتر و مشہور احادیث کا نتیجہ ہے، جو ختم نبوت کا اعلان کرتی ہیں۔



آٹھواں خطبہ

ختم نبوت

(۲)

ختم نبوت انسانیت کے لئے عزت و رحمت ہے

جب انسانیت میں بلوغ کو پہنچ گئی تو حکمت الہی نے ختم نبوت کا اشارہ دیدیا، اب انسانیت اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل چکی تھی، جس میں وہ متحد تاریخی اسباب کی بنا پر صدیوں سے رہ رہی تھی، اب وہ علم و تمدن باہمی تعارف، عالمی وحدت اور تفسیر کائنات کے مرحلے میں داخل ہو رہی تھی، اور اس کی امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جغرافیائی تقسیم اور سیاسی اختلافات پر قابو حاصل کر لے گی، قبیلہ اور خاندان، قوم و وطن کے بجائے اب وہ کائنات وسیع انسانیت، عالمگیر ہدایت، اور مشترک علم و فن کے مفہوم سے آشنا ہو رہی تھی، سارے قرائن و شواہد بتا رہے تھے کہ اب انسانیت کی سعادت و فلاح اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنی زندگی کی بنیاد اس وحی پر رکھے جو خدا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہو چکی، اور اس عقیدہ اور شریعت پر کاربند ہو، ان اصول و کلیات اور ان احکام و حدود کی پابند ہو جو اس آسمانی صحیفے نے عطا کیں ہیں، جو صحت سابقہ کا

فَخَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا
يَمُوتُونَ بِهِمْ يَسْتَخِفُّونَ لَهُ -

رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تسخیر کیا کرتے
تھے، ان کو تسخیر کی سزا نے آگھیرا۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ
فَأَمْلَيْتُمْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُمْهُمْ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابُ -

اور تم سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تسخیر ہوتے
رہے ہیں، تو ہم نے کافروں کو مہلت دی پھر
پکڑ دیا سو (دیکھ لو کہ) ہمارا عذاب کیسا تھا۔

إِنْ كُلُّ آلَةٍ إِلَّا لَكُذِّبَ الرُّسُلُ فَحَقَّ
عِقَابُ -

(ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب
(ان پر) آواتم ہوا۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْنٍ إِلَّا كَمَا هُمْ مُرْسِلُونَ
نَصِيحَتُكُمْ نِيَوَالِي (پہلے بھیج دیتے) تھے۔

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کے لئے
نصیحت کرنی والے (پہلے بھیج دیتے) تھے۔

سلسلہ نبوت کے خاتمہ سے انسانی صلاحیتیں اور قوتیں اس خطرہ سے محفوظ رکھیں
کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ اور دور کے فاصلہ پر ایک نئے نبی یا دعوت کا ظہور ہوا اور وہ سارے
ضروری کام چھوڑ کر اس کی حقیقت معلوم کرنے، اور اس کی تصدیق و تکذیب کا فیصلہ کرنے
میں لگ جائیں، اس طرح محدود انسانی قوت کو اس روز روز کی مشغولیت اور آزمائش سے
بچایا گیا، اگر سلسلہ نبوت قائم، اور مزید قوانین اور جدید تعلیمات و ہدایات کے حصول کے
لئے زمین کا آسمان سے رشتہ باقی رہتا، اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کوئی نبی یہ دعویٰ
لے کر اٹھتا رہتا کہ اللہ اس سے خطاب کرتا ہے، اس کی طرف وحی آتی ہے اور وہ تبلیغ رسالت
پر مامور کیا گیا ہے، وہ اپنے منکرین کو کافر قرار دیتا اور ان سے خوفناک جنگیں کرتا، جس میں
مطلق کسی رعایت اور فرق و استثناء کی گنجائش نہ ہوتی، اور دنیا میں پھیلی ہوئی امت میں سے

کاٹ کر سیکڑوں، یا ہزاروں یا چند لاکھ افراد پر تل ایک چھوٹی سی امت بنالیا کرتا، اس طرح ہر تھوڑی مدت بعد اور اس وسیع دنیا کے کسی نہ کسی مقام پر پیدا ہونے والے مدعیان نبوت کے بارے میں لوگ فیصلوں ہی میں الجھ کر رہ جاتے، ان مدعیان نبوت میں کچھ دماغی مرعیں اور مخلوط الحواس ہوتے، کچھ پیشہ ورانہ دکاندار قسم کے، کچھ ہوشیار لوگوں اور حکومتوں کے اغراض کے آلاکار، کچھ علم کی کمی اور عبادت و مجاہدہ کی کثرت کے سبب سے تبلیغات شیطانی اور فریب نفس کے شکار، یہ سب قسمیں ان مدعیوں میں پائی گئی ہیں، جن کا ازمنہ سابقہ میں ظہور ہوا، اور عقل انسانی، زندگی کا وسیع تجربہ، نفسیات انسانی کا وسیع مطالعہ، سیاست اور حکومتوں کے وسیع مقاصد کا علم اب بھی ان کو بعید از قیاس اور ناممکن قرار نہیں دیتا، بلکہ علم جدید اور وسیع تجربہ کی روشنی میں ان کو سمجھنا اور آسان ہو گیا ہے۔

اگلے مذاہب میں مدعیان نبوت کی کثرت، عقیدہ کی سلامتی

اور دین کی وحدت کے لئے خطرہ شدید،

عہد عتیق (توراة) کا مطالعہ یہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ بہت سے طالع آزمائے جاہ پرست، اور دینی قیادت کے حریفوں نے نبوت والہام اور عالم غیب سے براہ راست ربط و اتصال کے دعوے کئے اور اس سلسلہ میں جھوٹے سچے خوابوں کو بطور دلیل پیش کیا جس نے یہودی معاشرہ میں شدید انتشار پیدا کر دیا، چنانچہ خود نبی اسرائیل کے صحیفوں میں اس کے خلاف بار بار آگاہی دی گئی، اور ان مدعیان کاذب کی طرف سے ہوشیار و خبردار کیا گیا، ہم یہاں چند اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔

”خداوند فرماتا ہے، دیکھ میں ان کا مخالفت ہوں، جو جھوٹے خوابوں کو نبوت

کہتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں، اور انہی جھوٹی باتوں سے اور لاف زنی سے میرے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، لیکن نہ میں نے ان کو بھیجا نہ حکم دیا اس لئے ان لوگوں کو ان سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔^۱

”پس تم اپنے نبیوں اور غیب دانوں اور خواب بینوں اور شگونیوں اور جادو گروں کی نہ سنو، جو تم سے کہتے ہیں کہ تم شاہ بابل کی خدمت گزاری نہ کرو گے کیونکہ وہ تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں، تاکہ تم کو تمہارے ملک سے آوارہ کریں اور میں تم کو خارج کر دوں اور تم ہلاک ہو جاؤ۔“^۲

”اور میں نے معلوم کر لیا کہ خدا نے اس کو نہیں بھیجا تھا، لیکن اس نے میرے خلاف پیشگوئی کی بلکہ سمبلط اور طوبیہ نے اسے اجرت پر رکھا تھا، اور اس کو اس لئے اجرت پر رکھا تھا تاکہ میں ڈر جاؤں اور ایسا کام کر کے خطا کروں۔“^۳

”اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا، کہ اے آدم زاد، اسرائیل کے نبی جو نبوت کرتے ہیں، ان کے خلاف نبوت کرو، اور جو اپنے دل سے بات بنا کر نبوت کرتے ہیں، ان سے کہہ خداوند کا کلام سنو، خداوند خدایوں فرماتا ہے کہ احمق نبیوں پر افسوس جو اپنی ہی روح کی پیروی کرتے ہیں، اور انھوں نے کچھ نہیں دیکھا۔“^۴

”ملک میں ایک حیرت افزا اور ہولناک بات ہوئی، نبی جھوٹی نبوت کرتے ہیں، اور کاہن ان کے وسیلہ سے حکم رانی کرتے ہیں، اور میرے لوگ ایسی حالت کو

پسند کرتے ہیں تم لوگ آخر میں کیا کرو گے؟

”کیونکہ رب الانواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ وہ نبی جو تمہارے درمیان ہیں، اور تمہارے غیب داں تم کو گمراہ نہ کریں اور اپنے خواب بینیوں کو جو تمہارے ہی کہنے سے خواب دیکھتے ہیں نہ مانو کیونکہ وہ میرا نام لے کر تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں، میں نے ان کو نہیں بھیجا ہے۔“

یہود کے تاریخی مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ ان ”قتبیتوں“ کا سلسلہ عہد نامہ قدیم کی تدوین کے بعد بھی جاری رہا، اور خاص طور پر اس کی کثرت، اس معاشرے میں ہوئی جس میں یہودی مظلومیت اور حیر و تعدی کا شکار رہے، چنانچہ یہودی معاشرہ ایسے نجات دہندہ کے انتظار میں رہتے لگا، جو اسے اس شرمناک حالت سے نکالے، اس کے دشمن سے بدلہ لے اور اس کا کھویا ہوا وقار و اعتبار بحال کرے، معاشرہ کے زخمی اور ٹوٹے ہوئے دل اور غم و غصہ کے جذبات سے ذہین و ناخدا نرس اور بے دین لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنے ذاتی مفاد اور سیاسی اغراض کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا، وہ اپنی ملت کے سامنے بشارتوں اور غیب دانی کے دعوؤں کے ساتھ آگئے، اور نئی نبوت کا جھنڈا بلند کیا، اس نے ان مایوس طبیعتوں پر جادو کا کام کیا، جو ایک طویل عرصہ سے قائم رہنے والے حالات سے تنگ آچکی تھیں، اور اس طرح ان کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد پیدا ہو گئی، عقائد کا اختلاف بڑھ گیا، بدعتوں کی کثرت ہو گئی، اور نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے، اس صورت حال نے اصل یہودی تعلیمات کے لئے ایک بڑا خطرہ پیدا کر دیا اور غیرت و حمیت رکھنے والوں کو چونکا دیا، البرٹ، ایم، ہائمن (ALBERT. M. HYAMSON)

امریکی برطانی جیوش ہسٹاریکل سوسائٹی کا ممبر انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاق میں لکھتا ہے۔

”یہودی حکومت کی آزادی سلب ہو جانے کے بعد پچھلی چند نسلوں تک بہت سے خود ساختہ مسیحاؤں کا ذکر یہود کی تاریخ میں ملتا ہے، بلا وطنی کے تاریک ترین زمانوں میں امید اور خوشخبری کے یہ پیغامبر، خود ساختہ قائدین کی حیثیت سے یہود کو ان کے وطن، جہاں سے ان کے آباء و اجداد نکال باہر کئے گئے تھے، واپس لے جانے کی امیدیں دلاتے رہتے تھے، اکثر اوقات اور خصوصاً قدیم زمانہ میں ایسے مسیح ان مقامات پر اور ایسے زمانہ میں پیدا ہوتے تھے، جہاں یہود پر ظلم و ستم انتہا کو پہنچ جاتا تھا، اور اس کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہو جاتے تھے، اس ستم کی تحریکیں عموماً سیاسی نوعیت کی حامل ہوا کرتی تھیں، خصوصاً بعد کے زمانہ میں تو تقریباً ہر تحریک کا یہی رنگ تھا، اگرچہ یہ تحریکیں مذہبی عنصر سے کم ہی عاری ہوا کرتی تھیں، لیکن اکثر ان کے بانی بدعات کو فروغ دے کر اپنی سیادت کا دائرہ اور اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں یہودیت کی اصل تعلیمات کو بہت نقصان پہنچتا تھا، نئے نئے فرقے جنم لیتے اور پھر بالآخر عیسائیت یا اسلام میں منم ہو جاتے تھے۔“

جھوٹی نبوتوں کا یہ سلسلہ شخصی، جماعتی، اقتصادی و سیاسی مصالح اور محرکات کے ساتھ حضرت مسیح کے بعد تک جاری رہا، یہاں عہد نامہ جدید کی چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، جو مدعیان نبوت کی کثرت اور ان کے مفاسد کی نشاندہی کرتی ہیں:۔

”انہی دنوں میں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے، ان میں ایک نے جس کا نام آگبس تھا، کھڑے ہو کر روح کی ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور کلوئس کے عہد میں واقع ہوگا۔“

”اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو آگبس نامی ایک نبی یہودیہ سے آیا، اس نے ہمارے پاس آکر پولس کا کمر بند لیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر کسا روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمر بند ہے، اس کو یہودی یروشلم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے۔“

”جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو، جو تمہارے پاس بھڑوں کے بھیس میں آتے ہیں، مگر باطن میں پھاڑنے والے بھڑیے ہیں۔“

”لیکن جو کرتا ہوں وہی کرتا رہوں گا، تاکہ موقع ڈھونڈھنے والوں کو موقع نہ دوں، بلکہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہیں، اس میں ہم ہی جیسے نکالیں، کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغا بازی سے کام کرنے والے ہیں، اور اپنے آپ کو مسیح کے رسولوں کے ہم شکل بنا لیتے ہیں۔“

”اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ، کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔“

”اس سے پہلے شمعون نام کا ایک شخص اس شہر میں جادوگری کرتا تھا، اور سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا، اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں، اور چھوٹے سے

۱۵ اعمال باب ۱۱: آیت ۲۷، ۲۸ - ۱۵ ایضاً باب ۱۲: آیت ۱۰، ۱۱ ۱۵ انجیل متی باب ۲۴: آیت ۱۵

۱۵ کہ تھیوں کے نام دوسرا خط (باب ۱۱: آیت ۱۲) ۱۵ یوحنا باب ۴-

بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے تھے کہ شخص خدا کی قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں۔

”اور اس تمام ٹاپوں میں ہوتے ہوئے پانس تک پہنچے وہاں انہیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی یسوع نام ملا۔“

”خبردار کوئی تم کو گمراہ نہ کر دے کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے، اور کہیں گے میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔“
باب ۷ کے مذکورہ ارشاد کے ساتھ یہ بھی فرمایا۔

”کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں؟“
”کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور غابازی سے کام کرتے والے ہیں، اور اپنے کو مسیح کے رسولوں کے ہم شکل بنا لیتے ہیں، اور کچھ عجب نہیں، کیونکہ شیطان بھی اپنے آپ کو نورانی فرشتہ کا ہم شکل بنا لیتا ہے۔“

عہد مسیح میں مدعیان نبوت کا ہمنوں اور ہدایت ربانی کے براہ راست حاصل ہونے کے دعویداروں کے بارے میں، ہم یہاں اس موضوع کے ایک ماہر خصوصی مسیحی فاضل کی شہادت نقل کریں گے، جس سے مسیحی علماء کی (اخیر دور میں ان مدعیان نبوت کی کثرت پر) تشویش اور سلامتی عقیدہ، وحدت دین اور پر امن زندگی کی خاطر فکر مندی ظاہر ہوتی ہے۔
ایڈون ناگسٹرکل (EDWIN KNOX MITCHELL) ہارٹ فورڈ (HART FORD) کے مدرسہ دینیات میں یونانی، رومی اور مشرقی کلیسا کی تاریخ کے پروفیسر لکھتے ہیں:-

۱۵ اعمال باب ۸: آیت ۹ ۱۵ ایضاً باب ۱۳: آیت ۶ ۱۵ متی باب ۲۴: آیت ۴-۵

۱۵ متی باب ۷: آیت ۱۶-۱۵ کہتے ہیں کہ خط باب ۱۱: آیت ۱۳-۱۲

”ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو اورائی حکمت (SUPERIOR WISDOM)

کے مدعی ہوتے تھے، بہت جلد بے اعتمادی پیدا کر دی اور کلیساؤں اور ان کے رہنماؤں کو اس خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلاتا تھا، تاہم ابھی کوئی ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا، جو جانا پہچانا بھی ہو اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جنہیں یہ دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے، اور ان پر بذریعہ وحی اپنے راز ہائے سرستہ منکشف کرتا ہے، ابھی تک کوئی ایسا معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا، جس کے ذریعہ ان مدعیان روحانیت کی صدا کا امتحان لیا جاسکتا، ایسے معیار کا دریافت ہونا قطعاً ضروری تھا، اور اگر یہ دریافت نہ بھی ہوتا تو بھی کلیسا اس کی تخلیق کر کے رہتا، تاکہ اس کے ذریعہ مذہب کو بنیادی اصولوں میں انشمار اور زندگی کو اتحاد کے راستہ پر جا پڑنے سے بچا سکے، اور اس طرح خود اپنی حفاظت کا انتظام کر سکے۔“

ہرموپاسٹر (HERMOPASTOR) کی تصنیف (MAND) اور انیشیس (IGNATIUS) کی تصانیف جھوٹے نبیوں اور معلموں کے خلاف انتباہات سے مملو ہیں، ڈائی ڈک (THE DIDACHE) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کمانت کو ابھی تک آزادی حاصل تھی بلکہ شام یا مصر میں تو اسے خاصی شہرت بھی حاصل تھی، اگرچہ وہ اکثر جعلی ہوتی تھی، اور مردود و مسترد قرار پاتی تھی، بہر حال اب اس کی زندگی کے آخری دن تھے، کیونکہ جلد ہی اس کے نصیب میں بھی وہی عمومی بد اعتمادی اور مخالفت آنے والی تھی، جس سے ان تمام اشتیاق کو سابقہ پڑا تھا، جو اپنے حق میں اورائی حکمت سے سرفراز ہونے کے دعویٰ میں نہایت غلو سے

کام لے رہے تھے، عارفین (GNOSTICS) اور مارسیون (MARCION) کے
 قبیحین کے اپنے اپنے بنی اور اپنے اپنے کلیسا تھے، اور بعض اوقات ان میں امتیاز کرنا
 ناممکن ہو جاتا تھا، مونٹانزم (MONTANISM) کی تحریک بعض پہلوؤں سے
 پیغمبریت کو دوا دینے والی تھی (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دعویٰ نبوت کا سیلاب بھٹ
 پڑا ہے) یہ ایک ایسی سعی کے مرادف تھا جس کا مقصد عیسائیت سے متعلق ان
 ابتدائی حالات کا احیاء تھا، جن میں ہر مومن اپنی باطنی صلاحیتوں کے عطیہ
 خداوندی کے اجاگر کرنے میں آزاد تھا۔

رفتہ رفتہ کلیساؤں نے دفاعی پوزیشن اختیار کر لی اور جلد ہی اس نتیجہ پر
 پہنچے کہ حواریین کے ورثہ کو برقرار رکھنے کے لئے تعاون کیا جائے، اس طرح
 کمانت پر تحذیری ریکارڈ کے ذریعہ پابندی لگائی گئی، 'الغرض تمام ناپائدار اور
 بے مضابطہ روحانی صلاحیتوں کا وہی انجام ہوتا ہے جو کمانت کا ہوا، لاف و
 گزاف، معجزات و شفا لے امراض کا زور کم ہوتا گیا اور دوسری صدی عیسوی
 کے اختتام تک ان سب (بشمول کمانت) کی عنان کلیسا کے باضابطہ عہدہ
 داروں کے ہاتھ میں آ گئی۔

ختم نبوت دین کامل کا لازمی نتیجہ ہے

ختم نبوت اس دین کامل کا لازمی اور منطقی نتیجہ اور تقاضا تھا، جسے محمد رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے، اور جو عقائد و قوانین، اخلاقی و اجتماعی تعلیمات کے لحاظ سے

ہر طرح مکمل، اور ان صاحب اور صحیح بنیادوں پر قائم تھا جن پر ہر زمانہ اور ہر مقام پر مصالح معاشرہ اور صحت مند تہذیب قائم ہوتی ہے، اور فرد اپنی مطلوبہ تکمیل اور معاشرہ معراج ترقی و کمال پر پہنچتا ہے، اور اس فطری رفتار میں بغیر کسی قسم کی دقت و طوالت کے اپنے اعلیٰ مقاصد، کمال انسانی اور دین و دنیا کی جامعیت تک پہنچ جاتا ہے، اس کے ساتھ ہی قانون شریعت میں وہ کسی کمی، زندگی کے کارڈاں سے بچھڑ جانے اور فطرت کے جائز مطالبات کی تکمیل میں ناکامی کا شائبہ بھی نہیں پاتا، بلکہ شریعت اسلامی کو ہر زمانہ سے آگے اور صنعت الہی اور حکمت خداوندی کا ایک مجید العقول نمونہ پاتا ہے۔

کائنات کا مطالعہ اور اس وسیع دنیا میں سنت الشہ کا علم اور قوموں کے ماضی و حال کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے یہاں نہ اسراف ہے نہ کوتاہی، بلکہ اس کے یہاں ہر چیز ایک خاص مقدار سے بنی ہے، اور وہ اشیاء کے کائنات کو بھی ایک اندازے کے مطابق پیدا کرتا ہے، ہم کسی گوشہ میں جو کمی بیشی اور افراط و تفریط دیکھتے ہیں، وہ ہماری نظر کا قصور، ہمارے ناکافی علم کی دلیل ہے، کائنات اور عالم طبعی کے مقابل میں، عالم امر و تشریع باریک بینی و نزاکت اور تناسب و توازن کا زیادہ مستحق ہے، اس لئے کہ وہ غایت و مقصود ہے، اور کائنات اور عالم خلق وسیلہ اور ذریعہ۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے اختتام کی کوئی نقلی دلیل نہ ہوتی، جب بھی نبوت محمدی کے بعد کسی نبوت جدیدہ کے ذریعہ انسانوں کی آزمائش بالکل ایک غیر ضروری چیز، اور ہماری اس جانی پہچانی ہوئی سنت اللہ کے خلاف ہوتی، جو مخلوقات اور اس کائنات کے ہر گوشہ میں روز ازل سے کارفرما رہی ہے۔

دین اسلام کی زندگی و تازگی اور اس کی مردم خیزی کی صلاحیت

امت یا انسانوں کے کسی فرد کے لئے کسی بھی زمانہ میں یہ عذر نہیں ہو سکتا کہ وہ مراتب یقین، قرب و وصول، رضا و مقبولیت، رجوع و انابت، تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا، البتہ اس کے اسباب دوسرے ہو سکتے ہیں، جیسے ضعف ارادہ و کم ہمتی، مادیت اور خواہشات کی پیروی، یا قرآن و حدیث سے ناواقفیت وغیرہ، ورنہ یہ دین تو زندگی، قوت و جدت سے عطا اور تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کا جامع ہے، جس پر محنت و عزم و اخلاص کے ساتھ عمل کے ذریعہ کوئی بھی انسان، قرب و بلندی اور کمال کے ان اعلیٰ درجات تک پہنچ سکتا ہے، جن کے اوپر صرف نبوت کا مقام ہے۔

ہمارے سامنے اس کی کھلی دلیل خدا کی یہ معجزانہ اور ابدی کتاب ہے، جو قوت و حیات سے لبریز ہے، اور جس کی تازگی و شگفتگی میں نہ کوئی فرق پڑتا ہے، نہ اس کے عجائبات اور کرشمہ جات کی کوئی انتہا ہے، اور نماز، بھی جو قوت و حیات سے بھرپور ہے، ایسی ہی چیز ہے، جو اللہ سے تعلق اور اس تک وصول اور ولایت و محبوبیت کے منازل تک پہنچانے میں دین کے شعبوں میں بھی اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی اور ان دونوں چیزوں کے ذریعہ، ہر زمانہ میں اس امت کے مخلص اور صاحب عزیمت افراد، ایمان و یقین، علم و معرفت، ربانیت و روحانیت، قرب و ولایت کے اس مقام تک پہنچتے رہے ہیں، جہاں اذکیاء کی ذکاوت و ذہانت اور عقلاء و حکماء کے قیاس کی بھی رسائی نہیں، اور ایسے لوگوں کی تعداد حد شمار سے باہر رہی ہے۔

دین کے یہ دونوں سرچشمے اس امت کے افراد اور اس کی نسلوں کو برابر قوت بخنوا

حیات و نشاط، اور خالص روحانیت سے سیراب و شاداب کرتے رہے ہیں، اور ان کے ذریعہ
یہ امت کسی نئی نبوت و بعثت سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی کے ہر دور اور تاریخ کے ہر مرحلہ میں
خدا پرستانہ زندگی گزارتی اور قرآن و نماز سے قلب و روح کی تقویت پاتی رہی اور اپنے
زمانہ کی طرف ہدایت و رہنمائی کا ہاتھ بڑھاتی رہی ہے، اسی لئے الشریعہ سبھا نہ فرماتا ہے:-

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ
هُوَ أَجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ
فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ
إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ
مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ
شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ
عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ
هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ
النَّصِيرُ

اور خدا (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد
کرنے کا حق ہے اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے
اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی
(اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام
کا دین (پسند کیا) اسی نے... پہلے (یعنی پہلی
کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور
اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد
کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور
تم لوگوں کے مقابلہ میں شاہد ہو اور نماز پڑھو
اور زکوٰۃ دو اور خدا کے (دین کی رسی) کو کپڑے
رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست
اور خوب مددگار ہے۔

پھر خود اس دین میں ہر مخالف دین چیز کے خلاف ابھارنے والی ایک عجیب قوت
پوشیدہ ہے، جو ہر بے راہ روی اور انسانیت اور باقی ماندہ خیر و صلاح کو ضائع اور
الحج ۸ء یہ مضمون مصنف کی کتاب "ارکان اربعہ" سے ماخوذ ہے۔

تلف کرنے والی قوت کے خلاف بغاوت برپا کرتی ہے، اور باطل کے چیلنج کا جواب دینے اور شر و فساد کی قوتوں اور فساد و اسحاق کے داعیوں سے لڑنے، دینی معیار کو برقرار رکھنے اخلاقی نظام کو کنٹرول کرنے، جابر بادشاہوں کے سامنے جان کا خطرہ مول لے کر کلمہ حق کہنے، منفعتوں اور لذتوں کے ہم رنگ زمین دامن سے بچنے، بدعات و خرافات، فتنوں اور گمراہیوں پر نیکبر کرنے پر آمادہ کرتی ہے، خواہ اس میں جان و مال کا کتنا ہی خسارہ اور جسمانی تکلیف و اذیت کا کیسا ہی خطرہ کیوں نہ ہو، چنانچہ یہ کتاب مسلمانوں کو برابر عدل پر قائم رہنے اور اپنے والدین و اقربا و تک کے خلاف سچی گواہی دینے اور انھیں نیکی و تقویٰ سے تعاون اور گناہ و سرکشی سے عدم تعاون، جہاد فی سبیل اللہ، ملامت گرو کی ملامت سے بے پروائی، معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے، اللہ اور اللہ والوں کا دوست بننے، شیطان اور اس کے اتباع و انصار سے لڑنے، دین کو دنیا کے بدلہ نہ فروخت کرنے، اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے کی تلقین کرتی رہی ہے، اسی طرح صریح، صحیح اور قطعی حدیث نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور حسب استطاعت ہاتھ زبان اور قلب سے جہاد کو واجب قرار دیتی ہیں، اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک کرنے والے اور خدا کے دشمنوں، دین میں تحریف کرنے والوں اور عقیدوں سے مٹا اور مصاحت کرنے والوں کو عید بتاتی ہیں، اور قسم کی حدیثیں تو اتر اور شہرت عام کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں، اللہ کی کتاب دنیا کے ہر مقام اور تاریخ کے ہر موڑ پر ایسے لوگ پیدا کرتی رہی ہے، جو جہاد و اجتہاد کا علم بلند کئے رہے، اور دعوت و اصلاح کی تحریکوں کی قیادت کرتے اور نتائج و انجام کی پروا کئے بغیر حق و باطل کے معرکوں میں اترتے رہے ہیں:-

فَإِنَّهُمْ مِّنْ حَضَىٰ مَحَبَّةٍ وَمِنْهُمْ
تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ

مَنْ يَنْتَظِرْ وَمَا بَدَّلُوا بَدْلًا ۖ
 ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں
 اور انھوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔

یہی وہ کتاب ہے جس نے مسلمانوں کو فساد و ضلالت کے دھاروں میں بہنے اور
 جاہلیت و بے اعتدالی کا ساتھ دینے سے روک رکھا، کمزوروں میں نئی روح پھونکی
 اور سوتلی بیٹیوں اور بچے ہوئے دلوں میں بھی ایمان اور غیرت و حمیت کے شعلے
 بھڑکا دیئے۔

تاریخ اسلام میں صلاح و تجدید کی تحریکوں کا تسلسل اور اس کا راز

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کے اس طویل اور پر آشوب
 تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل رت ایسی نہیں پائی جاتی جب اسلام کی حقیقی دعوت
 بالکل بند ہو گئی ہو، حقیقت اسلام بالکل پردہ میں چھپ گئی ہو، امت اسلامیہ کا ضمیر
 بالکل بے حس ہو گیا ہو، اور تمام عالم اسلام پر بالکل اندھیرا چھا گیا ہو، یہ تاریخی واقعہ
 ہے کہ جب کبھی اسلام کے لئے کوئی فتنہ نمودار ہوا، اس کی تخریب اور اس کو مسخ کرنے کی
 کوشش کی گئی یا اس کو غلط طریقہ پر پیش کیا گیا، مادیت کا کوئی سخت حملہ ہوا، کوئی طاقتور
 شخصیت ایسی ضرور میدان میں آگئی جس نے اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا،
 اور اس کو میدان سے ہٹا دیا، بہت سی دعوتیں اور تحریکیں ایسی ہیں، جو اپنے وقت میں
 بڑی طاقتور تھیں، لیکن آج ان کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے، ان کی حقیقت کا
 سمجھنا بھی آج مشکل ہے، کتنے آدمی ہیں، جو قدرت، ہمیت، اعتدال، خلق قرآن

وحدۃ الوجود اور اکبر کے دین الہی کی حقیقت اور تفصیلات سے واقف ہیں؟ حالانکہ یہ اپنے اپنے وقت کے بڑے اہم عقائد و مذاہب تھے، ان میں سے بعض کی پشت پر بڑی بڑی سلطنتیں تھیں، اور اپنے زمانہ کے بعض بڑے ذہین اور لائق اشخاص ان کے داعی اور علمبردار تھے، لیکن بالآخر حقیقت اسلام نے ان پر فتح پائی اور کچھ عرصہ کے بعد یہ زندہ تحریکیں اور ”سرکاری مذاہب“ علمی مباحث بن کر رہ گئے، جو صرف علم کلام اور تاریخ و عقائد کی کتابوں میں محفوظ ہیں، دین کی حفاظت کی یہ جدوجہد، تجدید و انقلاب کی کوشش اور دعوت و اصلاح کا یہ سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے، جتنی اسلام کی تاریخ اور ایسا ہی مسلسل ہے، جیسی مسلمانوں کی زندگی بلکہ

احساس ذمہ داری اور باطل کا مقابلہ کرنے کے

عزم و قوت پر عقیدہ بقائے نبوت کا اثر

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اسلام میں جہاد و تجدید و اجتہاد، صحیح اقدار و معیار کو بازیافت کرنے، دین کو اس کے صحیح رخ پر ڈالنے، ظالم کا ہاتھ پکڑنے، اور مظلوم کا ساتھ دینے کی روایت کے تسلسل میں امت اور خاص طور پر علماء کا اپنے آپ کو، حق و انصاف کی بجائی کا ذمہ دار سمجھنے، عدل کے معیاروں کو برقرار رکھنے، معروف کا حکم دینے اور نکر سے روکنے اور دین خالص کی دعوت دینے کو بڑا دخل ہے، امت اس کام کے لئے کسی نئے نبی کے مبعوث ہونے اور آسمان سے براہ راست رابطہ رکھنے والی کسی غیبی قوت کی نہ کبھی منتظر رہی اور نہ اس سلسلہ میں اس نے کسی پر اسرار شخصیت کے ظہور یا اور عقل و قیاس

واقعہ کے انتظار میں سعی و عمل کو ترک کیا۔

لیکن جن اسلامی اور غیر اسلامی قوموں اور جماعتوں کا عقیدہ دوسرا تھا، انھوں نے اپنے آپ کو باطل اور شر کی طاقتوں سے لڑنے، حق و انصاف کو قائم کرنے کا ذمہ دار اور مکلف ہی نہیں سمجھا اور وہ صدیوں تک خواب و خیال اور آرزوؤں اور تمناؤں کی دنیا میں پڑی رہیں، بدترین حالات سے سمجھوتہ کرتی رہیں، اور کاپی و بے فکری کی زندگی گزارتی رہیں، اور اس کے نتیجے میں ان کی تاریخ میں تجدید و اصلاح کی تحریک بہت کم زور پڑ گئی اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی آوازیں بہت لپست ہو گئیں، ان اقوام کی تاریخ کا جاننے والا، اس خلا کے راز کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، (جو محض کوئی اتفاقی واقعہ نہیں) لیکن اس کی وجہ اس طبقہ کے کسی پراسرار اور مقدس شخصیت پر اس حد سے بڑھے ہوئے اعتماد میں مضمر ہے، جو ان کے خیال میں، علم اسرار درموز، کسی پوشیدہ امانت کی حامل اور خالق کائنات و جناب رسالت مآب سے وہ ربط نہاں رکھتی ہے، جو کوئی دوسرا نہیں رکھتا، وہ شخصیت ایک مناسب وقت پر اور ہنگامی حالات میں دنیا کے سامنے آجائے گی۔

لہٰذا اس عقیدہ اور انتظار کی بہترین مثال فرقہ امامیہ کا "امام غائب" کے بارہ میں عقیدہ ہے، جو سلسلہ ائمہ میں بارہویں امام ہیں، ان کے بارہ میں ان کا خیال ہے کہ وہ اپنی آمد سے زمین کو ظلم و جور سے پاک کر کے عدل سے بھر دیں گے، ان کا نام محمد المہدی ہے، اور وہ (امام حسن عسکری کے صاحبزادہ ہیں) وہ بغداد میں ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے تھے، اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنی والدہ کے ساتھ سائر کے ایک ترخانہ میں داخل ہوئے، لیکن واپس نہیں لوٹے، لیکن وہ اب تک زندہ و سلامت ہیں، ملاحظہ

ہو: "اصل الشیعہ و اصولہا" (مصنفہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء ص ۲-۱۰۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک نئے نبی یا متعدد مجددانہیاء کا قضیہ بقاء نبوت، نزول وحی اور خدا سے ہم کلامی و مخاطبت کے باقی رہنے کا عقیدہ جس پر بعض مدعیان نبوت نے اپنی نبوت کی بنیاد رکھی، اور اپنے دعویٰ کی صداقت کے سلسلہ میں انھوں نے جس سے استدلال کیا، بڑی باریکیوں اور نزاکتوں کا حامل ہے، اس کا عقل و دماغ پر گہرا اثر پڑنا قدرتی ہے، یہ عقیدہ دین و شریعت کی دائمی صلاحیت اور اس کی ابدیت پر سے اعتماد اٹھا دیتا ہے، اور اپنی ذاتی صلاحیت و طاقت اور محنت و جانفشانی سے کام لینے کے جذبہ کو کمزور کر دیتا ہے، اس کے ماسوا اس عقیدہ سے یہ عظیم فتنہ پیدا ہوتا ہے کہ امت، دجالوں، جبل سازوں اور شعبہ بازوں کا تختہ مشق، اور ان کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتی ہے۔

”ختم نبوت“ ملت اسلامیہ کے لئے الشرکی

رحمت اور احسان و عنایت ہے

اس امت پر اللہ کا ایک عظیم احسان و انعام اور اس کی خصوصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رحلت فرمانے سے پہلے ہی یہ کھلا اور برملا اعلان کر دینا تھا، کہ نبوت کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام ہو گیا، اور دین اور خدا کی نعمت عظیم کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا گیا، اب نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ملت اسلامیہ کے بعد کوئی ملت ہوگی، یہ وہ نعمت تھی جس پر یہود کے علماء و عقلاء کو رشک ہوا تھا، جو یہودیوں میں مدعیان نبوت کی لائی ہوئی مصیبت، فکری انتشار، عقائد کے اختلاف، مذہبی کشمکش اور

جماعتی افتراق کی تاریخ سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ حدیث صحیح ہے کہ :-
 "ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ لوگ اپنی
 کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں، جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم
 اس دن کو ایک مستقل تمنازا اور جشن کا دن بنا لیتے، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ وہ
 کون سی آیت ہے؟ یہودی نے کہا: "الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاعْتَمَدْتُ
 عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "مجھے وہ دن بھی خوب معلوم ہے، اور
 وہ گھڑی بھی اچھی طرح یاد ہے، جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل
 ہوئی تھی، وہ جمعہ کا دن اور یوم عرفہ کی شام تھی!"

یہ روایت اس نعمت کی عظمت و جلالت کو بتاتی ہے، جس پر یہود کے علماء کو بھی
 رشک آیا اور مسلمانوں کو انھوں نے حسد کی نگاہ سے دیکھا، اسی کے ساتھ اس سے یہی معلوم
 ہوتا ہے کہ ادیان سابقہ اس اعلان و ضمانت سے خالی ہیں، اور ان کو اس اعزاز و اعتماد
 کی وہ دولت حاصل نہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو سرفراز کیا، جو ایک فطری امر
 تھا، اس لئے کہ وہ مذاہب نشوونما کے ابتدائی مراحل سے گزر رہے تھے، اور اس کے ساتھ نسل
 انسانی بھی انقلاب و تفسیر کی منزلوں کو طے کر رہی تھی، اور آخری رسالت کی ضلعت فاخرہ (جو
 کسی بلند و بالا شخصیت کے لئے اور بڑے محتاط اندازے اور ناپ سے بنی تھی) ابھی اتری
 نہ تھی، اس ضلعت سے اللہ تعالیٰ نے بالآخر آخری رسول اور خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کو نوازا، اور اس کے ذریعہ اس امت کو عزت دی جو آخری اور بہترین امت ہے۔

ختم نبوت فکری انار کی سے نجات

عقیدہ ختم نبوت نے اس دین کو متدین کے غلو، متبلیوں اور مدعیوں کے قتلے اور اس امت کو فکری و دینی انتشار اور اس انار کی سے برابر بچا یا ہے جس کا اقوام و مذاہب شمار رہے ہیں، اسی عقیدہ کی بدولت یہ دین اور یہ امت اس قابل ہو سکی کہ خفیہ سازشوں کا مقابلہ کر سکے، سخت ترین جھٹکوں کو سہ سکے، اور دین و عقیدہ کے سلسلہ میں ایک وحدت بن کر صدیوں برقرار رہے، ورنہ یہ امت واحدہ "مختلف و متعدد امتوں میں بٹ کر رہ جاتی جس میں سے ہر ایک کا نقطہ نظر مختلف، روحانی مرکز اور علمی و ثقافتی مآخذ جدا، اور ہر ایک کی تاریخ جدا گانہ ہوتی۔

عقیدہ ختم نبوت کا تمدن پر احسان

اس عقیدہ نے جہاں انسان میں اپنے سن بلوغ کو پہنچنے کا احساس و شعور پیدا کیا وہیں اس نے اسے تمدن کی دوڑ میں آگے بڑھنے اور روزمرہ کی زندگی میں علم و تجربہ پر اعتماد کرنا بھی سکھایا، اس لئے کہ آج دنیا کو اس کی فرصت و ضرورت نہیں کہ اب وہ پھر کسی نئی آسمانی وحی کے لئے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتی رہے، اب اس کی ضرورت یہ ہے کہ اس کائنات کے ذخیروں اور صلاحیتوں کے بارے میں سوچے جنہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا تھا کہ انسان انہیں اپنے کام میں لائے، اور ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرے، اسی طرح اسے آج اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے بارے میں سوچے اور ایک اچھی زندگی کی تعمیر کے لئے زمین کی طرف دیکھے جو دین و اخلاق کی بنیادوں پر قائم ہو، ختم نبوت کا عقیدہ انسان میں عم جوئی اور

ترقی کا جذبہ پیدا کرتا، اسے اپنی صلاحیتوں سے کام لینا سکھاتا، اور اس کی محنت اور جدوجہد کی جولا نگاہ بھی فراہم کرتا ہے۔

اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہوتا تو انسان اپنے اوپر اعتماد کو کھو بیٹھتا، اور ایک مسلسل تذبذب کا شکار رہتا، اور بجائے زمین کی طرف دیکھنے کے اپنی نگاہیں آسمان ہی سے لگائے رہتا، اسی کے ساتھ وہ اپنے مستقبل کی طرف سے بھی مسلسل تذبذب اور بے یقینی کی حالت میں رہتا، اس کے گرد شک و شبہ کی فضا قائم رہتی اور وہ برابر مدعیان نبوت کی ابلہ فریبی کا شکار ہوتا رہتا، اور جب کبھی کوئی مدعی نبوت اس سے یہ کہتا کہ انسانیت کا چین اب تک نامکمل اور غیر آراستہ تھا، میں نے آکر اس کی چین بندی اور آراستگی کی، تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ جب یہ چین اب تک نامکمل تھا، تو مستقبل میں بھی اس کی تکمیل کی کیا ضمانت دی جاسکتی ہے؟

اور اس طرح ہر مرحلہ پر انسان اس شخصیت کا انتظار کرتا جو گلشن انسانیت کی تکمیل و تزئین کرتی، اور اس انتظار کے سبب نہ وہ اس کے پھولوں اور پھلوں سے لطف اندوز ہو سکتا اور نہ اسے سیراب و شاداب کرنے کی فکر کرتا۔

علامہ اقبال نے اپنی کتاب "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" میں بہت صحیح فرمایا ہے:-
 "اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی لہذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا
 اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا، اس کے
 شعور ذات کی تکمیل ہوگی، تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے ہی
 وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کو

لے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا شعر ہے۔

روضہ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تک میرے آنے سے ہوا کامل بجلہ برگ و بار

جائز نہیں رکھایا بار بار عقل و تجربہ پر فہر دیا، عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لئے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے، کیونکہ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔^۱

مدعیان نبوت کا فتنہ عظیم

تاریخ اسلام میں اسلام اور سلمان مدعیان نبوت کے فتنہ سے زیادہ کسی بڑے اور نازک فتنہ سے دور چار نہیں ہوئے، لیکن اکثر ایسے مدعیوں کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی، وہ جناب کی طرح اٹھے اور پیٹھ گئے، لیکن برصغیر ہند میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں دعویٰ نبوت کرنے والے مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۴۰ء-۱۹۰۸ء) کا معاملہ بعض سیاسی وجوہ سے مختلف ہے۔^۲

دنیا میں مکالمات و مخاطبت الہی اور رویت باری کا فتنہ

اسلامی اور غیر اسلامی، فلسفہ، تصوف کی تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ عالم غیب سے ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ تعلق قائم کرنے کی کوشش اور نامعلوم آوازوں کو ندائے غیب و الہام سمجھنا اور ان کی بنیاد پر دعویٰ اور دعوت کی بنیاد رکھنا ہمیشہ سے اوہام و معالطہ اور انتشار و تضاد کا دروازہ کھولتا رہا ہے جس کے ذریعہ ارادی یا غیر ارادی طور پر بڑی بڑی گمراہیاں راہ پائی رہی ہیں، ان آوازوں کا سرچشمہ کبھی نفس انسانی، کبھی ماحول،

۱۔ تشکیل جدید البیات اسلامیہ ترجمہ سید نذیر نیاز (۱۹۳۰ء تا ۱۹۵۷ء)

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ”قادیانیت“

اور کبھی دوسرے شیطانی ہوتا ہے، ان میں کبھی خود اپنی خواہشات و تخیلات کبھی عادات و مالوتات تعلیم و تربیت، رسم و رواج اور گرد و پیش میں پھیلے ہوئے مشہدات و مسلمات اور عقائد و خیالات کی کار فرمائی اور جلوہ گری ہوتی ہے، جن کے ماحول میں اور جن کے زیر اثر اس صاحب الہام یا صاحب کشف کا نشو و نما ہوا تھا، اور وہ اس کے تحت الشعور میں جاگزیں ہو گئے تھے، جو لوگ اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف ہیں، اور جن کو اس کا عملی تجربہ ہے، ان کا کہنا ہے کہ الہام و کشف میں عادات و معتقدات کے اثر سے بالکل آزاد ہونا اور ان کا اثر مطلق قبول نہ کرنا اور ان غیبی چیزوں کے اخذ کے وقت ماحول سے لے اس امکان کی طرف علامہ اقبال نے جو عصر جدید میں فلسفہ کے عمیق النظر عالم اور مرثشاں اس تھے، بڑا بلیغ اشارہ کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے:-

”میں یہ ضرور کہوں گا کہ بانی احمدیت نے ایک آواز سنئی، لیکن اس امر کا تصفیہ کہ یہ آواز اس خدا کی طرف سے تھی جس کے ہاتھ میں زندگی اور طاقت ہے یا لوگوں کے روحانی افلاس سے پیدا ہوئی، اس تحریک کی نوعیت پر منحصر ہونا چاہئے، جو اس آواز کی آفریدہ ہے اور ان افکار و جذبات پر بھی جو اس آواز نے اپنے سننے والے میں پیدا کئے۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”پس میرے خیال میں وہ تمام ایکٹر جنھوں نے احمدیت کے ڈرامہ میں حصہ لیا ہے، نفل اور انحطاط کے ہاتھوں میں محض مادہ لوح کھپتے بنے ہوئے تھے“ (حرف اقبال ص ۱۵۷-۱۵۸)

اس مفہوم کو علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں زیادہ بلیغ انداز سے ادا کیا ہے، فرماتے ہیں:-

محکوم کے الہام سے الشربچاے غارت گرا تو ام ہے وہ صمدت چنگیز

متاثر نہ ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

جو شخص بھی ہدایت و نجات و کمال ایمان کے لئے ان مکالمات النبیہ اور مخاطبت ربانیہ یا رد میت باریؑ کو شرط بتاتا اور اس پر کسی نئی نبوت یا دعوت کی بنیاد رکھتا ہے،

لے اس ضمنوں کو امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ - ۱۱۲۴ھ) نے اپنے

مکاتیب میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اور جابجا ملین اشارات فرمائے ہیں، جو ذاتی تجربہ اور گہری واقفیت

پر مبنی ہیں، ان کے نزدیک عقل خالص اور کشف خالص دونوں نہایت نادر و نادر الوجود چیزیں ہیں

عجیب تو ارد اور حیرت انگیز بات ہے، کہ ان سے تقریباً دو سو سال بعد مشہور جرمن فلسفی ایمینول کانٹ

(EMMANUEL KANT) نے عقل کے خالص اور مجرد ہونے اور اس کی ماحول و رشتہ اور عادات و

معتقدات سے آزاد ہو کر بے لاگ فیصلہ کرنے کی صلاحیت میں بہت شک و شبہ کا اظہار کیا ہے، ملاحظہ ہو

اس کی کتاب ”نقد عقل خالص“ (CRITIQUE OF PURE REASON) مجدد صاحب نے اس سے

ایک قدم آگے بڑھا کر کشف خالص اور الہام خالص کے مشکل و نادر الوجود ہونے پر بھی روشنی ڈالی ہے،

اس لئے کہ وہ اس کو چہرے سے بھی آشنا بلکہ اس کے رہ نور و رہنما رہے ہیں، (ملاحظہ ہو مکتوب ۲۶۶ بنام خواجہ

عبدالشر و خواجہ عبید اللہ فرزندان حضرت خواجہ باقی باللہ)

۱۷ جیسا کہ سید محمد بن یوسف حسینی جو پوری (۸۴۷ھ - ۹۱۰ھ) امام فرقہ ہمدویہ نے دعویٰ کیا کہ انسان

اگر اس دنیا میں دیدار الہی سے مشرف دہو اور اللہ تعالیٰ کو قلب یا چشم سر سے خواب یا میداری میں

نہ دیکھے تو مومن نہیں، اس خیال نے دسویں صدی ہجری کے مسلم معاشرہ میں جو ہندوستان کے مشرق

سے افغانستان کے مغرب تک پھیلا ہوا تھا، ایک انتشار پیدا کر دیا، اور عام مسلمانوں علماء و سلاطین کے

کے لئے سب سے بڑا موضوع بحث بن گیا، حالانکہ سید مدوح صدق و عزیمت میں پایہ بلند رکھتے تھے،

بڑے قوی الاستعداد، صاحب تاثیر بزرگ تھے، دعوت الی اللہ، ہجرت فی سبیل اللہ، (باقی ۲۷۷ پر)

وہ ایک غیر لازم چیز کو لازم قرار دیتا اور اس دین پر (جو تمام انسانوں کے لئے عام ہے) بڑا ظلم کرتا اور دین کی سہولت و سادگی اور عالمگیری و آفاقیت کو مجروح کرتا اور فساد و کشمکش اور انارکی کا ایک بڑا دروازہ کھول دیتا ہے، جیسا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے کیا، انھوں نے ”مکالمات و مخاطبات الہیہ“ کو مذہب کی صداقت کی شرط اور اتباع و مجاہدات کا قدرتی نتیجہ قرار دیا، اور یہ کہا کہ جس مذہب میں مکالمات و مخاطبات الہیہ کا سلسلہ جاری نہ ہو، وہ مذہب مردہ اور باطل ہے، بلکہ شیطانی مذہب ہے، اور جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور جس مذہب کے پیروں پر وہ عبادت کے باوجود اس دولت سے سرفراز نہ ہوں، وہ گمراہ و محروم اور نابینا ہیں۔

یہ دعویٰ علمی اور عقلی حیثیت سے اتنا کمزور اور بے بنیاد ہے کہ اس پر زیادہ شرح و بسط سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی، ناظرین کے لئے یہی کافی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جو نبوت محمدیؐ کا اولین کارنامہ اور قرآن کے فیض و تربیب کا شاہکار اور تاریخ انسانی کی مثالی نسل تھے اور جن کی کوششوں سے اسلام دنیا میں پھیلا انھوں نے ان مکالمات و مخاطبات اور چشم و دل سے (باقی ص ۲۷۸) اشارہ و تذکرہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں ان کے زمانہ میں ان کی نظیر کسی شکل میں نہیں ان کو کشف و الہام کے سلسلہ میں مخالطہ ہوا، اور انھوں نے اپنے بارے میں کھلے طریقہ پر دعویٰ کیا کہ وہ ”مہدی موعود“ اور مہدی آخر الزماں ہیں، جن کے متعلق حدیثوں میں خبر دی گئی ہے، انھوں نے اس دعوے اور دعوت میں نہایت غلو سے کام لیا، اور مسلمانوں کے لئے وہ چیزیں ضروری کر دیں جنہیں اللہ نے ان پر نہ فرض کیا تھا، نہ اس کا مطالبہ کیا، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں وہ کتابیں جو ان کے اصحاب و تبعین نے تصنیف کیں یا ان کا اردو خلاصہ ”حیات پاک“ از مولوی محمود دہلوی مہدوی)

لے ملاحظہ ہو براہین احمدیہ حصہ پنجم از مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ص ۱۸۱

رویت باری کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، اور نہ تاریخ نے ان کی طرف کسی ایسے دعویٰ کا انتساب کیا، اور نہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس دولت کے حصول کے لئے ان کے اندر کسی مبالغہ یا مقابلہ کا جذبہ تھا، اور نہ اس کا ذکر آتا ہے کہ ان کو اس دولت سے محروم رہنے پر کوئی تاسف یا حسرت تھی، تو پھر وہ لوگ کس شمار و قطار میں ہیں، جو ان کے بعد کے ہیں، اور دین و علم میں ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچتے۔

تاریخ میں بارہا دیکھا گیا ہے کہ ہر وہ غالی تحریک جو ان جیسے دعوؤں اور مفروضات اور شخصی تجربات کی بنیادوں پر قائم ہوئی، اس نے ایک غالی اور تشدد جماعت پیدا کر دی، جو رفتہ رفتہ سواد اعظم سے کٹ گئی، اور مسلمانوں کی تفصیل و تکفیر اس کا شعار بن گیا، بالآخر اس نے ایک اور نئے مذہب کی شکل اختیار کر لی، اور مسلمانوں کے لئے ایک نیا مسئلہ سامنے آگیا، جس کی عقدہ کشائی میں بڑے بڑے سلمان دانشوروں، عالموں اور رہنماؤں کی بہترین ذہانت اور قوت صرف ہوئی، اس کے بعد بھی اس انتشار کا پورے طور پر خاتمہ نہیں ہو سکا۔

اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں اجتماعی الہام اور جماعتی ہدایت

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اجتماعی الہام کی دولت سے نوازا ہے، جو ہر قسم کے خطرہ اور ضرر اور انفرادی کمزوریوں اور غلط فہمیوں سے پاک اور محفوظ ہے۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "قادیانیت" باب چہام فصل دوم ص ۱۹۱ تا ۱۹۵ طبع دوم ۱۳۷۵ھ میں حکومت پاکستان نے اس مشکل کو، قادیانی جماعت کو مسلمانوں سے الگ کر کے اور سرکاری طور پر انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے کر، حل کرنے کی کوشش کی ہے، جس کا مسلم جماعتیں عرصہ سے مطالبہ کر رہی تھیں، یہ خبر اس مقالہ کے تحریر کے وقت ملی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کے سامنے کوئی نازک اور اہم مسئلہ آتا ہے، اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اور کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے، یا زائد کے تغیر اور حالات کے تقاضہ سے کوئی نئی ضرورت سامنے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ علمائے مخلصین کے ایک معتد بہ گروہ کے دل میں جو نفس زکی اور ارادہ قوی کے مالک ہوتے ہیں، اس ضرورت کی تکمیل کا شدت سے خیال پیدا کر دیتا ہے، اور ہمہ تن ان کو اس طرف اس طرح متوجہ کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کو اس کام کے لئے مامور اور عند اللہ مسئول سمجھنے لگتے ہیں، ان کو اس کام کی تکمیل میں کھلے طور پر تائید الہی اور نصرت غیبی نظر آتی ہے، اور وہ دل کی گہرائی سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی طرف کشاں کشاں لے جائے جا رہے ہیں، یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم نے اجتماعی الہام یا جماعتی ہدایت سے تعبیر کیا ہے، اور تاریخ اسلام اس کی مثالوں سے پر ہے۔

کبھی یہ الہام محدود ہے چند اصحاب کو ہوتا ہے، جیسا کہ اذان کے واقعہ میں عبد اللہ بن زید اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ پیش آیا کہ دونوں کے خواب یکساں نکلے، اور دونوں کو خواب میں کلمات اذان کی تلقین کی گئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب فرمائی، اور اذان کو شرعی حیثیت دیدی، جو آج تمام عالم اسلام میں رائج ہے، اور جیسا کہ لیلۃ القدر کے بارے میں پیش آیا جس کے بارے میں شیخین نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ چند صحابہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہیں خواب میں لیلۃ القدر کو رمضان کی اخیر سات راتوں میں دکھایا گیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب سات آخری راتوں کے بارے میں یکساں ہیں، تو لے ملاحظہ ہو وہ طویل حدیث جس کی الوداؤد، ترمذی اور دارمی و ابن ماجہ نے تخریج کی ہے۔

جو اسے تلاش کرنا چاہتا ہے، وہ انھیں سات راتوں میں تلاش کرے۔“

اور اسی کے قریب صلوٰۃ تراویح کا معاملہ ہے جس کی اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جسے آپ نے تین دن کے بعد اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور اس طرح مشقت کا سبب نہ بن جائے، مسلمان اسے اکیلے اکیلے پڑھنے لگے، حضرت عمرؓ نے اس کی جماعت قائم کر دی، حضرت عمرؓ کا فعل الہام الہی پر مبنی اور آسمانی رہنمائی کا نتیجہ تھا، اور اس میں بڑا ہی خیر پوشیدہ تھا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا خیال اور اس میں ختم قرآن کا شوق پیدا کروایا، جو حفظ و حفاظت قرآن کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوا، اور اس کی وجہ سے مسابقت اور رمضان کی راتوں میں بیدار رہنے کا بڑا داعیہ پیدا ہو گیا اس سلسلہ میں اہل سنت جنہوں نے سنت تراویح کو اپنایا اور ان جماعتوں کے درمیان جنہوں نے اس کا انکار کیا اس کھلے فرق کو دیکھا جاسکتا ہے، جو حفظ قرآن کی کثرت اور اس کے مطالعہ و اہتمام کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے۔

اور کبھی یہ الہام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اور جم غفیر کو ہوتا ہے جس کا کسی امر پر متفق یا کسی ضرورت کی طرف متوجہ ہو جانا محض اتفاقی واقعہ یا کسی سازش کا نتیجہ نہیں کہا جاسکتا، ان کی اس کوشش سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع عظیم پہنچتا ہے، یا اس سے مسلمانوں کی زندگی کا کوئی خطرہ ہوتا ہے، یا کسی ہیبت فتنہ یا رخنہ کا سد باب ہوتا ہے یا دین کے عظیم مقاصد میں سے کوئی مقصد پورا ہوتا ہے۔

اس طرح کے مبارک اجتماعی الہام کی مثال (جو بے شمار راسخ العلم علماء اور مخلص و باعمل لوگوں کو ہوا) حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں قرآن کو مصاحف میں جمع کرنا اور قرن اولؓ لے ملاحظہ ہو روایت بخاری عن عائشہؓ جو باب فصل من قام رمضان میں نقل ہوئی ہے۔

ثانی اور اس کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں حدیث کے جمع و تدوین کا کام مجتہدین کا استنباط احکام اور جزئیات فقہ کی تفریح، علم نحو و قرأت، اصول فقہ اور قرآن اور اس کی زبان کو محفوظ کرنے والے تمام مفید علوم کی تدوین اور مدارس کی تعمیر کتابوں کی نشر و اشاعت وغیرہ اس اجتماعی الہام کی بہترین مثالیں ہیں، جس کے ذریعہ دین اور امت کی یہ اہم ترین ضرورتیں پوری کی گئیں اور آنے والے خطرات کا سد باب کیا گیا۔

تزکیہ نفس و تہذیب اخلاق کا وسیع و مستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کر لی نفس و شیطان کے مکاید کی نشاندہی، نفسانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج، تعلق مع الشر اور نسبت باطنی کے حصول کے ذرائع و طرق کی تشریح و ترتیب، جس کی اصل حقیقت تزکیہ و احسان کے ماثور و شرعی الفاظ میں پہلے سے موجود تھی، اور جس کا عربی و اصطلاحی نام بعد کی صدیوں میں تصوف پڑ گیا، اسی اجتماعی الہام کی ایک درخشاں مثال ہے، رفتہ رفتہ اس فن کو اس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ پر پہنچا دیا، اور اس کو ایک بڑی عبادت اور وقت کا جہاد قرار دیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قلوب و نفوس کی مردہ کھیتوں کو زندہ کیا اور روح کے مریضوں کو شفا دی، ان مخلصین، علماء ربانین اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ دنیا کے دود و دراز گوشوں اور طویل و عرض مالک (جیسے ہندوستان، جزائر شرق الہند اور بر اعظم افریقہ) میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی، اولاً انھوں انسانوں نے ہدایت پائی، ان کی تربیت سے ایسے مردان کار پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں مسلم معاشرہ میں ایمان و یقین اور عمل صالح کی روح بھونکی، اور بارہا میدان جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا، اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدا سے انکار یا تو وہ شخص کرے گا، جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں، یا جس کی آنکھوں پر

تصعب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

اسی اجتماعی الہام کی ایک مثال گمراہ فرقوں، ملحدین و مشکلیں، تعطل اور بے علمی کی دعوت دینے والے فلسفوں، اور تخریب پسند تحریکوں کی تردید و ابطال کا کام بھی ہے، جس کے لئے مسلمانوں میں سے علم و ذہانت، فکری صلاحیت اور ایمانی قوت میں امتیاز و تفوق رکھنے والے افراد میدان میں آئے اور انھوں نے ان دعوتوں اور فلسفوں کو بے نقاب کر دیا، مسلمانوں کو ان کے برے اثرات سے بچا لیا، یہ سب کارنامے الہام ربانی کا کرشمہ ہیں، جس سے تاریخ اسلام کے ہر مرحلہ اور علم و تہذیب کے ہر مرکز میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت مشرف و سرفراز کی گئی، اور جو اس امت پر جو آخری امت اور انسانیت کا مرکز امید ہے، خدا کی عنایت اور اللہ کے نزدیک اس کے بلند مرتبہ کی دلیل ہے، اور یہ غیر منقطع الہام اور مسلسل مدد الہی اور ختم نبوت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کے منقطع ہونے کی روشن دلیل ہے، جس کی اگلی امتوں میں کوئی واضح اور مسلسل نظیر نہیں ملتی، اس لئے کہ انھیں اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ سلسلہ نبوت قائم اور کار نبوت باقی تھا۔

مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی

جو فکری انتشار اور بے چینی ان فرضی نبوتوں سے پیدا ہوتا اور ان سے جس طرح مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوتی اور وحدت اسلامی پارہ پارہ ہوتی ہے، وہ ہر مسلمان کے لئے باعث تشویش و اضطراب ہے، اس زمانہ میں جو لادینیت و اکاد کا دور کھلتا ہے، لوگ انا الحق کہنے کے عادی نہیں رہے، لیکن اگر کہیں عالم اسلام میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پرچوش و کیلوں کے اثر سے نبوت کا شوق پیدا ہو جائے اور عالم اسلام کے مختلف حصوں میں

”علم نبوت“ کے بلند کرنے والے افراد پیدا ہونے لگیں اور وہ اپنی دعوت کے منکروں کی تکفیر کرنے لگیں..... تو اس کا نتیجہ سوائے فکری اضطراب و انتشار، دینی انارکی اور خیالات کے ٹکڑاؤ اور عالم اسلام کے مختلف چھاؤنیوں اور بلاکوں میں تقسیم کے سوا کیا نکلے گا؟ اور کیا یہ امت جو رنگ و نسب اور قوم و وطن کی ہر عصبیت مٹا کر اسلامی اخوت کو زندہ کرنے کے لئے آئی تھی، تفریق و تکفیر اور چھوٹی چھوٹی دینی عصبیتوں کا شکار نہیں ہو جائے گی۔

قادیا نیت کے اس خطرہ کو مولوی محمد علی صاحب لاہوری امیر جماعت احمدیہ اشاعت اسلام لاہوری نے بھی محسوس کر لیا اور پوری شدت و وضاحت کے ساتھ اپنے ایک مضمون میں اس کا اظہار بھی کیا تھا، لیکن وہ یہ نہیں سوچ سکے کہ اس دروازہ کو کھولنے والے ان کے امام مرزا غلام احمد ہی ہیں، جن کو وہ مجدد مصلح اور ہندی و مسیح موعود تسلیم کرتے ہیں، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بقائے نبوت کے خیال کو تحریک و دعوت کی شکل دیدی، محمد علی لاہوری صاحب اہل بصیرت و انصاف کو آواز دیتے ہوئے کہتے ہیں:-

”خدا را غور کرو کہ اگر یہ عقیدہ میاں صاحب کا درست ہے کہ نبی آتے ہیں گے“

لے فلسفی شاعر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی دقت نظر ان کے اس تاریخی جملہ سے عیاں ہوتی ہے کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اسلام خدا کا وحی کردہ دین ہے، لیکن امت اور معاشرہ کی صورت میں اسلام کا وجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور اس عقیدہ پر موقوف ہے، کہ وہ آخری رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور یہ نکتہ دین اسلام اور دوسرے ادیان کے درمیان ایک سہ صدی خط (LINE OF DEMARCATION) کی حیثیت رکھتا ہے۔“

لے میاں بشیر الدین محمود مراد ہیں جو بقا و تسلسل نبوت کے قائل و داعی تھے۔

اور ہزاروں نبی آئیں گے؛ جیسا کہ انھوں نے بالصراحت: "انوارِ خلافت" میں لکھ دیا ہے، تو ہزاروں گروہ ایک دوسرے کو کافر کہنے والے ہوں گے یا نہیں! اور اسلامی وحدت کہاں ہوگی؟ یہ بھی بان لو کہ وہ سارے نبی احمدی جماعت میں ہی ہوں گے، پھر احمدی جماعت کے کتنے ٹکڑے ہوں گے؟ آخر گذشتہ سنتوں سے تم اتنے ناواقف نہیں ہو، کس طرح نبی کے آنے پر ایک گروہ اس کے ساتھ اور ایک خلاف ہوتا ہے، وہ خدا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کل دنیا کی قوموں کو ایک کرنے کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے، کیا اب وہ مسلمانوں کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہوں، اور آپس میں کوئی تعلقات اخوت اسلامی کے نہ رہ گئے ہوں؟ یاد رکھو اگر اسلام کو کل ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ سچا ہے تو یہ مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آسکتا کہ ہزاروں نبی اپنی اپنی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ لئے پھرتے ہوں اور ہزار ہا ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں ہوں جن کے پجاری اپنی اپنی جگہ ایمان اور نجات کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہوں، اور دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر اور بے ایمان قرار دے رہے ہوں؟

حاصل یہ ہے کہ سلسلہ نبوت اور انسان کو بذریعہ وحی و ملائکہ و جبرئیل انسانوں کو عقائد و شرائع کی تعلیم کے سلسلہ کے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتمام اور آپ کے خاتم المرسل، دانائے قبل اور مولائے کل ہونے کا یقین، اللہ تعالیٰ کی اس امت پر

۱۔ میں صاحب اس عقیدہ کے مصنف یا موجد نہیں ہیں، انھوں نے صرف مرزا صاحب کی ترجمانی

کی ہے۔ یہ رد تکفیر اہل قبلہ ص ۵۰، ۴۹

بڑی نعمتوں اور عطیوں میں سے ایک نعمت اور عطیہ اور خاندانوں میں بٹی ہوئی انسانیت کے لئے ایک رحمت ہے جس کے ذریعہ اس کی کوشش اور طاقت کو صحیح مصروف میں لگانے کا انتظام کیا گیا ہے اسی کے ساتھ یہ عقیدہ امت محمدیہ کی شیرازہ بندی کرنے والا اور اس کی وحدت و اصلیت اور قوت کی حفاظت کرنے والا، اسے اپنے اور اپنے دین کی ابدیت و صلاحیت پر اعتماد پیدا کرنے، احتساب کا ثبات کی دائمی ذمہ داری عائد کرنے، اصلاح و تجدید اور ہر جگہ اور ہر زمانہ میں شر کے راستے میں جدوجہد جاری رکھنے کا ضامن ہے، اور یہی وہ ٹھوس بنیاد ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

اسلام کے بدترین دشمن

جو کسی نبی و نبوت کا، (اس کے کسی بھی مفہوم میں) مدعی یا داعی، اور علم بردار ہو، وہ اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن اور اسلام کے بدخواہوں اور مخالفین کا بہترین معاون اور آلہ کار ہے، اور تاریخ اسلام، اس کے جرم کو کبھی معاف نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچ ہے:-

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ
كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ
إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَوَخَّى
إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ
الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو
اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر
وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات
کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص کہے کہ
جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح
کامیں بھی لاتا ہوں، اور اگر آپ اس وقت

اٰخِرُ جُؤا اَنْفُسَكُمْ ط الْيَوْمَ تَجْزَوْنَ
عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُوْنَ
عَلٰى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ
اٰيٰتِهِ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا
فِرَادٰى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
وَوَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَآءَ
ظُهُورِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ
شُفَعَاءَ كُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
اَنَّهُمْ فَيَكُفُّمْ شُرْكُوْهُ اِلَّا لَقَدْ
تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ
مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝

دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں
ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے
ہاں اپنی جانیں نکالو، آج تم کو ذلت کی سزا
دی جاوے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ کے
ذمہ جھوٹی باتیں کہتے تھے، اور تم اللہ تعالیٰ کی
آیات سے تکبر کرتے تھے، اور تم ہماری پاس
تہمتا تھا اگئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو
پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا،
اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے، اور ہم تمہارے
ہمراہ ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے
جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے
معاملہ میں شریک ہیں، واقعی تمہارے آپس میں
تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ سب

تم سے گیا گزرا ہوا۔

الْمَكْتَبَةُ الرَّحْمٰنِيَّةُ

۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

لیبر .. 05971

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی نئی اور اہم تصنیف

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

مغربی ایشیا کے چھ مسلم و عرب ممالک کے اس معلوماتی و دعوتی دورے کی مفصل روئداد و ڈائری، جو مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نے حال ہی میں کیا تھا۔ اس کتاب میں ان ممالک کی دینی، فکری، سیاسی و اقتصادی صورت حال کی سچی تصویر آگئی ہے، اس میں ملت اسلامیہ کے دل کی دھڑکنیں سنی جاسکتی ہیں، امیدوں اور اندیشوں کا ملاحظہ مرقعہ اور تاریخ کے صدمہ صفحات کا پتھر بعض اہل نظر کا کہنا ہے کہ اس نصف صدی کے اندر جو چند فکر انگیز کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں اس کتاب کا ممتاز مقام ہے

کتابت و طباعت معیاری، گرد پوش اعلیٰ، مفصل اشاریہ (انڈکس)
صفحات ۳۰۴، قیمت مجلد ۱۲/-

www.KitaboSunnat.com

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

مولانا مدظلہ کی اہم اصلاحی تقریریں

پیام انسانیت۔ پبلک جلسوں کی پانچ اہم تقریریں جن میں زندگی کے مسائل پر نئے طرز سے

سوچنے اور نئے طریقہ پر کوشش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ قیمت ۲/۵

مقام انسانیت۔ مخلوط اجتماعات کی پانچ اہم تقریریں قیمت ۲/-

قادیانیت۔ اسلام اور نبوت محمدی کے خلاف ایک بغاوت اردو و انگریزی ۱/-

محسن عالم۔ مولانا کی ایک تازہ اور اہم تقریر جو ۲ مئی ۱۹۴۵ء کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ

میں کی گئی تھی اور جس میں تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحیح معنی میں رحمت عالم اور محسن انسانیت ہیں اور آپ کا

احسان نسل انسانی اور تمدن و تہذیب پر ناقابل فراموش اور ناقابل انکار ہے

انگریزی ۲/- اردو قیمت ۱/۵۰

اسلام۔ مکمل دین، مستقل تہذیب

ایک بہتر سماج کی تشکیل میں اسلام کیا حصہ لے سکتا ہے؟ اردو ۱/- انگریزی ۲/-

لسانی و تہذیبی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق ۱/۴۵ - ۱/-

دو انسانی چہرے قرآنی مرقع میں ۱/۴۵ -

عصر جدید کا چیلنج اور اس کا جواب ۱/۸۵ -

خواص۔ ملت میں ان کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں ۱/۵۰ -

محبت فاتح عالم ۱/۲۵ -

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پبلیکیشنز لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)